معرکہ



مولانا محمد مسعود اظہر

مکتبہ حسن

ضربِ مؤمن میں چھپنے والے شہرہ آفاق کالموں کا مجموعہ

معرکہ

از قلم

حضرت مولانا محمد مسعود اظہر

ناشر

مکتبۂ حسن

بسم الله الرحمن الرحيم

١٤١٣

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ

فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ

اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا ۝

جو لوگ ایمان دار ہیں وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، اور جو لوگ کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں، تو تم شیطان کے ساتھیوں سے جہاد کرو، واقع میں شیطانی تدبیر لچر ہوتی ہے۔ (۴ــ۷۶)

فہرست مضامین

شرحِ آرزو

از

مفتی ابولبابہ شاہ منصور

سوت کی گٹھی:

مشہور ہے کہ مصر کے بازار میں جب حضرت یوسف علیہ السلام فروخت ہونے لگے تو ان کے خریداری میں جہاں مصر کے بڑے بڑے سرمایہ دار دلچسپی دکھا رہے تھے، وہیں ایک بڑھیا بھی سوت کی گٹھی لے کر پہنچ گئی تھی۔ اس کے ذوق خریداری اور قوت خرید میں عدم مطابقت پر جب لوگوں کو تعجب ہوا تو اس نے اپنی آرزو کی شرح کچھ یوں بیان کی: اگرچہ حسن یوسف تک میری پہنچ ہے نہ جمال یوسفی کے دام میں چکا سکتی ہوں، لیکن میری خواہش بس اتنی سی ہے کہ خریداران یوسف میں شمار کی جاؤں۔ یہ واقعہ صحت اور استناد کے اعتبار سے کس درجے کا ہے؟ اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، مگر چونکہ عبرت وموعظت فرضی حکایتوں اور جانوروں کے قصے کہانیوں سے بھی حاصل کرنا درست ہے، اس لئے اس حکایت میں غور کیا جائے تو آدمی بے ساختہ اس بڑھیا کی خوش ذوقی، خوش بیانی اور نکتہ رسی کی داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس نے سوت کی گٹھی جیسی حقیر چیز کے بل بوتے پر خریداران یوسف کے ہجوم میں شامل ہو کر کم مایہ لوگوں کے لئے بھی بلند ہمتی کا جواز پیدا کر دیا ہے۔ محترم امیر جیش دامت برکاتہم کے مضامین کی جمع و ترتیب کے کام کا بندہ کے ہاتھوں انجام پانا بھی مصر کی بڑھیا کے قصے سے ملتا جلتا واقعہ ہے۔ فرق بس اتنا

ہے کہ مصر کی بڑھیا اپنی بے بضاعتی کے باوجود شاید محض مشتاقانِ دید کی فہرست میں نام کے اندراج کی خاطر بولی لگانے والوں میں شامل ہوگئی تھی مگر ان مضامین کو کتابی شکل دینے کا محرک اس سے کچھ سوا ہے۔اس کو سمجھنے کے لئے آپ کو ذرا دور تک ساتھ چلنا ہوگا۔

شعلہ و شبنم:

ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ کچھ بیانوں میں سحر کی کیفیت اور کچھ شعروں میں حکمت کے موتی پائے جاتے ہیں۔اس حدیث سے اشارۃً اس بات کی طرف رہنمائی ملتی ہے کہ اللہ رب العزت نے قلم کو بھی یہ طاقت دی ہے کہ وہ شعلوں کی تپش اور شبنم کی ٹھنڈک رکھتا ہے۔مگر افسوس کہ اردو ادب کے بڑے بڑے ناموں نے اپنے قلم کی طاقت کو دین کی خدمت اور مقاصد عالیہ کی تحصیل کے لئے استعمال نہیں کیا، ان کی نوک قلم نے......سوائے چند استثنائی مثالوں کے......تعمیر کی بجائے تخریب کو اپنا وطیرہ بنائے رکھا اور وہ ادب کے نام پر بے ادبی کو فروغ دیتے رہے۔اکثر کے سامنے قلم کا رشتہ قرطاس سے جوڑنے کا سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہ تھا کہ وہ معاشی فوائد حاصل کرلیں یا ناموری اور نمود و نمائش کی وہ سفلی خواہش پوری کرلیں جو اسیرانِ نفس کو مرغوب ہوتی ہے۔ان کی ساری قلمی اور دماغی کاوشیں اس غرض کے لئے خرچ ہوتی رہیں کہ وہ کسی طرح دولت اور شہرت کے اس ٹیلے پر چڑھ جائیں جو کوڑے کے اس ڈھیر سے بنتا ہے جس میں قسما قسم کی گندگی جم جانے کے بعد سبزہ اگ آئے۔یہ سب کچھ سوءِ ظن نہیں بلکہ آپ اردو کے نامور ادیبوں اور شاعروں کے ذاتی حالات کا مطالعہ کریں یا ان کے کلام کی سطور کو بین السطور کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو آپ محسوس کریں گے کہ ان لوگوں نے اپنی اس صلاحیت کو حقیر دنیا کے حصول تک موقوف رکھا اور آخرت کو پیش نظر رکھ کر اس وہبی نعمت کو خرچ کرنے کی بجائے اپنے پیچھے گفتنی اور ناگفتنی باتوں پر مشتمل ایسا ذخیرہ چھوڑ گئے جو ان کے لئے ''سیئہ جاریہ'' کا کام دے رہا ہے۔

ناؤ میں چھیدے:

برصغیر میں مسلمانوں پر جو زوال آیا اس میں بڑا حصہ ان فحش نویس ادیبوں کا تھا جو جنسیت زدہ تحریروں کے ذریعے ناپاک عشق بازی کا زہر پھیلاتے رہے اور ان فضول اور بیہودہ گو شاعروں کا تھا جو

اپنے یبوست زدہ کلام سے قوم کے نوجوانوں کو خیالی دنیا کی سیر کراتے رہے۔آپ ان میں سے اکثر کی نثر و نظم کے صفحے کے صفحے پڑھ جائیے، آپ کا شعور اور تحت الشعور آپ سے کہے گا کہ خیالی حسن اور فرضی عشق کے مارے یہ ادیب اور قنوطیت و یاسیت میں گرفتار یہ شاعر، حرص و ہوس اور بے عملی و بدعملی کے دلدل میں گرگر کر اٹھتے رہے اور اٹھ اٹھ کر مسلمانوں کو اس میں گراتے رہے۔ان کی پوری زندگی اس سے عبارت رہی۔مقولہ مشہور تھا کہ ادیب بننے کے لئے شراب اور شاعر بننے کے لئے عاشقی ضروری ہے۔چنانچہ ان بدحال شرابیوں اور نامراد عاشقوں نے مسلمانانِ برصغیر کی ناؤ میں ایسے چھیدے لگائے کہ اس میں شہوت پرستی، آرام کوشی اور عیش پسندی کا بدبودار پانی بھرتا گیا اور وہ غلامی اور پستی کی گہرائیوں میں ڈوبتی چلی گئی۔

کنجوس کا پیالہ:

غرضیکہ اردو ادب کے بڑے بڑے نام اپنے گرد فحش نگاری، فضول گوئی اور مادہ پرستی کا ایسا جال تنے نظر آتے ہیں جس نے پوری قوم کو اپنی تاروں میں اٹکا کر خواہشات کا اسیر اور خوابوں کی دنیا کا خلاباز بنائے رکھا۔نامور ادیبوں کی تحریریں......چاہے وہ رجعت پسندی کا طعنہ سننے والے ہوں یا ترقی پسندی کا دعویٰ کرنے والے......آپ کو اصلاحی اور تعمیری ادب اتنا ہی نظر آئے گا جتنا کہ کسی کنگلے کنجوس کے گھر سے خیراتی پیالے میں ڈالی جانے والی نیاز ہوتی ہے۔ان میں سے کچھ نے تاریخی ناولوں کی صورت میں ملت کو بیداری کا پیغام دینے کی ٹھانی لیکن ان میں محبت بازی اور عاشقی کی آنکھ مچولی کے ایسے جراثیم داخل کردیے کہ وہ ناول تاریخ کیا بناتے، انہوں نے مسلمانوں کی ساری تاریخ کو ہی ناول بنادیا۔اسی طرح ان میں سے بعض لکھاری دینی تحقیقات کی طرف آنکلے تو انہوں نے اپنی فاسد افتاد طبع کے باعث ایسی قیامت ڈھائی کہ توبہ ہی بھلی۔اس آخری قسم کے بعض قلمکاروں کی بے باکی اور تحقیق کے نام پر پھیلائی جانے والی گستاخانہ ذہنیت اور مذہبی آزاد خیالی تو آج امت مسلمہ کے لئے روگ بنی ہوئی ہے۔

اردو ادب کا المیہ:

بات دور چلی گئی۔کہنا یہ تھا کہ ادب کی تاریخ میں ایسے اصحاب قلم کم ہی ملیں گے جنہوں نے اپنے قلم کی نوک کو خیر کی دعوت کے لئے گروی رکھا اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خلق خدا کے فائدے کے لئے

استعمال کیا اور ایسے تو بہت ہی کم ہیں جو اصلاح و جہاد کی تحریک لے کر چلے ہوں اور پھر انہیں عوامی شہرت اور قبولیت عامہ ایسی نصیب ہوئی ہو کہ وہ ایک وسیع حلقے خصوصاً اہل علم وصلاح کے طبقے پر اثر انداز ہوں۔ اردو ادب کا یہ المیہ رہا ہے کہ اس کے قلم اور صلاح میں دوری رہی۔ خصوصاً ہمارے دور میں اس کی یہ بدقسمتی رہی کہ اسے مولانا علی میاں رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے مفکر، حضرت لدھیانوی قدس سرہ جیسے مردم شناس مصلح اور حضرت مولانا جسٹس تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم جیسے نکتہ رس محقق اور بلند پایہ ادیب کم ہی ملے۔ واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ حلقہ ہائے ادب سے وابستہ تھے وہ علم و جہاد کے پرچم تلے آنے سے گریزاں رہے اور جو انقلاب کے نقیب یا اصلاح کے داعی تھے ان کا پیغام اس معیار کے ادب میں ڈھل کر عوام الناس تک نہ پہنچ سکا جس معیار کے لفظی سانچوں میں عوام تک ناول، افسانے اور ''ادب برائے ادب'' کا لیبل لگی تحریریں پہنچتی رہیں۔

ذوق کی تسکین:

امیر جیش جناب مولانا محمد مسعود اظہر صاحب دامت برکاتہم کی صورت میں دنیائے علم و ادب ایک ایسے صاحب قلم سے متعارف ہوئی ہے جسکی سحر بیانی، قادر الکلامی، بدیہہ نویسی اور حقیقت نگاری ہی ضرب المثل نہیں، علم دین، ارشاد خلق اور تحریک اصلاح و جہاد میں بھی ان کا کردار قابل رشک ہے۔ آپ ان کی تحریروں کو ادب عالیہ کے کسی بھی شہ پارے سے موازنہ کر کے دیکھ لیں، انہیں کسی اعتبار سے کم نہ پائیں گے۔ کوئی سکہ بند نقاد ہو یا علم معانی و بدیع کا محقق عالم، کوچۂ ادب کا کوئی پرانا راہ شناس ہو یا شعر و سخن کا کوئی کہنہ مشق استاد، ان کے نثر پاروں کا جائزہ لے تو یہ کہے بغیر نہ رہے گا کہ ان کے نوک قلم سے نکلے لفظوں میں ایسی سادگی و پرکاری، سلاست و روانی اور برجستگی و بے ساختگی ہے اور ان کی تحریر میں صنائع بدائع کی وہ خوبیاں، تشبیہات و استعارات کی وہ نادر مثالیں اور تکلف کے بغیر وہ فطری ادبی محاسن پائے جاتے ہیں جو انہیں عالمی سطح کے عظیم ادیبوں کی صف میں لا کھڑا کرتے ہیں۔ کہیں کہیں ان کی نثر میں ایسا متانت آمیز طنز اور ظرافت آمیز شوخی چپکے سے جگہ بنا کر جگمگانے لگتی ہے جیسے خالص دودھ میں دیسی شکر گھل کر اس کے لطف کو دوبالا کر دے۔ ظاہری محاسن کے علاوہ فکر و نظر کی گہرائی اور مشاہدے و تجزیے کی گیرائی بھی قابل دید اور قابل داد ہوتی ہے۔ اگر کسی کو اس میں مبالغہ محسوس ہو تو وہ

اس کتاب کا صرف ایک مضمون ''اللہ اکبر!'' پڑھ لے۔ کیا اس موضوع پر اس اچھوتے، انوکھے، پُر تاثیر اور ولولہ خیز انداز میں اس سے بہتر لکھا جا سکتا ہے؟ علماء کرام، مجاہدین اور دین سے محبت رکھنے والے حضرات کیلئے یہ امر نہایت شادمانی کا باعث ہونا چاہئے کہ ان میں سے ایک فرد کے مضامین کو مکمل خود اعتمادی اور افتخار کے احساس کے ساتھ ادب کے عالمی شاہکاروں کے مقابلے میں رکھا جا سکتا ہے اور فخر و مسرت کے ساتھ ان لوگوں کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے جو دینی لٹریچر نہ پڑھنے کا یہ عذر گھڑتے ہیں کہ وہ ان کے ''نفیس اور بلند'' ذوق کی تسکین نہیں کرتا۔

ورق الٹئے:

امیر محترم مولانا صاحب کی تحریروں کو معیاری طباعت اور حسن ظاہر کے تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ عوام الناس کے سامنے پیش کرنے کی اصل غرض یہی ہے کہ اردو ادب کو علماء کرام کی توجہ اور عنایت سے محرومی کا گلہ نہ رہے، نیز یہ کہ دینی، اصلاحی اور جہادی تحریروں کو خالص ادبی نقطۂ نظر سے پرکھنے والے کسی کمی کا احساس یا تشنگی کا شکوہ نہ کر سکیں۔ ادب عالیہ کے بلند پایہ نمونوں پر مشتمل یہ شاہکار تحریریں ضرب مؤمن کے پاس...... تمام اردو داں طبقے کی علی العموم اور طلبہ کرام و مجاہدین کی بالخصوص...... امانت تھیں جس کا ان تک پہنچانا نہایت خوشگوار فریضہ ہے۔ یہ رب کریم کا بے پایاں احسان ہے کہ اس نے اسے اس فریضے کی ادائیگی کی توفیق دی۔ ہمارے ہاں یہ ریت پڑ گئی ہے کہ صاحبان فضل و کمال کی زندگی میں نہ ان کا کام سامنے آتا ہے نہ لوگ ان سے استفادہ حاصل کرتے یا ان کی قدر کرتے ہیں، البتہ ان کے چلے جانے کے بعد غائبانہ معتقدین اور فنافی المبالغہ سوانح نگاروں کا جمگھٹا ہو جاتا ہے جو ان کے حقیقی اور ادعائی ہر طرح کے فضائل و کمالات منظر عام پر لا کر لوگوں کے جذبہ شخصیت پرستی کی تسکین کرتے ہیں، لیکن آپ خود سوچئے کہ اس سے کسی تحریک یا دعوت کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اپنے اکابر اور صاحبان علم و کمال کی ان کی زندگی میں ہی قدر کرنی چاہئے۔ ''معرکہ'' کی کتابی صورت گری اسی آرزو کی شرح ہے۔ اس مجموعے میں وہ ستر مضامین شامل ہیں جو ''معرکہ'' کے ولولہ انگیز نام سے ضرب مؤمن میں چھپتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسا انتظام ہو گیا ہے کہ آئندہ جیسے ہی مزید ستر مضامین پورے ہوں گے، ان کی کتابی صورت میں اشاعت کا فوراً ہی انتظام ہو جائے

گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں یہ مختصر آرزو اور اس کی طویل شرح ختم ہوتی ہے۔ اب آپ ورق الٹئے اور ادب لطیف کے ان نادر و نایاب نثر پاروں سے اپنے دل و دماغ کو منور اور مشام جاں کو معطر کیجئے جو تاثیر و افادیت میں اپنی مثال آپ ہیں۔

ابولبابہ

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ

۱۱ اگست ۲۰۰۱ء

السّلام علیکم!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ! چھ سال اور چوبیس دن کی قید کے بعد اللہ رب العزت نے مجھے اپنے فضل و کرم سے دار الکفر سے نجات عطاء فرمادی ہے۔ آزادی کے بعد میں قارئین ضرب مؤمن کے لئے خاص طور پر یہ مضمون لکھ رہا ہوں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ایامِ اسارت میں ضرب مؤمن کے ذریعے سے میرا آپ سے رابطہ رہا اور اللہ تعالیٰ نے اس مقبول اخبار کی بدولت مجھے امت مسلمہ سے مخاطب ہونے کی مسلسل سعادت عطاء فرمائی۔ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے۔ قارئین ضرب مؤمن کو یقیناً اس بات کی جستجو ہوگی کہ وہ میری گرفتاری اور پھر آزادی کے عجیب وغریب واقعات معلوم کریں اور ان تک اس بارے میں وہ معلومات پہنچیں جواب تک معمہ بنی ہوئی ہیں۔ چونکہ میری رہائی کا معاملہ مسلسل کئی دن تک ذرائع ابلاغ پر چھایا رہا ہے اور اس بارے میں طرح طرح کی باتیں مشہور ہوئی ہیں، اس لئے آپ کو اصل حقائق کے بارے میں جاننے کا اشتیاق ہوگا اور ان شاء اللہ بہت جلد آپ کا یہ اشتیاق پورا ہو جائے گا اور آپ اس عظیم الشان واقعے کی تفصیلات جان لیں گے، جس نے کفر کی صفوں میں ماتم برپا کردیا ہے اور اہل ایمان کے دل ٹھنڈے کردیے ہیں لیکن آج کی اس نشست میں ماضی کی کچھ باتیں عرض کررہا ہوں تا کہ حال کا رشتہ ماضی کے ساتھ جوڑنے میں آسانی رہے۔

محترم قارئین! گرفتاری کے بعد مجھ سے قلم چھین لیا گیا تھا اور طرح طرح کی پابندیاں لگا کر مجھے

یہ باور کرایا گیا تھا کہ اگر میں نے جیل میں بیٹھ کر امتِ مسلمہ کو مخاطب کیا یا ایمان و جہاد کے عنوان پر کچھ لکھا تو مجھے اس کے عبرتناک نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ پابندی اور اسیری کے یہ دن مجھ پر بہت گراں گذرے اور مجھ پر یہ احساس مسلط ہوتا چلا گیا کہ اب میں دین کی خدمت سے اور جہاد کے کسی بھی شعبے میں کام کرنے سے محروم ہو چکا ہوں۔ یہ احساس بہت اذیت ناک تھا اور اس نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا، مگر میں کیا کر سکتا تھا؟ اس مرحلے پر میں نے مایوس ہونے کی بجائے اللہ رب العزت کے حضور اپنا دامن پھیلا دیا اور میں اپنے مالک کے حضور یہی عرض کرتا رہا کہ یا اللہ! آپ مجھے جس حال میں رکھئے میں راضی ہوں، مگر مجھے اپنے دین کی خدمت سے محروم نہ فرمایئے۔ میری یہ مسلسل دعاء بالآخر قبول ہوئی اور گرفتاری کے تقریباً ڈیڑھ دو سال بعد میں جیل حکام کی نظریں بچا کر ایک کتاب لکھنے میں کامیاب ہوا۔ اس کتاب کا نام ''زادِ مجاہد'' رکھا گیا اور اسے میرے مشورے کے مطابق میرے اصل نام کی بجائے دوسرے نام سے چھاپا گیا۔ یہ کتاب جیل سے یہاں تک کیسے پہنچی اور اس کے بعد کی کتابیں کس طرح سے پہنچتی رہیں؟ یہ بھی ایک طویل اور دلچسپ داستان ہے، لیکن چونکہ ابھی تک بہت سارے مجاہدین حضرات جیلوں میں بند ہیں اور ان میں سے کئی ایک اس بات کی تمنا بھی رکھتے ہیں کہ وہ بھی جیل میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کریں، اس لئے ان کی خاطر میں وہ تفصیلات عرض کرنے سے قاصر ہوں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرت اور اس کے خاص فضل کا کرشمہ تھا کہ میں نے جیل سے کئی ہزار صفحات لکھ کر بھیجے اور الحمدللہ! ان میں سے کوئی صفحہ بھی نہیں پکڑا گیا اور نہ ہی چند مضامین کے علاوہ کچھ ضائع ہوا۔ زادِ مجاہد کے بعد میں نے جیل کے بارے میں کچھ یادداشتیں اور مضامین لکھے، جن میں سے اکثر ضرب مؤمن میں شائع ہوئے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جن دنوں میں یہ مضامین لکھ رہا تھا ان دنوں ضرب مؤمن کی اشاعت شروع نہیں ہوئی تھی، مگر میں اپنے تمام مضامین اور تحریریں انہیں حضرات کو بھجوا رہا تھا جنہوں نے بعد میں ضرب مؤمن کے نام سے وہ اخبار نکالا جس نے بلاشبہ اسلامی صحافت کو ایک نیا رخ دیا ہے اور وہ اہم شعبہ جو اہلِ حق سے بے توجہی کا شاکی تھا، اس رسالے کی بدولت اب اہلِ حق کا ممنون نظر آتا ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ میرے ان مضامین کو جن کی تعداد ۷۵ کے قریب تھی ''مسکراتے زخم'' کے عنوان سے یکجا شائع کیا جائے۔ کتاب کا یہ نام میں نے حضرت خواجہ مجذوب علیہ الرحمۃ کے اس شعر سے لیا تھا۔

نہ جائیں میری اس خندہ لبی پر دیکھنے والے
کہ لب پر زخم کے بھی تو ہنسی معلوم ہوتی ہے

مگر اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ ضرب مؤمن ایمانی للکار اور طوفانی یلغار کے ساتھ میدان میں آ گیا اور میرے یہ مضامین اس میں شائع ہونے لگے۔ انہیں دنوں میں اللہ تعالیٰ نے مجھے تعلیم الجہاد حصہ دوم، حصہ سوم اور حصہ چہارم مکمل کرنے اور بھجوانے کی بھی توفیق عطاء فرمائی۔ تحریر کا یہ سارا کام تہاڑ جیل دہلی میں ہوا اور الحمدللہ! دشمنانِ اسلام سے مخفی رہا۔ یقیناً یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں ہے لیکن جس رب نے مٹی سے انسان کو پیدا کر دکھایا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کے کام انسانوں کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ میں تو اپنے عظیم اور پیارے مالک کے احسانات میں سرتاپا ڈوبا ہوا ہوں اور اس کے شکر کا حق ادا کرنے سے بھی قاصر ہوں۔

تہاڑ جیل سے جب دوبارہ جموں منتقلی ہوئی تو پھر کچھ عرصہ تک تحریری کام رک گیا، مگر مختصر سے وقفے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب لکھنے کی توفیق عطاء فرمائی جو ''آزادی مکمل یا ادھوری'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اس دوران چونکہ ضرب مؤمن بھی نکل رہا تھا اور اس کے بعض پرچے جیل میں بھی کسی طرح پہنچ چکے تھے، چنانچہ وقتاً فوقتاً ضرب مؤمن کے لئے مضامین لکھنے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ترمذی شریف کے درس کے دوران اللہ تعالیٰ نے جہاد پر بعض اہم مضامین لکھنے کی توفیق بخشی، ان مضامین کو بھجوانے کا بھی انتظام اس نے فرما دیا۔ یہ مضامین ضرب مؤمن میں شائع ہوئے اور اب ''دروس جہاد'' کے نام سے یکجا بھی شائع ہو چکے ہیں۔ دروس جہاد کے بعد پاکستان کے بعض اکابر کے حکم اور مشورے پر جہاد کی معتبر عربی کتاب ''مشارع الاشواق'' کے ترجمے، تلخیص اور تشریح کا کام شروع ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بہت جلد اس کام کو مکمل کرنے کی توفیق عطاء فرما دی اور دو سو اسی (۲۸۰) صفحات کا ضخیم مسودہ بھجوانے کا انتظام بھی من جانب اللہ ہو گیا اور الحمدللہ! جیل حکام کو اس کی ہوا تک نہ لگی۔

جون ۱۹۹۹ کو جیل میں ایک دردناک واقعہ پیش آیا۔ مجاہدین نے جیل سے خلاصی کے لئے جو خندق کھودی تھی وہ پکڑی گئی اور رفیقِ محترم کمانڈر حافظ سجاد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ خوفناک تشدد کے ذریعے شہید کر دیئے گئے۔ اس واقعے نے ہم سب کے دل زخمی اور اعصاب کو مفلوج کر دیا، اپنی اور ساتھیوں کی حالت سنبھالنے کے لئے میں نے دوبارہ درس قرآن شروع کیا اور سورہ بقرہ کی تفسیر بیان

کرنے کے دوران مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ یہودیوں کے امراض بڑی تیزی کے ساتھ مسلمانوں میں سرایت کر رہے ہیں اور یہودیوں کے امراض کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی بدولت اللہ تعالیٰ کا غضب، اس کی لعنت اور ذلت مسلط ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے لکھنا شروع کیا اور تقریباً سو دو سو صفحات لکھ کر بھجوا دیے۔ ان صفحات میں یہودیوں کے دس امراض کا تذکرہ ہے۔

اسی دوران شعبان کا مہینہ شروع ہو گیا اور یہ فکر لاحق ہوئی کہ قرآن مجید کی طرف زیادہ توجہ دی جائے، اسی طرح رفقاء کا تقاضہ تھا کہ شعبان اور رمضان میں ان کے دینی اسباق بڑھا دیے جائیں، چنانچہ دو ماہ تحریری کام سے چھٹی کی نیت کر لی اور اس پر عمل بھی شروع کر دیا اور یہ ارادہ کر لیا کہ رمضان المبارک کے فوراً بعد پھر تحریری کام باقاعدہ طور پر شروع کیا جائے گا، مگر رمضان المبارک کی بائیسویں تاریخ کو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت متوجہ ہوئی اور میں دارالکفر سے دارالاسلام آپہنچا اور آج اٹھائیس رمضان المبارک کی شب ضرب مؤمن کے دفتر کے بالکل پاس بیٹھ کر یہ مضمون لکھ رہا ہوں۔ یقیناً یہ سارا معاملہ اللہ تعالیٰ سے محبت بڑھانے والا ہے اور ہمیں یہ سبق دینے والا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا جائے اور اس پر توکل کرتے ہوئے خدمتِ دین کا عزم مصمم کر لیا جائے تو پہاڑ جیسی رکاوٹیں بھی رائی کا دانہ بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس بات کی سمجھ نصیب فرمائے ان شاء اللہ اگلے ہفتے اسی کالم کے ذریعے آپ سے پھر ملاقات ہوگی۔

والسلام

جموں سے قندھار تک

جس دن میں گرفتار ہوا تھا وہ بھی جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ اس سے پہلی رات یعنی شب جمعہ برادرم سجاد خان شہید اور میں اسلام آباد (اننت ناگ، مقبوضہ کشمیر) کے ایک دور دراز گاؤں کے ایک مکان میں تھے۔ ہمارے دیرینہ ساتھی ابو غازی شہید پندرہ مسلح مجاہدین کے ہمراہ اس گھر میں تشریف لائے۔ نہایت گرمجوشی کے ساتھ ملاقات ہوئی اور تھوڑی ہی دیر میں مجلس جہاد گرم ہو گئی۔ سبحان اللہ! کیسا پُرکیف منظر تھا! میرے سامنے اور ارد گرد جذبۂ جہاد سے تمتماتے، سنت نبوی سے مزین چہرے، ان چہروں پر شوق شہادت میں ڈوبی ہوئی آنکھیں اور ان آنکھوں کے اندر اسلام کی عظمت اور اس کی نشاۃ ثانیہ کے حسین خواب۔ ان نوجوانوں کے سینوں پر میگزین اور گرینڈ سجے ہوئے تھے اور ان سینوں کے اندر چھپے ہوئے دلوں سے شجاعت و جانبازی کی خوشبو آ رہی تھی۔ وہ سارے نوجوان نہایت توجہ، محبت اور انہماک کے ساتھ میری گفتگو سن رہے تھے۔ ان کی کلاشنکوفیں ان کی گود میں یوں پڑی تھیں جس طرح محبوب بچے اپنی ماؤں کی گود میں۔ بعض کے پاس راکٹ لانچر بھی تھے اور بعض نے انڈیا آرمی سے چھینی ہوئی کاربائنیں بھی اٹھا رکھی تھیں۔

بعض ساتھی نیچے پہرہ دے رہے تھے۔ جی ہاں! ''رباط'' جیسے عظیم عمل کے مزے لوٹ رہے تھے۔ اس رات مجلس جہاد چھوڑ کر پہرہ دینا ان پر کافی گراں گذر رہا تھا مگر وہ خندہ پیشانی کے ساتھ اس گرانی کو سہہ رہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک گفتگو ہوئی پھر سوالات کی نشست شروع ہو گئی، اسی اثناء میں وہ مجاہدین

جو قریب ہی ایک مرکز میں تھے، انہوں نے وائرلیس کے ذریعے رابطہ کیا۔ تھوڑی دیر تک ہوا کی لہروں پر ایک اور مجلس جہاد سجی، یہ مجاہدین بھی ہمارے پاس آنا چاہتے تھے لیکن ان کا مرکز میں رہنا ضروری تھا بہر حال کچھ پیاس تو بجھی۔ مجلسِ جہاد رات کے دو بجے ختم ہوئی، مجاہدین دیواروں کے ساتھ ٹیک لگا کر اونگھنے لگے، میں نے ان میں سے ایک کی کلاشنکوف لی اور رباط (پہرے داری) کے عمل میں مصروف مجاہدین کے ساتھ شرکت کے لئے سیڑھیاں اترنے لگا، راستے میں میں نے کلاشنکوف کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ وہ مشرکین کے ساتھ مذاکرات کے لئے بالکل تیار ہے یعنی اس کا لاک کھلا ہوا تھا اور گولی چیمبر میں تھی۔

کلاشنکوف کی تیاری دیکھ کر دل سرور سے بھر گیا اور طبیعت باغ باغ ہوگئی۔ الحمد للہ! رات کے آخری پہر میں جب ٹھنڈی ہوا کے جھونکے پوری آب و تاب کے ساتھ چل رہے تھے اور آسمان سے رحمت کے نزول کا وقت تھا، اللہ تعالیٰ نے کشمیر کے محاذ پر چند لمحے پہرے داری کی توفیق عطاء فرمائی۔ اس نعمتِ کبریٰ پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے۔ وہ یادگار رات گذر گئی۔ یہ شعبان ۱۴۱۴ ہجری کی اٹھائیسویں شب تھی۔ انگریزی کیلنڈر پر ۱۹۹۴ء کا سن تھا۔

صبح جمعہ کا دن اپنے دامن میں میرے لئے ایک ایسا پیغام لارہا تھا جس کی مجھے بالکل خبر نہیں تھی۔ صبح نو بجے میں برادرم سجاد خان شہید کے ساتھ اسلام آباد شہر کی طرف نکلا۔ ان کی تمنا تھی کہ شہر کی جامع مسجد میں جمعۃ المبارک کے خطبہ ہو جائے، مگر راستے میں گاڑی خراب ہوگئی جس کی وجہ سے ایک آٹو رکشا لینا پڑا اور پھر تقریباً بارہ بجے کے قریب جب سورج ڈھلنے کی تیاری میں تھا ہم دونوں کی گرفتاری ہوگئی۔ انڈیا آرمی نے خوب خوشیاں منائیں۔ مجھے وہ نعرے یاد ہیں جو انہوں نے اچھل اچھل کر لگائے تھے ہمیں ایک فوجی کیمپ میں لے جا کر بٹھا دیا گیا۔ آنکھوں پر پٹی اور پشت کے پیچھے ہاتھوں پر رسے باندھ دیے گئے مگر ہمارے کان اس فخریہ جلسے کی کارروائی سن رہے تھے جو ہمارے قریب ہی منعقد ہوا تھا۔ گائے کے پجاری خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے اور وہ گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگا رہے تھے۔

جے ہند، بھارت ماتا کی جے، وغیرہ وغیرہ

اُف! وہ کتنا دردناک منظر تھا اور کیسا کربناک لمحہ! اللہ کے دشمن، اسلام کے دشمن اور مسلمانوں کے قاتل خوشیاں منا رہے تھے اور ہم بے بسی کے ساتھ تھوڑی دیر بعد ہونے والے تشدد کا انتظار کر رہے تھے۔

اب آیئے! دوسرے منظر کی طرف۔ یہ بھی جمعۃ المبارک کی رات ہے، جموں کے مضافات میں واقع کوٹ بھلوال جیل کے وارڈ نمبر ۹ کی ایک بارک میں ہم سترہ ساتھی تراویح پڑھ رہے تھے۔ برادرم مولانا ابوجندل نے تراویح کی امامت کروائی اور سولہ رکعت میں ایک پارہ سنایا۔ اس کے بعد امامت ایک اور ساتھی نے سنبھال لی اور میں مولانا ابوجندل کے ہمراہ اپنے سیل میں آگیا، جہاں پر میں نے دو رکعت تراویح میں انہیں ایک پارہ سنایا۔ تراویح کے بعد رات ساڑھے آٹھ بجے جیل کے ملازم آگئے، انہوں نے ہماری گنتی کی اور ہماری بارک کو تالے لگا دیے۔ بارک کے اکثر ساتھی میرے سیل میں آگئے، جہاں ہم خبریں سنتے رہے اور طیارے کے اغواء والے موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ چونکہ اس واقعے کے تناظر میں اکثر ساتھی پر امید اور خوش تھے، اس لئے ان کی گفتگو عجیب ہوتی تھی، جیل کے تاریک غار میں روشنی کی اس کرن کی حرارت صاف محسوس کی جارہی تھی اور کئی دن سے تمام رفقاء دعاؤں اور صلوٰۃ الحاجۃ میں مشغول تھے۔ اس رات بھی تقریباً دس بجے تک ایمانی مجلس جمی رہی، پھر میں سیل میں اکیلا رہ گیا مگر معلوم نہیں کہ نیند کیوں آنکھوں سے دور تھی۔ غالباً اگلے دن پیش آنے والے ان واقعات کا اثر تھا جن کا مجھے بالکل علم نہیں تھا۔ وہ رات جیسے تیسے گذر گئی۔ صبح سحری کے وقت پھر ساتھیوں سے ملاقات ہوئی۔ جمعۃ المبارک ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ ہجری کا سورج طلوع ہوا۔ میں رات بھر کا تھکا ہوا تھا اس لئے سورج کے طلوع ہوتے ہی سوگیا۔

دس بجے کے قریب آنکھ کھلی، میں وضو کرنے کے لئے چلا گیا، وضو کے بعد میں نماز میں مشغول تھا کہ جیل حکام بڑی تعداد میں آنا شروع ہوگئے۔ انہوں نے مجھے کہا: آپ کو کہیں جانا ہے، سامان لے لیں۔ میں نے پوچھا: کہاں جانا ہے؟ ان میں سے بعض نے کہا قندھار اور بعض نے مبہم جواب دیے۔ میرے ساتھیوں نے میرا مختصر سا رختِ سفر باندھ دیا اور پھر وہ مجھے رخصت کرنے لگے۔ ان سب کی آنکھوں سے محبت کے موتی چھلک رہے تھے، بعض ان میں سے بلک رہے تھے۔ میں نے انہیں کچھ نصیحت کرنا چاہی تو خود میرے ضبط کا بندھن بھی ٹوٹ گیا، تب مجھے اس محبت اور اس رشتے کا زیادہ احساس ہوا جو ہم قیدیوں کے درمیان قائم ہو چکا تھا۔ ہم ایک دوسرے کی ضرورت اور راحت تھے اور ہم اللہ تعالیٰ کے بعد ایک دوسرے کا سہارا تھے، ہم نے اکٹھے ماریں کھائیں، ایک دوسرے کی چیخیں اور آہیں سنیں، ایک دوسرے کے زخموں کو سہلایا اور اکٹھے مل کر کفر کی یلغار کا مقابلہ کیا۔ ہم لوگ اس قدر قریب رہے کہ ایک دوسرے کی پہچان بن

گئے، پھر یہ سارے نوجوان میرے عزیز شاگرد تھے۔ انہوں نے جیل میں میرے ساتھ جس طرح کی محبت، اکرام اور وفاداری کا معاملہ کیا، اس کا ایک لمحہ بھلانا بھی میرے لئے ناممکن ہے۔ اللہ کی قسم! جب تک یہ سب ساتھی رہا ہو کر میرے پاس نہیں پہنچ جاتے، میں اپنی رہائی کو مکمل نہیں سمجھ سکتا۔

بہر حال دن کے ساڑھے گیارہ بجے میں اپنے بھائیوں کو روتا چھوڑ کر اپنے وارڈ سے باہر نکل آیا۔

جیل کی ڈیوڑھی میں میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی اور دونوں ہاتھ ہتھکڑی سے جکڑ دیے گئے اور بھاری سیکورٹی میں مجھے کہیں دور لے جایا گیا، جہاں ایک جہاز میں بٹھا دیا گیا، یہ جہاز دہلی جا کر اترا۔ وہاں مجھے جہاز سے اتار کر گاڑیوں کے قافلے میں کسی طرف لے جایا گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے انہیں کہا کہ میری آنکھیں کھول کر میرا قرآن مجید مجھے دو تاکہ میں تلاوت کرسکوں۔ ان کے انکار پر مجھے غصہ آیا اور میں نے نتائج سے بے پروا ہو کر انہیں خوب کھری کھوٹی سنا دیں۔ یہ صورتحال دیکھ کر وہ گھبرا گئے، انہوں نے میری آنکھیں کھولیں تو میں نے دیکھا کہ سامنے ایئر انڈیا کی ایک ایئر بس کھڑی ہے اور اس کے چاروں طرف عجیب وغریب لوگ بھاگتے دوڑتے پھر رہے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خفیہ اداروں کے اعلیٰ اہلکار تھے۔ ان میں سے بعض مجھے ساتھ لے کر اس جہاز پر چڑھ گئے جو سامنے کھڑا تھا۔

مجھے جہاز کے درمیان میں ایک سیٹ پر بٹھا دیا گیا اور میرے اردگرد اور آگے پیچھے مستعد کمانڈوز متعین کردیے گئے۔ میں نے بیگ سے اپنا قرآن مجید نکلوایا اور اپنی سیٹ پر بیٹھ کر تلاوت میں مشغول ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جہاز نے دوڑنا شروع کیا اور پھر اس نے ظالموں کی زمین چھوڑ کر خود کو فضاء کے حوالے کردیا۔ اس وقت میرے کانوں نے یہ الفاظ سنے: ''خواتین'' وحضرات! ہم آپ کو قندھار کی پرواز پر خوش آمدید کہتے ہیں۔

یہ اعلان سنتے ہی بے ساختہ میرے منہ سے تکبیر کی صدا بلند ہوئی اور میری زبان پر دعائیں جاری ہوئیں:

الحمدللہ الذی نجّانی من القوم الظلمین. رب أنزلنی منزلا مبارکا وأنت خیر المنزلین. عسٰی ربّی أن یهدینی سواء السبیل. رب إنی لما أنزلت إلیّ من خیر فقیر.

خوشی کی وجہ سے میرے آنسو آنکھوں کی طرف بڑھے تو میں نے بڑی مشکل سے انھیں روک لیا کہ مبادا دشمن مجھے روتا دیکھ کر خوش نہ ہوجائے۔ ایئر انڈیا کا جہاز دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف

گامزن تھا۔ اہل ایمان خوشیاں منانے کی تیاری کر رہے تھے۔ عالم اسلام فتح اور سربلندی کے احساس سے سرشار تھا اور کفر پر ماتم طاری تھا اور تاریخ کے ایک نئے دور کا دیباچہ تیار ہو رہا تھا۔

آج کی نشست میں اتنا ہی، باقی ان شاء اللہ! آئندہ ہفتے۔

والسلام

قید سے آزادی تک

جہاز فضاء میں بلند ہو کر پاکستان کی طرف اپنا رخ کر چکا تھا، جہاں اس نے بلوچستان کے اوپر سے گذر کر افغانستان میں داخل ہونا تھا۔ میں نے پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھا تو چند سیٹوں کے فاصلے پر کشمیر کے معروف گوریلا کمانڈر مشتاق احمد زرگر تجسس بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ جب نگاہیں چار ہوئیں تو انہوں نے اشارہ کر کے منزل پوچھی۔ وہ ابھی تک اسی ذہنی کشمکش میں تھے کہ اس جہاز کی منزل کیا ہے؟ غالباً اپنی آنکھوں اور کانوں پر بندھی ہوئی پٹی کی وجہ سے وہ فضائی عملے کا ابتدائی اعلان نہیں سن سکے تھے مگر بعد میں ان کی آنکھیں بھی کھول دی گئیں۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں رہائی کی خوشخبری سنائی جس کا اثر ان کے چہرے پر فوری ظاہر ہو گیا۔ مجھ سے چند سیٹیں آگے ایک اور مجاہد ساتھی احمد عمر شیخ بیٹھے تھے۔ ہم میں سے ہر ایک کو تین محافظوں نے گھیر رکھا تھا، جبکہ جہاز میں سوار کمانڈوز کی تعداد ۹۰ کے قریب تھی۔

جہاز کی سب سے اگلی سیٹ پر بھارت کی مشرک حکومت کا وزیر خارجہ جسونت سنگھ بیٹھا تھا۔ وہ دو چار بار جہاز کے کاک پٹ میں بھی داخل ہوا۔ اس کے عملے میں ڈاکٹر بھی تھے جو اسے وقتاً فوقتاً دوائیاں کھلا رہے تھے۔ جہاز کے میزبانوں نے رسماً ہم سے بھی کھانے اور مشروبات کے متعلق پوچھا۔ ہم نے روزے کا عذر کر دیا اور اگر روزہ نہ بھی ہوتا تو یقیناً کوئی اور عذر کر دیتے، کیونکہ آزادی کے اس قدر قریب آ کر نہ بھوک اور پیاس محسوس ہو رہی تھی اور نہ ہی دل کو ان کا کھانا گوارا تھا۔ پونے دو گھنٹے کی پرواز کے

بعد جہاز نے اپنا رخ موڑ لیا اور وہ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔

اور پھر وہ تاریخی لمحہ آ پہنچا جب ائر انڈیا کا یہ جہاز اپنے ماتھے پر ذلت اور ہزیمت کا کلنک لگائے دار الاسلام، افغانستان کے شہر قندھار کے ایئر پورٹ پر سرنگوں ہو کر اترا۔ جہاز رن وے پر دوڑ رہا تھا اور میرے دل و دماغ میں عجیب وغریب بجلیاں دوڑ رہی تھیں، کیونکہ جہاز جس شہر میں اترا تھا اس شہر کی ہر چیز مجھے عزیز تھی، اس شہر کے سینے میں خون شہیداں دوڑ رہا تھا اور وہ شخص جس کی محبت سے میرا دل سرشار تھا اور جس کے مبارک ہاتھوں پر میں جیل ہی سے بیعت کر چکا تھا، اس شہر کا رہنے والا تھا۔ جی ہاں! قندھار ہمارے اس امیر المؤمنین کا شہر ہے، جنہوں نے اس دور میں اسلام کا نام سربلند کیا ہے اور جن کا وجود مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہے۔ میں جب جیل میں تھا تو اس شہر کے درودیوار کو دیکھنا اور اس شہر میں تشریف فرما حضرت امیر المؤمنین کی دست بوسی کرنا میری زندگی کی بہت بڑی تمنا تھی اور میں اپنی دعاؤں اور تحریروں میں اس تمنا کا بار بار اظہار کرتا تھا۔

واہ! میرے مالک، اپنے فضل سے اس شہر کا انتخاب فرمایا جہاں سے آج پوری دنیا میں اسلام کا ڈنکا بج رہا ہے۔ یہ وہ شہر ہے جہاں تیرا کلمہ بلند ہے، جہاں اسلام اور مسلمان آزاد ہیں اور جہاں کے حکمران تیرے محبوب بندے ہیں۔ قندھار ایئر پورٹ پر جہاز دوڑ رہا تھا اور رن وے کے دونوں طرف ہزاروں مسلح طالبان کے خوبصورت چہرے میرے ایمان اور میری خوشی میں اضافے کا باعث بن رہے تھے۔ میں ایئر پورٹ پر طالبان کی اتنی بڑی تعداد دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس دن تمام اہل قندھار کی یہی تمنا تھی کہ وہ اس تاریخی موقع پر ایئر پورٹ پر موجود ہیں، مگر طالبان حکام نے انتظامی طور پر ایئر پورٹ میں عمومی داخلے پر پابندی عائد کر دی تھی، چنانچہ چند ہزار افراد ہی ایئر پورٹ پر پہنچ سکے۔ حالانکہ طالبان کا اس ہائی جیکنگ سے کوئی تعلق نہیں تھا، لیکن تمام اہل قندھار اس بات پر مسرور تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چند مسلمان بھائیوں کو رہائی عطاء فرمائی ہے اور طیارے کا معاملہ پرامن طور پر حل ہو چکا ہے۔ اہل قندھار پر امیر المؤمنین کی برکت سے اسلامی رشتے کی عظمت آشکارا ہو چکی تھی، اس لئے وہ خوشی سے جھوم رہے تھے اور ان کی آنکھیں احساس مسرت سے چمک رہی تھیں۔ ایئر پورٹ پر طالبان کے سینکڑوں مسلح محافظ اور ان کی خوبصورت گاڑیاں، ٹینک، اسلحہ اور منظم ترتیب انڈین حکام کو دعوت فکر دے رہی تھی اور یہ فکر ایئر انڈیا میں بیٹھے ہر مشرک کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

انڈین حکومت نے کئی سالوں سے چوروں اور ڈاکوؤں پر مشتمل طالبان مخالف شمالی اتحاد کو دہلی میں پناہ دے رکھی ہے اور وہ قاتلوں کے اس خونخوار گروہ کی ہر طرح سے مالی اور مادی معاونت کر رہی ہے۔ ''اصحاب الشمال'' کے عہدیداروں نے انڈین حکومت کو یہ باور کرایا ہوا ہے کہ طالبان ایک غیر منظم گروہ کا نام ہے جو چند روز میں ختم ہونے والا ہے لیکن آج انڈیا کا وزیر خارجہ طالبان کی سیاسی عظمت و بصیرت کا اعتراف کرنے کے لئے قندھار کے ایئر پورٹ پر اتر چکا تھا اور ایئر پورٹ پر موجود طالبان کی منظم طاقت اور ترتیب یقیناً اسے اپنے سر کی آنکھوں سے صاف نظر آ رہی ہوگی۔ چند منٹ تک دوڑنے کے بعد جہاز ایک جگہ رک گیا۔ ہمیں تو توقع تھی کہ ہمارے تبادلے اور رہائی میں لازماً چند گھنٹے کا وقت ضرور صرف ہوگا، اسی طرح بعض خدشات بھی دل پر کچوکے لگا رہے تھے اور چند گھنٹے کی متوقع تاخیر کی فکر ایک پہاڑ کی طرح مجھ پر مسلط تھی اور میں چاہتا تھا کہ میں خود اٹھ کر جہاز کا دروازہ توڑ دوں اور دیوانہ وار دوڑتا ہوا قندھار کی اس پاک سرزمین پر اتر جاؤں، جہاں سے شہداء کے خون کی خوشبو مجھے اور میرے دل کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

جہاز کے رکتے ہی اس کے ساتھ سیڑھی لگائی گئی اور میں نے دیکھا کہ ایک شخص (بعد میں معلوم ہوا کہ وہ انڈین مذاکراتی ٹیم کا سربراہ تھا) تیزی سے میری طرف آیا اور کہنے لگا: مولانا صاحب! جلدی سے اتریئے۔ میں نے اسے کہا: صبر کرو۔ مجھے عمامہ باندھنا ہے، کیونکہ یہ طالبان کی سرزمین ہے۔ میں نے جہاز ہی پر اطمینان سے عمامہ باندھا اور مشتاق احمد زرگر اور دوسرے ساتھی کو لیکر نیچے اترا۔

قندھار کی سرزمین پر پاؤں رکھتے ہی دل کی کیفیت بدل گئی۔ جہاز کی سیڑھی کے پاس طالبان کے کچھ اعلیٰ اہلکاروں نے ہمارا استقبال کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان میں قندھار کے کور کمانڈر مولوی محمد اختر عثمانی صاحب بھی تھے، انہوں نے پرتپاک سلام اور معانقے کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک گاڑی میں بٹھا دیا۔ اس گاڑی کے دائیں طرف چند قدم کے فاصلے پر انڈین ایئر لائن کا وہ جہاز کھڑا تھا جسے ایک ہفتہ قبل اغواء کیا گیا تھا۔ میری نظریں اسی جہاز پر لگی ہوئی تھیں۔ طالبان کے کور کمانڈر صاحب مجھے گاڑی میں بٹھا کر اس جہاز کی طرف بڑھے اور انہوں نے نیچے کھڑے ہو کر جہاز پر موجود ہائی جیکروں سے کچھ بات کی، پھر میں نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ دو نقاب پوش افراد ایک سیڑھی کے ذریعے جہاز پر سے اترے۔ ان میں سے ایک نے بہت خوبصورت سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا، جب کہ دوسرے نے سفاری طرز کا لباس پہنا

ہوا تھا۔ ان دونوں کے ہاتھ میں پستول اور گرنیڈ تھے، وہ دونوں دوڑتے ہوئے میری گاڑی کی طرف بڑھے اور روتے ہوئے مجھ سے بغلگیر ہو گئے۔

جذبات کا ایک سمندر تھا، جو اس وقت دونوں طرف تلاطم برپا کئے ہوئے تھا۔ وہ ہائی جیکرز جنہیں دہشت گرد یا شدت پسند کہا جاتا ہے، انسانی جذبات سے مچل رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ کاش! دنیا والے ان کے یہ آنسو دیکھ لیتے تو انہیں اس بات کا احساس ہوتا کہ ان نرم دل نوجوانوں کو کس چیز نے ایسے اقدام پر مجبور کیا، جس اقدام کی دنیا بھر نے مذمت کی۔ یقیناً انڈیا کے مظالم اور اس کے وحشیانہ رویے نے ان نوخیز مسلمان نوجوانوں کو اس انتہائی اقدام پر مجبور کیا تھا۔ وہ دونوں نوجوان مدہوشی کے عالم میں روتے ہوئے میرے سینے میں سمٹنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اچانک طالبان کے کور کمانڈر نے درمیان میں مداخلت کی اور ان دونوں سے کہا: کیا آپ لوگ مطمئن ہیں؟ ان کی یہ بات سن کر ہائی جیکرز ایسے چونک پڑے، جس طرح انہیں کسی خواب سے جگا دیا گیا ہو۔ انہوں نے جلدی جلدی مجھ سے چند سوالات کئے اور کور کمانڈر صاحب کے سامنے اپنے اطمینان کا اظہار کر دیا اور ان میں سے قیمتی لباس والے ہائی جیکر نے جو غالباً ان سب کا چیف تھا، گاڑی کی کھڑکی سے کچھ اشارہ کیا، جسے دیکھ کر باقی ہائی جیکرز بھی جہاز سے اتر گئے اور دوڑتے ہوئے گاڑی میں سوار ہو گئے۔

بے انتہا جذبات کے باوجود ان پانچوں افراد نے نظم وضبط برقرار رکھا اور اپنے اسلحے کو خود سے جدا نہ کیا اور وہ مثالی انداز میں اپنے چیف کی اطاعت کرتے رہے۔ پانچوں ہائی جیکروں نے طالبان انتظامیہ کے ایک اعلیٰ افسر کو بطور ضمانتی اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھایا اور یہ گاڑی نہایت تیزی کے ساتھ ایئر پورٹ سے باہر نکل گئی۔

مجھے خدشہ تھا کہ معلوم نہیں آخری وقت میں کیا کیا رکاوٹیں سامنے آئیں گی؟ یا کتنے گھنٹوں کا انتظار کرنا پڑے گا؟ لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، بلکہ طالبان کی اعلیٰ سیاسی بصیرت اور معاملات پر ان کی مضبوط پکڑ کی بدولت چند منٹوں کے اندر وہ تمام مراحل طے ہو گئے جن پر گھنٹوں کا وقت صرف ہونا ایک لازمی معاملہ تھا۔ طالبان نے دنیا پر اس بات کو ثابت کر دیا کہ وہ عالمی معاملات کو سمجھتے بھی ہیں اور انہیں حل کرنے کی اعلیٰ صلاحیت سے بھی مالا مال ہیں۔

وہ بھی جمعہ کا دن تھا جب میرے دونوں ہاتھ باندھ کر مجھے ایک ٹرک میں ڈال دیا گیا تھا اور یہ ٹرک

مجھے اس قید خانے کی طرف لے جا رہا تھا جہاں سے میری طویل قید کا آغاز ہوا تھا اور آج بھی جمعۃ المبارک کا دن تھا، میرے دونوں ہاتھ کھلے تھے اور میں طالبان کی ایک گاڑی میں اس آزادی کی زندگی کی طرف بڑھ رہا تھا جس آزادی کے بارے میں میری یہ دعاء ہے کہ:

"یا اللہ! اسے کشمیر، بابری مسجد اور مسجد اقصیٰ کی آزادی کا پیش خیمہ بنا دے۔" آمین یا رب الشہداء والمجاہدین۔

والسلام

ایک اور دعاء

آج آپ کو ایک داستان سنانی ہے اور ایک گذارش بھی عرض کرنی ہے۔ آیئے! پہلے ایک مختصر سچی داستان سن لیجئے۔ ایک شخص ہے بے کار اور ناکارہ، اسے اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں کفر کے شکنجے سے آزادی نصیب فرمائی ہے جبکہ کفر بظاہر کافی طاقتور نظر آ رہا ہے۔ اس شخص کو رہا کرانے کے لئے اس امت مسلمہ کے پانچ نوجوانوں نے سر دھڑ کی بازی لگائی اور جان کا خطرہ مول لیا۔ ان کی کارروائی کیسی تھی؟ اس بارے میں بحث کو ایک طرف رکھتے ہیں۔

لیکن یہ بات یقینی تھی کہ اگر یہ کارروائی ناکام ہو جاتی تو یہ پانچوں نوجوان شہید ہو جاتے۔ اس سے پہلے اس شخص کو رہا کرانے کی کوشش کرتے ہوئے اٹھارہ یا اس سے بھی زائد نوجوان جام شہادت نوش فرما گئے۔ ان غیرت مند اور قابل فخر نوجوانوں کو اگرچہ اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ملی لیکن شہادت جیسی نعمت کو انہوں نے بہر حال پا ہی لیا اور عالم کفر پر یہ بات بھی ثابت کر دی کہ اسلام اور اس کا رشتہ اخوت آج بھی زندہ اور تابندہ ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس شخص کو کافروں کے چنگل سے چھڑانے کے لئے لاکھوں مسلمانوں نے عجیب عجیب انداز میں دعائیں فرمائی ہیں۔ دعاؤں کے یہ واقعات جیسے جیسے سامنے آ رہے ہیں۔ دل کو گرما رہے ہیں اور روح میں جذبۂ ایمانی پیدا کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض واقعات تو ایسے ہیں جنہیں قلمبند کرنا مفید معلوم ہوتا ہے لیکن فرصت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ مردوں کے علاوہ ماؤں بہنوں نے

بھی رو رو کر دعائیں کی ہیں اور سینکڑوں مسلمانوں نے کعبہ کے ساتھ چمٹ کر اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے لئے آہ وزاری فرمائی ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس ناکارہ شخص کے لئے حضرات اکابر و مشائخ اور علماء کرام نے طرح طرح کی کوششیں فرمائیں اور رہائی کے لئے مختلف طریقوں سے محنت فرمائی، پھر جب اس شخص کو رہائی نصیب ہوگئی تو خوشی اور جذبات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر عرب و عجم اور مشرق و مغرب کے مسلمانوں کے دلوں میں موجزن ہوگیا۔ ابھی اس خوشی اور جذبات کی چند لہریں ہی سامنے آئی ہیں، جس سے عالم کفر پر کپکپی طاری ہوگئی ہے۔ یہ خوشی اور یہ جذبات ایک فرد یا چند افراد کی رہائی سے بڑھ کر اسلام کی فتح، کفر کی شکست اور اس جمود کے ٹوٹنے پر ہے جو مسلمانوں کے مسائل پر سانپ بن کر مسلط تھا۔ یہ شخص آج رہا ہو کر اپنے پیاروں اور دوستوں کے درمیان ہے لیکن اس نے چھ سال تک دشمنان اسلام کے جس وحشیانہ ناچ کو دیکھا ہے اسے وہ نہیں بھلا سکا۔ اس نے اپنے قریبی اور محبوب دوست سجاد خان کو اس حال میں دیکھا کہ وہ ڈنڈے اور لاٹھیاں کھا کر شہید ہو چکے تھے اور ان کے جسم پر نیلے داغ صاف نظر آرہے تھے۔ اس شخص سے چند فٹ کے فاصلے پر جیل ہی میں نوید انجم جیسے مخلص اور وفادار مجاہد نے گولی کھا کر جام شہادت نوش فرمایا۔ اس شخص نے عقوبت خانوں کی آہیں اور چیخیں خود سنیں اور اس نے مسلمانوں کو کافروں کے ہاتھوں تشدد سہتے دیکھا۔

اس شخص نے جیل ہی میں دشمن کو پہچاننے اور اس کی کمزوریوں کو سمجھنے کی کوشش کی، جس میں اسے کامیابی ملی۔ اس ناکارہ شخص نے جیل کے فرصت کے لمحات میں جہاد کو سمجھنے اور پھر اسے مسلمانوں کو زبان وقلم کے ذریعے سمجھانے کی کوشش بھی جاری رکھی۔ اس شخص پر کافروں کا گھیرا تنگ ہو چکا تھا اور ظاہری اسباب میں اس کے جیل سے زندہ بچ نکلنے کی ہر امید دم توڑ چکی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنا خصوصی فضل فرمایا اور اسے خارق عادت طور پر رہائی نصیب فرمائی اور دنیا کے کسی اور ملک کی بجائے اسے سب سے پہلے خالص دارالاسلام میں لا کر اتارا۔

پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ ہندوستانی حکومت اسرائیل کے تعاون سے اس شخص کو ختم کرنا چاہتی ہے اور مسلمانوں سے وہ چیز چھیننا چاہتی ہے جو انہوں نے بڑی دعاؤں اور بڑی محنتوں کے بعد حاصل کی ہے۔ اس سلسلے میں کوششیں زوروں پر ہیں اور ہندوستان کے حکمران اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعے اپنی غمزدہ مشرک عوام کو بہت جلد ایک بڑی خوشخبری سنانے کے وعدے کر رہے ہیں۔ یہ ہے ان حالات کا مختصر

خاکہ جو پکار پکار کر اس شخص کو اس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ وہ اب اپنی باقی ماندہ زندگی کے گنے چنے دن اسلام اور جہاد کی خدمت کے لئے وقف کردے اور اسلام کی عظمت، مسلمانوں کے تحفظ اور مقبوضہ اسلامی ممالک کی خلاصی کے لئے انتھک محنت کرے، کیونکہ یہ اس پر فرض بھی ہے اور اس کے ذمے قرض بھی۔

مگر وہ اپنی محنت کا آغاز کس مقام سے کرے؟ اسے یہ دیکھ کر دکھ ہوا ہے کہ مجاہدین کی تعداد جوں جوں بڑھتی جا رہی ہے اسی قدر وہ بکھرتے جا رہے ہیں۔ آج اہل حق مجاہدین کی کئی تنظیمیں ہیں اور ہر تنظیم میں عملاً کئی امیر ہیں۔ اسے یہ دیکھ کر غم ہوا ہے کہ کئی قیمتی مجاہدین نے حالات سے دل برداشتہ ہو کر جہاد کو چھوڑ دیا ہے اور وہ باصلاحیت مجاہدین جو کفر کو اچھی خاصی ٹکر دے سکتے تھے، آج دنیا کے دھندوں میں پھنس چکے ہیں۔ اسے یہ دیکھ کر سخت صدمہ ہوا ہے کہ مجاہدین کی اصلاحی اور روحانی تربیت کے لئے کوئی محنت نہیں کی جا رہی، جس کی وجہ سے مجاہدین میں حب دنیا، جھوٹ، دورنگی اور نعوذ باللہ خیانت تک کی وبائیں پھیلنے کا خطرہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

اس شخص کو یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ مذکورہ بالا حالات کے باوجود تنظیمیں چلانے والے افراد اصلاح احوال کی کوششوں کے لئے وقت تک نہیں نکال سکتے، کیونکہ داخلی جھگڑے، لڑائیاں اور بہتان بازیاں اس قدر بڑھ چکی ہیں کہ ان کا زیادہ وقت ان ہی میں صرف ہو رہا ہے۔ پھر جن ناموں پر کام ہو رہا ہے وہ نام زیادہ طاقتور اور کام کمزور ہو چکا ہے۔ حالانکہ یہ نام نہ تو اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں نہ اس کے رسول نے، لیکن ان ناموں کے ذریعے یہ ماحول بن چکا ہے کہ جو شخص ایک نام کے ساتھ وابستہ ہو کر کام کر چکا ہے، وہ دوسرے نام کو قطعاً گوارا نہیں کرتا اور نہ اس نام پر کام کرنے کی ہمت رکھتا ہے اور نہ اس نام پر کام کرنے والے مجاہدین کے جہاد کو جہاد سمجھتا ہے، اور تو اور شہداء کرام بھی تقسیم کر دیے گئے ہیں اور معلوم ہوا ہے کہ اب شہداء کی قبور پر لگے ہوئے کتبے بھی بدلے جا رہے ہیں تاکہ شہداء کے پاک جسموں پر اپنے ناموں کی تختیاں لگائی جاسکیں۔

ان حالات میں اگر وہ شخص ان ناموں میں سے کسی ایک نام کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے تو اس سے ان لوگوں میں مایوسی پھیلے گی جو اس نام کو گوارا نہیں کرتے ہوں گے۔ حالانکہ اہل حق یکساں طور پر اس سے کچھ اچھی توقعات رکھتے ہیں، اور اگر وہ شخص سابقہ ناموں پر کام کرنے والے دھڑوں کو دھڑوں کی حیثیت

سے یہ دعوت دے کہ وہ اتحاد کرلیں تو یہ تمام حضرات اپنے مامورین کے ساتھ نئے نظم میں آئیں گے اور ہرایک اپنے مامورین سے اپنے ساتھ وفاداری کا حلف لے لے گا اور پھر وہ تجربہ دھرایا جائے گا جو ''حرکۃ الانصار'' کی تشکیل کے بعد دھرایا گیا تھا، جس کے زخم آج بھی اہل حق کے قلوب پر تازہ ہیں۔

چنانچہ اس شخص کے لئے اعلیٰ اور وسیع پیمانے پر اسلام اور جہاد کی خدمت کی صرف یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ وہ افغانستان کے تجربے کو دہرائے اور تمام مخلص مجاہدین سے یہ عرض کرے کہ وہ اپنے نام اور عہدے چھوڑ کر انفرادی حیثیت سے ایک امیر کی قیادت میں متحد ہوجائیں اور پھر جہاں ان کا امیران کی تشکیل کرے وہ وہاں پر خالص جہاد کی خدمت کریں اور امیر کے انتخاب میں اس شرعی نکتے کو ملحوظ رکھا جائے جو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، کیونکہ مسلمانوں کے واحد شرعی امیر حضرت امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد دامت برکاتہم موجود ہیں۔ چنانچہ اس شخص نے استخارے اور استشارے کے بعد تمام مجاہدین اہل حق کو تین باتوں کی دعوت دے دی ہے:

(۱) کوئی مجاہد جہاد فی سبیل اللہ (قتال) کو چھوڑنے کا تصور بھی نہ کرے، جنہوں نے چھوڑ دیا ہے وہ تائب ہوکر واپس آجائیں۔

(۲) تمام مجاہدین اپنی اصلاح کی فکر کریں اور ہر طرح کی اخلاقی بیماریوں اور نزاع سے بچیں اور پھر جہاد کے ساتھ ساتھ اپنے خاندان اور معاشرے کی بھی اصلاح کریں اور اس بات کی دعوت دیں کہ ہر مسلمان اسلام میں پورا پورا داخل ہوجائے۔

(۳) مجاہدین متحد ہوجائیں اور نفاق وشقاق کی تمام لکیریں مٹادیں اور اتحاد کی خاطر اور اہل حق کی متحدہ، منظم اور مضبوط قوت بنانے کی خاطر تنظیموں کے ناموں سمیت ہر قربانی کیلئے تیار رہیں۔

یہ دعوت ہر مجاہد کے لئے ہے، خواہ وہ پرانا ہو یا نیا، چھوٹا ہو یا بڑا، جو اس دعوت پر لبیک کہے گا وہ طالبان کی طرح ان شاء اللہ دنیا و آخرت کی کامیابیوں کو پالے گا۔

اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ اس شخص کی اس دعوت کا مقصد نہ تو کوئی منصب حاصل کرنا ہے نہ دنیا، نہ وہ کسی کو گرانا چاہتا ہے نہ کسی کو چڑھانا، وہ تو صرف اللہ کے دین کی عظمت، جہاد کی محنت اور اسلام کی سربلندی چاہتا ہے۔ اس کی اس سوچ کے پیچھے نہ تو چند افراد کے مشورے یا ترغیب کا دخل ہے اور نہ کوئی دوسرا ہاتھ۔ اور حسن اتفاق یہ ہے کہ اس نے جسے بھی اس فکر کی دعوت دی ہے اسے اپنا ہم فکر پایا ہے۔

محترم قارئین! جو کچھ اوپر لکھا گیا اسے لکھنا آسان اور کرنا مشکل ہے۔ اس زمانے میں نیکی کی دعوت دینے والے کے خلاف شیاطین الانس والجن جمع ہوجاتے ہیں اور پھر اسے کہیں کا بھی نہیں چھوڑتے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی مدد ساتھ ہو تو پھر یہ ساری قوتیں ناکام ہوجاتی ہیں اور حق کا بول بالا ہوجاتا ہے۔ ابتداء میں طالبان کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا تھا کہ انہوں نے اسلام کی کون سی خدمت کی ہے؟ انہوں نے تو محض ایک تنظیم کا اضافہ کیا ہے؟ کیا پہلی تنظیمیں کم تھیں کہ ایک اور تنظیم وجود میں آگئی؟ پھر بعض لوگوں نے طالبان کو امریکی کہا اور بعض نے انہیں پاکستانی ایجنسیوں کا آلہ کار قرار دیا، مگر کچھ ہی عرصے کے بعد سورج شکوک کے بادلوں سے باہر نکل آیا اور چمگادڑوں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

محترم قارئین! یہ شخص بھی یہی فکر لے کر اٹھا ہے۔ آپ حضرات نے جس طرح اس کی رہائی کی دعاء کی اور بالآخر وہ دعاء قبول ہوگئی، اب آپ سے گذارش ہے کہ آپ یہ دعاء فرمائیں کہ یہ شخص جو دعوت اور فکر لے کر اٹھا ہے اس میں اللہ تعالیٰ اسے کامیابی عطاء فرمائے۔ یہ شخص آپ سے اس کے سوا کچھ نہیں مانگتا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس سے کام لینا ہے تو وہ خود اسے صالح افراد، مناسب اسباب اور بہترین مراکز عطاء فرمادے گا اور ان شاء اللہ تھوڑے ہی عرصہ میں اہل حق کی ایک منظم اور طاقتور قوت وجود میں آجائے گی، جو ان شاء اللہ انڈیا سے کشمیر کو چھین لے گی۔

اب دیر نہ فرمائیے، وضو کیجئے، دو رکعت پڑھئے اور دعاء کر دیجئے، شاید آپ کی دعاء مسلمانوں کے اس خواب کی تکمیل کا ذریعہ بن جائے جسے دیکھنے کی تمنا لئے نامعلوم کتنی آنکھیں پتھرا گئیں۔

ایک جھلک، ایک جواب

تہاڑ جیل دہلی میں ایک سکھ عورت ''کرن بیدی'' کو آئی جی (انسپکٹر جنرل) بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے جیل کے ماحول میں کئی تبدیلیاں کیں، بعض اچھی اور بعض بری۔ ان تبدیلیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس نے جیل میں سگریٹ، بیڑی اور تمباکو کے استعمال پر سخت پابندی عائد کردی۔ اس قانون نے نشے کے عادی افراد میں کھلبلی مچادی اور ماہر افراد میں بہرحال خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی کہ اب کمائی کا نیا طریقہ ہاتھ لگا ہے، چنانچہ سگریٹ کا پیکٹ جو بازار میں دس روپے کا عام ملتا ہے وہ تہاڑ جیل کے ملازمین اور ماہرین کی مہربانی سے تہاڑ جیل میں دوسو سے پانچ سو روپے تک میں مل جاتا ہے۔ بیڑی کے پیکٹ کی عام قیمت دو روپے ہے جبکہ تہاڑ جیل میں یہ پیکٹ تھوک میں پچاس روپے کا اور پرچون میں ایک سو روپے کا آج بھی ملتا ہے۔

اس سلسلے میں کئی عجیب وغریب واقعات اخبارات میں بھی چھپ چکے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ سخت پابندی کے باوجود سگریٹ، بیڑی اور تمباکو ہر وقت تہاڑ جیل کے قیدیوں کے لئے دستیاب ہیں۔ شرط یہ ہے کہ جیب گرم ہونی چاہیے جب کہ غریب قیدی یہ سہولت مالدار قیدیوں کی خدمت کر کے حاصل کر لیتے ہیں چنانچہ وہاں پر بارک، سیل اور برتنوں کی دھلائی کے عوض آدھی بیڑی کا مل جانا ایک عام معمول ہے۔ اسی طرح تہاڑ جیل میں گوشت لانے پر بھی پابندی ہے مگر پانچ سو روپے فی کلو کے حساب سے آپ جتنا گوشت چاہیں منگوا سکتے ہیں۔ قیدیوں کے لئے برقی ہیٹر کا استعمال بڑا جرم ہے، مگر ایک سو

روپے میں جیل ملازم ہیٹر کی وائر لے آتے ہیں اور اگر ہر ہفتے ان کی خدمت کی جائے تو وہ تلاشی سے پہلے باخبر کر دیتے ہیں۔ شاید آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ تہاڑ جیل کے بعض قیدیوں سے موبائل ٹیلیفون بھی پکڑے گئے۔ خود ہمارے وارڈ کے ایک قیدی سے ہمارے سامنے موبائل فون اس کی تھوڑی سی بیوقوفی کی وجہ سے پکڑا گیا۔ اگر لالچ میں آ کر وہ چھوٹی سی بیوقوفی نہ کرتا تو یقیناً وہ فون کی سہولت سے محروم نہ ہوتا۔

میرے پڑوس والے سیل میں ایک بہت بڑا مجرم رہتا تھا۔ انڈین حکومت نے اسے سنگاپور کی حکومت سے لیا تھا اور اس پر بڑی سخت سیکورٹی لگائی گئی تھی، مگر ہم نے خود دیکھا کہ کندھوں پر اسٹار لگائے ہوئے پولیس افسر اچھی قیمت کے عوض اسے سگریٹ اور دیگر سہولیات فراہم کرتے تھے اور برے حالات سے قبل اسے آگاہ کر دیتے تھے اور وہ صبح شام موبائل ٹیلیفون بھی استعمال کر رہا تھا۔ اس ٹیلیفون کو پکڑنے کے لئے ہمارے سامنے تین چھاپے پڑے مگر وہ بچ نکلا اور اس کا فون بھی محفوظ رہا، حالانکہ جیل کے اکثر اعلیٰ حکام اس کے بارے میں سخت رویہ رکھتے تھے۔ جیل میں چاقو رکھنا منع ہے مگر جیل کے ملازم بڑی چابکدستی اور جانفشانی کے ساتھ یہ سہولت بھی فراہم کرتے تھے۔ معاوضے کے علاوہ ان کی یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ اگر یہ پکڑا جائے تو ہمارا نام نہ لینا، بلکہ کسی ناپسندیدہ ملازم کا نام لے کر ایک تیر سے دو شکار کر لینا۔ ہندوستان میں جودھپور کی جیل اپنی شدت اور سختی کے عنوان سے بے حد بدنام ہے، لیکن اگر آپ جیل میں قید کسی طاقتور ڈاکو یا چور سے اچھے تعلقات استوار کر لیں تو وہاں بھی آپ کو سب کچھ مل سکتا ہے۔ مذکورہ بالا شرط کے تحت پکڑے جانے کی صورت میں لانے والے کا نام نہ بتانے کی تاکید کی جاتی ہے۔

یہ تو وہ چیزیں ہیں، جو قابل بیان ہیں جب کہ جیل کے بہت سارے قیدی صرف پیسے کے بل بوتے پر بہت ساری ناقابل بیان سہولتیں بھی بآسانی حاصل کر لیتے ہیں، حالانکہ قانون اور سیکورٹی کی رو سے ان چیزوں کا تصور بھی درست نہیں سمجھا جاتا، مگر بدطینت قیدی شراب سے لے کر جوئے اور سٹے بازی تک کی تمام ناجائز چیزیں ان جیلوں میں بھی حاصل کر لیتے ہیں جن کی سختی کے چرچے دور دور تک سنے جاتے ہیں۔ پھر اگر جیل حکام کو یہ خطرہ ہو کہ اب حکام بالا کی طرف سے سختی ہونے والی ہے یا قیدیوں کو فروخت کی جانے والی سہولیات کا انکشاف ہو چکا ہے تو چند دن کے لئے ان سہولتوں کو بطور امانت واپس لے لیا جاتا ہے۔ شاید آپ کو معلوم ہو کہ بہت سارے افراد جیل ہی میں چرس، ہیروئن اور دیگر

منشیات کا کاروبار کر کے کروڑ پتی بن چکے ہیں اور ان کے اس کاروبار میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

ایک بار تہاڑ جیل میں سگریٹ اور تمباکو کی کمی ہوگئی اور ان چیزوں کے عادی افراد بری طرح سے تڑپ رہے تھے، تب ایک پاکستانی قیدی سمگلر نے آگے بڑھ کر ان نشئیوں کو سہارا دیا اور ایک خاص ترتیب کے ذریعے کچھ مال منگوا کر مستحقین میں تقسیم کیا اور صرف ایک دن میں سولہ ہزار روپے کا نفع کمایا۔ تہاڑ جیل کے پرانے نشئیوں میں یہ واقعہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات جیلوں کا ایک عام معمول بن چکے ہیں جیل تو جیل عقوبت خانے بھی اس معاملے میں کچھ کم نہیں ہیں۔

ہمیں جب بھی کسی عقوبت خانے میں ڈالا گیا تو ابتداء میں یہ محسوس ہوا کہ ہم بے انتہا ملک پرست افراد میں پھنس گئے ہیں، کیونکہ ہمیں مارنے اور ستانے میں عقوبت خانے کے ہر اہلکار نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ان میں سے ہر کسی نے مختلف الفاظ میں ہمیں للکار کر کہا کہ تم پاکستانی ہمارے دیش کے دشمن ہو، ہم تمہیں کچا چبا جائیں گے، تم لوگ ہمارے ملک کو توڑنے آئے تھے، اب ہم تمہیں توڑیں گے اور تمہارا خون چوس لیں گے، وغیرہ وغیرہ۔ مگر ایک آدھ مہینے کے تشدد کے بعد ان میں سے بہت سارے اہلکار ہمارے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے رہتے تھے، کوئی تعویذ مانگتا تھا اور کوئی نہایت راز داری کے ساتھ کہتا تھا کہ اگر کوئی سیوا (خدمت) ہو تو ہمیں بتائیں۔

ان حالات میں اگر قیدی کے پاس کچھ رقم ہو تو وہ باہر باہر سے خط بھی پوسٹ کرا سکتا ہے اور کھانے پینے کے لئے وہ اشیاء بھی منگوا سکتا ہے جن کے منگوانے پر پابندی ہوتی ہے اور اسی طرح کچھ خطرناک چیزیں، مثلاً ٹیپ ریکارڈر، پلاس اور ریڈیو بھی منگوا سکتا ہے چونکہ حرص اور لالچ مشرک کی طبیعت اور مزاج کا لازمی جزو ہوتے ہیں اس لئے ان مذکورہ بالا حالات میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

یہ صرف حالات کی ایک جھلک ہے اور اسی جھلک میں ان لوگوں کو اپنے سوال کا جواب نظر آ سکتا ہے جو یہ پوچھتے ہیں کہ دشمن کی جیل میں بیٹھ کر مضمون اور کتابیں کیسے لکھی جاتی ہیں اور پھر انہیں کس طرح اپنے ملک بھجوایا جاتا ہے؟؟؟

والسلام

آغاز کی تلاش

جن چیزوں کی ابتداء اور آغاز اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے، ان کی ابتداء اور آغاز معلوم کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی، لیکن وہ چیزیں جن کی ابتدا اور آغاز کو شریعت نے بیان نہیں کیا، ان کی ابتداء اور آغاز معلوم کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ گذشتہ سالوں میں یہ بحث چلی کہ افغان جہاد کا آغاز کس نے کیا؟ درجنوں نام لکھے گئے اور کوئی بھی حتمی اور متفقہ فیصلہ نہ ہو سکا۔ کسی نے یہ بحث چھیڑی کہ پاکستانی مجاہدین میں سے افغان جہاد میں سب سے پہلے شرکت کی سعادت کسے ملی؟ اس پر کئی کہانیاں، داستانیں اور نام سامنے آئے اور پھر ان میں سے بعض نے بعض کی تردید کی اور یہ عقدہ بھی حل نہ ہو سکا۔

حقیقت یہ ہے کہ آغاز اور ابتداء کا معلوم کرنا بہت مشکل کام ہے۔ مثلاً اگر کوئی مؤرخ شیطان ابلیس کے نسب نامے اور اس کے ابتدائی آباء واجداد کا پتا چلانا چاہے تو یہ اس کے لئے ناممکن ہوگا، کیونکہ ایسا قدیم فرد یا کتاب موجود نہیں جو شیطان کے آباء واجداد کا سراغ بتا سکے اور خود شیطان کو شرارتوں سے اتنی فرصت نہیں کہ وہ اپنی تعریف اور نسب لکھ سکے۔ اسی طرح کوئی آدمی اپنی نیند کا آغاز نہیں بتا سکتا، کیونکہ نیند اچانک آتی ہے اور اگر انسان نیند کا ابتدائی وقت معلوم کرنے کے لئے ٹائم دیکھتا رہے تو اسے نیند ہی نہیں آئے گی چنانچہ یہیں نیند کے آغاز کا وقت بتانا مشکل ہے۔ اب اگر اس کا علاج یہ تجویز کیا جائے کہ کوئی دوسرا شخص نگرانی کرتا رہے اور وہ سونے والے شخص کی نیند کے ابتدائی وقت کو نوٹ کر لے تو یہ بھی ایک مشکل کام ہے، کیونکہ بعض لوگ تو بزعم خویش ساری رات سوتے ہی نہیں۔

چنانچہ اگر آپ اس طرح کے کسی شخص کے ساتھ ایک کمرے میں رات گزاریں اور اس شخص کے سو جانے کے بعد آپ کوئی آہٹ وغیرہ کریں جس سے اس کی آنکھ کھل جائے تو وہ آپ کو ضرور یہ بتائے گا کہ میں بھی جاگ رہا ہوں اور مجھے نیند نہیں آ رہی۔ اس طرح کے اشخاص رات کو اگر دو چار بار ایک دو منٹ کے لئے جاگ جائیں تو وہ صبح یہی بتاتے ہیں کہ مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔ ایسے ہی ایک صاحب کو فجر کی نماز کے لئے اٹھایا گیا تو انہوں نے آنکھ کھولتے ہی فرمایا کہ مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔ یہ سن کر ان کو جگانے والے شخص نے کہا: جی ہاں! آپ کے خراٹوں سے مجھے بھی ساری رات نیند نہیں آئی۔ یقیناً اس طرح کے لوگوں کی نیند کا آغاز معلوم کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

اسی طرح قوموں کے زوال اور پستی کے آغاز کو معلوم کرنا بھی ایک مشکل کام ہے اور جب کوئی مؤرخ اس پر قلم اٹھاتا ہے تو اسے بات بنانے کے لئے بہت سارے پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں۔ اس موضوع کا سب سے دردناک پہلو یہ ہے کہ بعض لوگ کسی چیز کی ابتداء ڈھونڈتے ڈھونڈتے اپنی آخرت کو بھلا دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب نے یہ تلاش شروع کی کہ خلافت سے ملوکیت کی طرف تنزل کا آغاز کب ہوا اور اس تلاش میں وہ خود کو بھی بھول گئے اور اپنی آخرت کو بھی۔ اور انہوں نے وہ ستم ڈھائے جواب تک سسک رہے ہیں، اسی طرح خود کو بانیان جہاد میں شامل کرنے کی کوشش میں بھی کئی افراد آخرت کو بھول گئے، حالانکہ ان باتوں کی ابتداء اور آغاز کو ڈھونڈنا اور یاد رکھنا اتنا ضروری نہیں ہے جتنا اپنی آخرت کو یاد رکھنا ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کی ابتداء کو ڈھونڈنا ایک مشکل کام ہے، مگر ماضی کی طرح حال اور مستقبل میں بھی بہت سارے لوگ یہ مشکل کام کرتے رہیں گے، بس گزارش اتنی سی ہے کہ کسی چیز کی ابتداء ڈھونڈتے وقت اپنے خاتمے اور آخرت کو نہ بھلایا جائے اور جس چیز کے بارے میں اقوال مختلف ہو جائیں وہاں دعوے اور حصر سے پرہیز کرتے ہوئے دیگر آراء کا بھی حتی الامکان احترام کیا جائے۔

حالات کے دو رخ

اس وقت حالات کے دو رخ ایسے ہیں جن کا اپنے معزز اور عزیز قارئین کے ساتھ مذاکرہ بے حد ضروری محسوس ہو رہا ہے۔ ایک رخ تو ان منظم سازشوں کا ہے جن کے جال اس وقت بچھائے جا چکے ہیں اور ان جالوں کو مزید پھیلایا جا رہا ہے۔ اکتیس دسمبر ۱۹۹۹ء کا دن انڈیا کے لئے بدترین عسکری اور سفارتی شکست کا دن تھا۔ وہ حکومت جسے اپنی عسکری طاقت، ایٹمی قوت اور سفارتی بالادستی پر ناز تھا، اس دن بدترین ہزیمت سے دوچار ہوئی اور اس وقت کی سیاہی ایک عبرتناک داغ بن کر انڈیا کے چہرے کی ایسی کالک بن چکی ہے جو اتارے نہیں اترتی اور چھپائے نہیں چھپتی۔ انڈیا نے اپنی اس ذلت اور رسوائی سے کسی قدر چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کئی طرح کے اقدامات کئے اور کئی طرح کے اقدامات کا فیصلہ کیا۔

انڈیا یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہے کہ جب تک وہ شخص جو اکتیس دسمبر کو انڈیا کی خوفناک جیل سے رہا ہوا ہے، زندہ رہے گا اور جہاد کی صدائیں لگاتا رہے گا، اس وقت تک انڈیا کے سینے پر شکست کا داغ اور زخم مزید گہرا ہوتا رہے گا، چنانچہ اس شخص کو یا تو قتل کر دیا جائے یا اس کی زبان پر پہرے بٹھا دیے جائیں۔

چونکہ انڈیا کے حکمران پوری دنیا کے سامنے عموماً اور اپنے عوام کے سامنے خصوصاً بہت شرمندہ تھے، اس لئے انہوں نے اپنے ان عزائم کو چھپانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اشارۃً اور پھر صراحۃً اس بات کا عندیہ دیا کہ عنقریب وہ شخص قتل کر دیا جائے گا یا گم کر دیا جائے گا، جس کی وجہ سے انڈیا کو بدترین رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ ابتداء میں زیادہ کوشش قتل کی تھی مگر انڈیا کو یہ دیکھ کر کافی مایوسی ہوئی کہ ایمانی جذبات سے سرشار

درجنوں نوجوان مکمل بیداری اور عزم کے ساتھ اس شخص کے گرد موجود رہتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں بہترین اسلحہ اور آنکھوں میں بلا کی ایمانی چمک ہوتی ہے اور پہرے کا یہ سلسلہ چوبیس گھنٹے پوری چوکسی کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ ہندو چونکہ بزدل ہے اس لئے یہ صورتحال دیکھ کر یقیناً اس کے حوصلے پست ہوئے ہیں، لیکن اطلاعات کے مطابق وہ اسرائیل کے تعاون سے اب تک اس سلسلے میں کوشاں ہے۔ معلوم نہیں وہ کامیاب ہوگا یا ناکام؟ اگر وہ کامیاب ہو بھی گیا تو یہ اس کی نہیں بلکہ ان شاء اللہ! ہماری کامیابی ہوگی، کیونکہ شجر اسلام کی آبیاری کے لئے خون شہیداں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔

لیکن قتل کی کوششوں اور عزائم کے ساتھ ساتھ انڈیا نے ایک اور محاذ پر محنت شروع کر دی ہے اور اس کے لئے اس نے دوسرے ممالک اور غالباً کئی صحافیوں کی خدمات بھی مستعار لے لی ہیں اور اس محاذ پر اس کا طریقہ واردات بہت مؤثر ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالا جائے کہ اس نے پاکستان کے اس شہری کو جو اکتیس دسمبر ۱۹۹۹ء کو انڈیا سے رہا ہو کر آیا ہے، پاکستان میں کھلم کھلا کیوں چھوڑ رکھا ہے اور اسے تقریر وغیرہ کی آزادی کیوں دے رکھی ہے؟ حالانکہ یہ دباؤ بالکل بودا اور ناجائز ہے، لیکن چونکہ یہ دباؤ بہت مؤثر طریقے سے ڈالا جارہا ہے اس لئے اس کا کچھ نہ کچھ اثر پڑتا ہے، چنانچہ دنیا بھر کے کئی گورے اور کئی کالے کافر جب بھی پاکستان آتے ہیں وہ حکومت پاکستان پر اس سلسلے میں دباؤ ڈالتے ہیں۔

اسی طرح پاکستان کے اعلیٰ حکمران جب بھی کسی پریس کانفرنس میں بات کرتے ہیں تو کچھ مخصوص صحافی ان سے بار بار یہی سوال کرتے ہیں کہ آپ نے فلاں مولانا کو کیوں کھلم کھلا چھوڑ رکھا ہے؟ کئی بار ہمارے حکمرانوں نے اس فضول سوال کے بعض بہترین جواب بھی دیے، مثلاً یہ کہ فلاں مولانا پاکستانی ہے اور اسے یہاں وہی حقوق حاصل ہیں جو دوسرے پاکستانی شہریوں کو حاصل ہیں، اور یہ کہ انڈیا خود ان پر کوئی جرم ثابت نہیں کر سکا تو یہاں کس جرم کی پاداش میں انہیں یا ان کی زبان کو بند کیا جائے؟ اور یہ کہ انہوں نے پاکستان میں کوئی جرم نہیں کیا وغیرہ وغیرہ، لیکن بعض صحافی بعض حکمرانوں کو سوالات کے ذریعے مغلوب کر لیتے ہیں اور انہیں ایک طرح کے دباؤ میں لے آتے ہیں۔

اسی طرح بعض صحافی بعض بیانات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں تاکہ حکومت اور مجاہدین میں ٹھن جائے، مثلاً میں نے بہاولپور میں نماز عید کے اجتماع میں یہ اعلان کیا تھا کہ اگر بھارت نے پاکستان پر حملہ

کیا تو ہم ان شاء اللہ پانچ لاکھ مجاہدین کے ساتھ بھارت کو منہ توڑ جواب دیں گے اور یہ مجاہدین فوج کے علاوہ ہوں گے، لیکن بعض صحافیوں نے حکمرانوں کی پریس کانفرنس میں یہ سوال اٹھایا کہ فلاں مولانا نے پانچ لاکھ مجاہدین کے ساتھ بھارت پر حملے کا اعلان کیا ہے تو آپ کیا کہتے ہیں؟ ایسے مواقع پر حکمرانوں کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس طرح کے بیانات واقعی غیر ذمہ دارانہ ہیں اور ہم ان کا نوٹس لیں گے۔ اسی طرح بعض بڑے ملکوں کی طرف سے یہ دھمکی بھی حکومت کو دی جاتی ہے کہ اگر آپ نے اس مولانا کو اور اس کی زبان کو بند نہ کیا تو ہم آپ کو دہشت گرد ملک قرار دیں گے۔ گویا کہ ان ممالک کے ہاں ایٹم بم کا ناجائز استعمال تو امن پسندی ہے، لیکن ایک مولانا کا جہاد کی دعوت دینا ایٹم بم سے بھی زیادہ خطرناک ہے، جس پر پورے ملک کو دہشت گرد قرار دیا جاسکتا ہے؟

اسی طرح کچھ صحافیوں اور کفریہ طاقتوں کے بعض ہمنوا افراد کے ذریعے سے اس شخص کے بارے میں جو انڈیا کی جیل سے چھوٹا ہے، عجیب وغریب سوالات بھی اٹھائے جاتے ہیں تاکہ اس کی ذات کو مشکوک بنا کر دعوت جہاد کو مشکوک بنایا جائے۔ چنانچہ بار بار یہ سوال اٹھایا جارہا ہے کہ اس مولانا نے انڈیا کی جیل میں بیٹھ کر جہادی کتابیں کس طرح سے لکھ لیں اور ان کتابوں کو پاکستان تک کیسے پہنچایا گیا؟ عجیب بات یہ ہے کہ یہ سوال اس وقت اٹھایا جارہا ہے جس وقت انڈیا کی پارلیمنٹ میں اس بات پر بحث ہورہی ہے کہ اس مولانا کی جہادی کیسٹیں انڈیا کس طرح سے پہنچ جاتی ہیں اور یہاں بڑی تعداد میں کس طرح سے پھیل جاتی ہیں؟

بہرحال یہ حالات کا ایک رُخ ہے۔ اس کے نتیجے میں پاکستان کا ایک شہری اپنے ملک میں اس بات پر مجبور کیا جارہا ہے کہ وہ مسلمانوں کو قرآن کا جہاد والا پیغام نہ سنا سکے اور نہ ہی مظلوم مسلمانوں کا درد دوسرے مسلمانوں تک پہنچا سکے، حالانکہ اس شخص کا جرم محض یہی ہے کہ وہ انڈیا کی جیل سے رہا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے سے مشرکین کو شکست دی ہے۔ ہاں! ان جرائم سے بڑھ کر اس کا جرم یہ ہے کہ وہ ایسا مسلمان ہے، جو جہاد پر یقین رکھتا ہے اور جہاد کی دعوت دیتا ہے۔

اب آیئے حالات کے دوسرے رُخ کی طرف، اور وہ یہ ہے کہ الحمدللہ! جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی قبولیت سے نوازا ہے، اب تک صرف کراچی شہر میں اس کے پچپن حلقے قائم ہو چکے ہیں۔ پنجاب اور اندرون سندھ کے اکثر مجاہدین نے اس میں شمولیت کو ایک سعادت سمجھا ہے۔ صوبہ سرحد

اور بلوچستان اور آزاد کشمیر میں بھی اس کی صدا لگ چکی ہے۔ حضرات اکابر کی دعائیں اور سرپرستی بہت بڑا سرمایہ ہے اور اس سرمائے میں خوب اضافہ ہو رہا ہے۔ وہ علاقے جہاں تک جیش کے افراد نہیں پہنچ سکے وہاں کے مسلمان خود پیغامات بھیج رہے ہیں کہ آپ لوگ جلدی آئیں اور یہاں بھی جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حلقہ قائم کریں۔ الحمدللہ! مجاہدین میں تعلیم و تربیت کا کام بھی شروع ہو چکا ہے اور ہر طرف اللہ تعالیٰ کی نصرت کے عجیب و غریب مناظر نظر آ رہے ہیں۔ **الحمدللّٰہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔**

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ کفار و مشرکین کی تمام سازشوں کو ناکام فرمائے اور جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبولیت عطاء فرمائے۔ آمین یارب الشہداء والمجاہدین۔

ایک واقعہ، ایک سبق

آج کی محفل میں اپنے محترم قارئین کو ایک ایسا واقعہ سنانا مقصود ہے جو سوچ اور فکر کی ایک محفوظ اور محتاط راہ متعین کرتا ہے۔ ستمبر ۱۹۹۴ء کی بات ہے، ہم چند ساتھیوں کو انڈین آرمی کے معروف عقوبت خانے ''بادامی باغ آر آر سینٹر سرینگر'' سے ''کوٹ بھلوال جیل'' جموں منتقل کر دیا گیا تھا، اس وقت اس جیل میں ایک ہزار کے قریب مجاہدین بند تھے۔ فوج کے بڑے عقوبت خانے کے مقابلے میں یہاں مجاہدین کے لئے کافی سہولت تھی اور عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے اس جیل کے مجاہدین کو ہمارے آنے کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ بہت شدت سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔

رات کے ایک بجے طویل تشدد اور اذیت کا شکار یہ مختصر قافلہ جب جیل کے اندر داخل ہوا تو سینکڑوں مجاہدین نے بڑے گیٹ کے پاس اس کا گرم جوشی کے ساتھ والہانہ استقبال کیا۔ مجھے یاد ہے کہ ساتھیوں نے ہمیں ہاتھوں میں اُٹھا لیا اور اس قدر محبت کے ساتھ ہمیں جیل کی بارک میں لے گئے جو ہمیں کبھی نہیں بھول سکتی۔ چونکہ عقوبت خانے سے آنے والا یہ قافلہ مہمان مجاہدین پر مشتمل تھا، اس لئے کشمیری بھائی محبت سے بچھے جا رہے تھے اور خصوصاً کمانڈر سجاد خان شہید اور کمانڈر نصر اللہ منصور لنگڑیال اور بعض دیگر ساتھیوں کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے تڑپ رہے تھے۔ وہ رات ہم نے محبت اور اکرام کے غیر مصنوعی پھولوں کی خوشبو میں گزاری، لیکن صبح ہوتے ہی ہمیں اس بات کا مکمل اندازہ ہو گیا کہ اس جیل میں نظر آنے والی اس ظاہری آزادی کے پیچھے دشمن کے مکروہ عزائم کارفرما ہیں اور دشمن یہاں پر تحریک

کشمیر کو ذبح کرنے کا مکمل نظام بنا چکا ہے۔

ہم نے دیکھا کہ اکثر قیدیوں کے پاس خود ساختہ خنجر، تلواریں اور چھریاں ہیں اور وقتاً فوقتاً یہ اسلحہ تنظیمی جھگڑوں کے دوران ایک دوسرے پر استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح مجاہدین کے درمیان شبہات پیدا کرنے کا بھی معقول انتظام موجود تھا اور وہ رات کو ایک دوسرے سے بچاؤ کے لئے پہرے کا انتظام بھی رکھتے تھے۔ ایک دو روز میں ہم نے بعض زخمی مجاہدین کو بھی دیکھا جو ان لڑائیوں کا تازہ شکار بنے تھے۔

ہمارے وہاں جانے کے دو تین روز بعد دشمنوں نے چند بڑی تنظیموں کے درمیان خوفناک جنگ شروع کرادی اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ قیدی ایک دوسرے کی بارکوں کو گھیر رہے تھے اور ان میں سے بعض دوسرے بعض کو گرفتار کر رہے تھے۔ اس دن کے اس خوفناک منظر نے ہمیں اندر تک ہلا کر رکھ دیا اور میں نے انجام کی پروا کئے بغیر ایک ایسا فیصلہ کر لیا جو میرے اکثر ساتھیوں کو پسند نہیں تھا، مگر میں اس جنگ کو بند کرانے کے لئے خود درمیان میں کودنے کا عزم کر چکا تھا۔ میرے رفقاء نے مجھے کہا کہ خدانخواستہ آپ کے ساتھ کچھ ہوگیا تو یہ جنگ زیادہ خطرناک رُخ اختیار کرلے گی، مگر میں نے کسی کی نہ سنی اور دیوانوں کی طرح اس بارک کی طرف دوڑ پڑا جہاں کچھ مجاہدین کو دوسرے مجاہدین نے گرفتار کر رکھا تھا۔ میں جب وہاں پہنچا تو دس گیارہ مجاہدین پہرہ دے رہے تھے۔ مجھے اس حالت میں آتا ہوا دیکھ کر وہ دائیں بائیں ہوگئے اور میں نے بارک کا دروازہ کھول دیا۔ وہ مجاہدین آزاد ہوگئے تو میں نے پکار پکار کر سب مجاہدین کو ایک بڑے میدان میں جمع کیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی کہ سب لوگ لڑائی چھوڑ کر جمع ہوگئے، تو میں نے وہاں چند باتیں عرض کیں اور مجاہدین کو اتفاق کی دعوت دی اور ان سے کہا کہ ماؤں نے اپنے بچے جہاد میں اس لئے نہیں دیئے تھے کہ انہیں جیلوں کے اندر اپنے ساتھی گرفتار کریں۔ آپ لوگ مجاہد ہیں لیکن دشمن نے آپ کو ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کر دیا ہے، اگر واقعی دشمن کا جادو آپ لوگوں پر چل چکا ہے اور آپ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو چکے ہیں اور آپ کے سروں پر خون سوار ہے تو میں حاضر ہوں، آپ میرا خون بہا کر اپنا دل ٹھنڈا کرلیں، لیکن اللہ کے لئے آپس میں بھائی بھائی بن جائیں اور ایک دوسرے کو اذیت پہنچا کر دشمنوں کو ہنسی کا موقع نہ دیں۔

اس بیان کے دوران تمام مجاہدین دھاڑیں مار مار کر روتے رہے اور تھوڑی ہی دیر میں وہ شخص جو حملہ آور جماعت کا ذمہ دار تھا، کھڑا ہوگیا اور اس نے بلند آواز سے نعرہ لگایا: ''آواز دو: ہم ایک ہیں۔'' بس پھر کیا تھا پوری جیل تکبیر اور اتحاد کے نعروں سے گونج اٹھی اور جیل کے دفاتر کی چھت سے جیل حکام یہ منظر دیکھ کر دنگ رہ گئے، کیونکہ سالہا سال کی محنت سے انہوں نے اختلافات کا جو خبیث محل تعمیر کیا تھا وہ زمین بوس ہو چکا تھا اور اسلام کا رشتہء اخوت پوری آب و تاب کے ساتھ مہک رہا تھا۔

اگلے دن ہم نے جیل کے اندر ایک بہترین انتظامی اور اصلاحی نظام قائم کیا۔ الحمدللہ! درس قرآن کا سلسلہ بھی زور و شور سے شروع ہوا۔ دینی تعلیم کی کلاسیں لگ گئیں اور مجاہدین ایک دوسرے کی خدمت میں مشغول ہوگئے۔ درس قرآن کی محفل میں سینکڑوں نوجوان اور بزرگ نہایت اہتمام کے ساتھ جم کر بیٹھتے تھے، ان میں سے بعض صاحب تصنیف قلمکار اور درس قرآن دینے والے بھی تھے۔ میں نے انہیں اپنے ساتھ قریب بیٹھنے کی دعوت دی تو انہوں نے کہا کہ ہم زندگی میں پہلی بار قرآن مجید کی ایسی تفسیر سن رہے ہیں (یہ محض ان کا حسن ظن تھا) اس لئے ہمیں زمین پر بیٹھ کر سننے دیں، اس میں ہمیں زیادہ مزہ آتا ہے۔ الغرض چند روز میں اختلافات کا شیطانی جال ٹوٹ گیا اور جیل میں محبت، ایثار اور اصلاح کی عجیب فضا قائم ہوگئی۔ دشمنوں کو یہ کہاں گوارا تھا، انہوں نے ہمارے رفقاء کو وہاں سے نکال کر ''تالاب تلو، جموں'' کے عقوبت خانے بھجوانا شروع کیا۔ ابھی چار ساتھی ہی وہاں پہنچے تھے کہ وہاں سے دردناک تشدد کی خبریں آنا شروع ہوگئیں، ان چار کے بعد اب باقی ساتھیوں کا اور ہمارا نمبر تھا۔

جیل میں بند ساتھیوں میں سخت بے چینی اور کرب کی کیفیت تھی اور ان کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ ہم پر بھی یہ بہیمانہ تشدد پھر دہرایا جائے۔ چنانچہ جیل میں احتجاج شروع ہوا اور قیدیوں کو آپس میں لڑانے کے لئے دی گئی آزادی جیل حکام کو مہنگی پڑنے لگی۔ وہ ہمیں جیل سے باہر لانے کے لئے اندر پرچہ بھیجتے تو مجاہدین اسے پھاڑ کر پھینک دیتے۔ وہ اپنے آدمی بھیجتے تو مجاہدین انہیں ذلیل کرتے اور ہم تک نہ پہنچنے دیتے۔

اسی دوران بعض ذمہ دار مجاہدین نے آپس میں یہ طے کر لیا کہ ایک سرنگ کھود کر ان مسلمانوں کو رہا کرالیا جائے تاکہ سب کو قید سے آزادی ملے۔ چنانچہ نہایت خفیہ طریقے سے سرنگ کا کام شروع ہوگیا۔

اسی اثنا میں جیل حکام نے جیل میں قائم کردہ ہمارے نظام کے بعض ذمہ داروں کو بلوایا اور انہیں کہا کہ آپ لوگ مولانا اور ان کے ساتھیوں کو ہمارے حوالے کردیں، ہم ان سے زبانی پوچھ تاچھ کریں گے اور ہمارا وعدہ ہے کہ ہم ان پر کوئی تشدد نہیں کریں گے۔ یہ ذمہ دار سرنگ سے بے خبر تھے، انہوں نے آ کر ہمیں کہا کہ اب جیل حکام تشدد نہ کرنے کا وعدہ کرچکے ہیں اور چند روزہ پوچھ تاچھ تو قانوناً بھی لازمی ہے، آپ لوگ اگر باہر نہ نکلے تو جیل حکام سب قیدیوں کو تنگ کریں گے اور انہیں بنیادی سہولتوں سے بھی محروم کردیں گے، اس لئے حکمت اور مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ آپ حضرات جیل حکام کی بات مان لیں کیونکہ اب تشدد نہ ہونے کا معاہدہ ہوچکا ہے۔

اب ہم عجیب صورتحال میں پھنس چکے تھے، ہم ان ذمہ داروں کو سرنگ والی بات نہیں بتا سکتے تھے اور اس کے علاوہ کوئی معقول عذر بھی نہیں کرسکتے تھے۔ ہمیں مزید چند دنوں کی ضرورت تھی، چنانچہ ہم نے ان ذمہ داروں کو ٹالنے کی کوشش کی مگر کوئی معقول وجہ نہ بتاسکنے کی وجہ سے یہ ٹال مٹول بہت کمزور تھی۔ پھر کیا تھا؟ وہی جیل جس کی ہر مجلس میں ہمارے رفقاء کی شان میں قصیدے پڑھے جاتے تھے، ہمارے لئے تنگ پڑ گئی۔ کل تک جو مجاہدین ہمارا حد درجہ اکرام کرتے تھے، ہمارے مخالف ہونے لگے۔ وہ لوگ جو ہماری محبت میں جانیں تک نچھاور کرنے کا عزم رکھتے تھے، عجیب وغریب شکوک میں مبتلا ہوگئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ دیکھو یہ پاکستانی تشدد سے ڈر گئے ہیں۔ کسی نے کہا یہ لوگ تکبر میں مبتلا ہیں اس لئے کسی کی نہیں سنتے۔ کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ کل تک ہمیں قربانی کے فضائل بتاتے تھے اب چار ڈنڈوں کے خوف سے تمام قیدیوں کے لئے وبال بن گئے ہیں۔

جیل کی ہر بارک میں یہی باتیں شروع ہوگئیں۔ ایک بزرگ جو مجھ سے تفسیر پڑھتے تھے اور میرے خلاف چھوٹی سی بات بھی نہیں سن سکتے تھے، انہوں نے منہ پر کہہ دیا کہ مولانا! میری بیٹی آپ کی ہم عمر ہے، میں نے اس بڑھاپے میں اتنا تشدد برداشت کیا ہے، آپ نوجوان ہو کر گھبرا رہے ہیں۔ درس قرآن کا حلقہ بھی سکڑ گیا، البتہ بعض مخلص احباب آخر تک یہی کہتے رہے کہ ہمیں تو ان پر پورا اعتماد ہے، لازماً کوئی حکمت ہوگی جس کی وجہ سے یہ لوگ جیل حکام کی بات نہیں مان رہے، مگر ایسا سوچنے والے لوگ بہت تھوڑے تھے۔

ان دنوں تاریخ کی کذب بیانی پر میرا ایمان بڑھ گیا اور میں نے سوچا کہ ہمارے اکابر نے واقعی

درست فرمایا ہے کہ تاریخ تو صرف ظاہری آنکھوں سے ایک واقعہ دیکھ کر فیصلہ کرتی ہے لیکن اصل حقیقت تک اس کی رسائی ممکن نہیں ہوتی، اس لئے عظیم شخصیات کے بارے میں صرف تاریخی واقعات کو آڑ بنا کر کبھی بھی غلط رائے قائم نہیں کرنی چاہئے۔

بہرحال جیل کی فضاء یکا یک ہمارے خلاف ہوگئی۔ اب اگر ہم انہیں اصلی بات بتاتے تو یقیناً تمام لوگ مطمئن ہوجاتے اور پہلے سے زیادہ محبت کرتے، لیکن تب یہ کام مخفی نہیں رہ سکتا تھا اور لازماً اس کی خبر دشمن تک پہنچ جاتی کیونکہ دشمن نے اپنے بعض افراد کو مجاہدین کے روپ میں اندر گھسا رکھا تھا۔ ان حالات میں ہمارا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سہارا نہیں تھا۔ ہم بدترین دشمن کی قید میں تھے، جو صبح شام اس فکر میں تھا کہ کب موقع ملے اور وہ ہم سے بدترین انتقام لے۔ دوسری طرف سرنگ کے مشکل اور خطرناک کام کا جوکھم تھا، جس کی وجہ سے راتوں کو جاگنا پڑتا تھا اور دن کو سارا دن ساتھیوں کے درمیان اس لئے جاگنا اور پڑھانے میں مشغول رہنا پڑتا تھا تاکہ رات کے جاگنے کو چھپایا جاسکے۔ جیل کے اندر موجود تنظیمیں اور مجاہدین بھی ہمارے سخت خلاف ہوچکے تھے اور وہ اپنے اوپر آنے والی مشکلات کا واحد ذمہ دار ہمیں سمجھ رہے تھے۔ ان حالات میں کس کو راضی کرتے اور کس کو ناراض؟ قارئین خود غور فرماسکتے ہیں۔

آج اس واقعے کے ساڑھے چھ سال بعد جب بعض لوگ مجھے کہتے ہیں کہ آپ سے ہمیں بہت محبت تھی، اُمت کو بہت توقعات آپ سے وابستہ تھیں، آپ کو چاہئے تھا کہ آپ بالکل غیر متنازع رہتے مگر آپ نے تو ایک تنظیم کھڑی کرلی، آپ تو بعض لوگوں کی باتوں میں آکر صرف انہیں کے اشاروں پر چل رہے ہیں، حالانکہ پوری امت آپ کی منتظر تھی اور آپ کے لئے دعائیں کررہی تھی۔ تب مجھے جموں جیل کا وہ واقعہ یاد آتا ہے کہ اب میں کیا کروں؟ کیا میں اس لئے جہاد کا عظیم کام اور اتحاد کا مبارک عمل چھوڑ دوں کہ بعض لوگوں کی نفرت محبت میں بدل جائے یا میں کشمیر کی آزادی کے لئے اس جدوجہد کو جاری رکھوں جو میں نے شروع کردی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ میں آج بڑی قوت سے اپنی صفائی پیش کرسکتا ہوں اور اپنے بعض دوستوں کی طرف سے اٹھائے جانے والے اشکالات کا جواب بھی دے سکتا ہوں، لیکن اگر میں ان کاموں میں لگ گیا تو امت میں جہاد کی روح بیدار کرنے کا کام رہ جائے گا اور وہ باتیں منظر عام پر آئیں گی جنہیں ہرگز لوگوں کے سامنے نہیں آنا چاہئے۔ جموں جیل میں بعض مخلصین نے اعتماد کیا اور بن دیکھے تائید کی، آج بھی

ایسے ہی مخلصین کی ضرورت ہے کیونکہ آج جہاد اور اتحاد سائنس سے بھی زیادہ ضروری اور اہم ہیں۔ جموں جیل میں ہم نے صبر کیا اور اپنی صفائی دینے کی بجائے سرنگ کھودتے رہے تاکہ درجنوں ساتھیوں کو آزادی ملے۔ بعد میں جب اس بات کا انکشاف ہوا کہ ہم آزادی کے لئے سرنگ کھود رہے تھے تو وہ لوگ ندامت کے آنسو بہانے پر مجبور ہوئے جنھوں نے باتیں کی تھیں اور مخالفانہ جملے کسے تھے۔

آج بھی میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور دنیا کی عارضی عزت اور ذلت سے بے پرواہ ہوکر جہاد اور مجاہدین کے درمیان اتفاق کے عمل کو جاری رکھنے کی اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتا ہوں۔ اس کالم کے ساتھ اس موضوع پر لکھنے کا سلسلہ بھی ختم کرتا ہوں اور دعاء خیر کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مجاہدین کو اپنے نفوس کے شر سے بچائے اور ہم سب کو صراط مستقیم پر چلائے اور ہم سے ایسا کام لے لے جو اس کی رضا اور ہماری بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

عاشقوں کے ساتھ عید کے چند لمحات

آج عید الاضحیٰ کا دوسرا دن ہے۔ مسلمان پوری دنیا میں خوشیاں منا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور جانوروں کی قربانیاں کر رہے ہیں اور کچھ خوش نصیب مسلمان ایسے بھی ہیں جو کشمیر اور دوسرے محاذوں پر اپنی قیمتی جانوں کی قربانی پیش کر رہے ہیں مگر کچھ اللہ تعالیٰ کے بندے عید کا دن بھی عجیب عاشقانہ شان سے مناتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ پوری دنیا کے مسلمان اللہ تعالیٰ کے ان سچے عاشقوں کو یاد رکھیں اور ان کے لئے کچھ کرنے کا عزم کریں۔ بہت ممکن ہے کہ ان کا یہ عزم عمل بن جائے اور ان کی بخشش، نجات اور کامیابی کا ذریعہ بن جائے۔ آیئے! ماضی قریب کا ایک ورق الٹتے ہیں اور چند لمحات کے لئے عاشقوں کی محفل میں چلتے ہیں۔

سرینگر شہر میں بادامی باغ کی فوجی چھاؤنی اور اس کے مراکز کا تذکرہ تو آپ نے بارہا سنا ہوگا، اسی مقام پر انڈین آرمی نے ''آر آر سینٹر'' کے نام سے ایک عقوبت خانہ بنا رکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں قصابوں کی دکانیں تھیں، جہاں وہ جانوروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت بیچتے تھے، جبکہ آج کل جانوروں کی جگہ ہمارے مجاہدین کی چیخ وپکار سنائی دیتی ہے۔

میری گرفتاری کے بعد یہ پہلی عید الاضحیٰ تھی، ساتھیوں نے بتایا کہ ظالم ہندو عید وغیرہ کے موقع پر اپنے چہروں پر سیکولرازم کے وقتی ماسک چڑھا لیتے ہیں اور عید کے دنوں میں مجاہدین کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دو روز کے لئے تشدد اور پوچھ تاچھ کا سلسلہ بند کر دیا جاتا ہے، انڈین آرمی کے

شعبۂ تعلیم کے اساتذہ اور پروفیسر مجاہدین کے پاس آ کر انہیں جہاد ترک کرنے کی دعوت دیتے ہیں، امن اور بھائی چارے پر لمبی لمبی تقریریں جھاڑتے ہیں، نیز عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن قیدیوں کو ''بڑا کھانا'' دیا جاتا ہے۔ بڑے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ کھانے کا معیار قدرے بہتر ہو جاتا ہے اور کھانا بغیر کسی مشقت کے بآسانی گلے سے اتارا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مجاہدین کے لئے ڈھول، باجے، ریکارڈ اور میوزک کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔ (جسے الحمدللہ! اکثر مجاہدین نہایت نفرت اور حقارت کے ساتھ مسترد کر دیتے ہیں اور عید کا دن گزرنے کے بعد انہیں اپنی اس حرکت کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑتا ہے۔)

ساتھیوں نے یہ تمام معلومات اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں بہم پہنچا دیں۔ میرے لئے ان باتوں میں صرف ایک بات باعث خوشی و اطمینان تھی اور وہ یہ کہ عید کے دن قیدیوں پر تشدد اور ان سے پوچھ تاچھ کا سلسلہ بند رہتا ہے۔ میں نے ایک دن کی اس عافیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس بات کی پیشگی خوشی محسوس کرنے لگا کہ عید کے دن صبح کے وقت کسی کا دل اس بات پر نہیں دھڑکے گا کہ آج اس کا نمبر ہے اور نہ ہی اس دن ہمیں اپنے پیارے ساتھیوں کی اور ساتھیوں کو ہماری چیخیں سننے کا صدمہ پہنچے گا۔ ان ہی تذکروں اور پیشگی خوشیوں کے دوران عید کا دن آ پہنچا۔

صبح سویرے کچھ ڈھول اور باجے وغیرہ لا کر رکھ دیے گئے، بڑے آفیسروں کی متوقع آمد کے پیش نظر صفائی بھی کروائی گئی، صبح کا ناشتہ حسب معمول تھا، یعنی کالے رنگ کا گرم پانی جس پر چائے کی تہمت لگائی جاتی تھی اور دو پرانی ڈبل روٹی کے پیس۔ دس گیارہ بجے کے قریب معلوم ہوا کہ بڑے آفیسروں کی آمد یقینی ہے اور کھانے میں خصوصی طور پر کھیر پکوائی گئی ہے تاکہ بڑے آفیسر انڈیا کی فیاضی کا چرچہ کر سکیں اور میٹھی کھیر کے دو چمچوں کے ذریعے دلوں میں بھڑکنے والے غم اور انتقام کے شعلوں کو بجھا سکیں۔

اس دوران ایک کشمیری مجاہد کو پیٹ میں سخت درد محسوس ہوا اور اس نے تکلیف کی وجہ سے کراہنا شروع کیا۔ عقوبت خانے کے حکام اسے فوراً عقوبت خانے کے اس کمرے میں لے گئے جو طبی سہولیات کے لئے وقف تھا۔ میڈیکل روم میں اس وقت آسام سے تعلق رکھنے والے ایک متعصب فوجی کی ڈیوٹی تھی جو کمپاؤنڈر کا کام کرتا تھا۔ اس نے اس مجاہد کو کوئی ٹیکہ وغیرہ لگوایا مگر مجاہد ساتھی کو کوئی افاقہ نہیں ہوا اور وہ درد کی شدت کی وجہ سے بدستور تڑپتا رہا۔

یہ منظر دیکھ کر فوجی کمپاؤنڈر کی حیوانیت جاگ اٹھی اور اس نے اعلان کر دیا کہ یہ مکر کر رہا ہے۔ بس

پھر کیا تھا، وہ خود اور اس کے ساتھی کئی فوجی اس بیمار مجاہد پر لاٹھیاں لے کر ٹوٹ پڑے اور یہ چھوٹی سی جیل اس مجاہد کی چیخوں سے گونج اٹھی اور پھر کوٹھڑیوں میں مقید مجاہدین نے جب چیخیں سنیں تو وہ آواز پہچان گئے اور سجدوں میں گر کر رونے لگے۔ کوئی شدت غم سے سسکیاں بھر رہا تھا تو کسی کے آنسو نہیں تھمتے تھے۔ عقوبت خانے کا ماحول جیل جیسا نہیں تھا، اس لئے یہاں پر احتجاج وغیرہ ممکن نہیں تھا، مگر پھر بھی مجاہدین نے ہمت کی اور انجام سے بے پرواہ ہو کر عقوبت خانے کے حکام کو بتا دیا کہ ہم آج تمہارا کھانا نہیں کھائیں گے۔ عقوبت خانے کی حکام اس طرح کی زبان سننے کے عادی نہیں تھے کیوں کہ انہیں قیدیوں پر ہر طرح کا اختیار حاصل تھا اور یہ قیدی ابھی تک کاغذات میں رجسٹرڈ بھی نہیں تھے۔

چنانچہ عقوبت خانے کے حکام تمام قیدیوں کو خوفناک انجام کی دھمکیاں دینے لگے اور اپنے ڈنڈے لہرانے لگے لیکن قیدیوں نے عزم کا ثبوت دیا اور وہ اپنے بات پر ڈٹے رہے۔ تھوڑی دیر بعد اس بیمار مجاہد کو لایا گیا جو تشدد کی وجہ سے سیدھا چل بھی نہیں سکتا تھا۔ بالکل اسی لمحہ جب دنیا بھر کے مسلمان اپنے بچے کو نئے کپڑے پہنا کر اور بھونا ہوا گوشت کھا کر خوشیاں منا رہے تھے، اس عقوبت خانے کے مجاہدین تاریک کمروں میں منہ کے بل کمبلوں میں سر دے کر رو رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے فریادیں کر رہے تھے۔ عقوبت خانے کے حکام کچھ مجبوریوں کی وجہ سے اس دن مزید تشدد نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ وہ بڑا کھانا لے آئے مگر کون تھا جس کے گلے سے لقمہ نیچے اترتا، سب نے کھانا واپس کر دیا اور عید کا دن غم اور بھوک کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کرتے اور سسکیاں بھرتے گزار دیا۔

اے مسلمان بھائیو! یہ عقوبت خانے اور ان میں تڑپتی ہوئی عید کی خوشیاں آج بھی ہمیں کچھ سوچنے اور کچھ کرنے کی دعوت دے رہی ہیں۔ خدارا! اپنے بھائیوں کا درد محسوس کریں، ورنہ یہ درد پوری امت کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا، اسی درد کو محسوس کرتے ہوئے ''جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' نے قیدی مجاہدین کے لئے باقاعدہ شعبہ قائم کر دیا ہے۔ آپ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطاء فرمائیں اور ہمارے لئے خصوصی اسباب مہیا فرمائیں تاکہ اگلی عید آنے سے پہلے عقوبت خانوں کا یہ غم عقوبت خانے بنانے والوں کی طرف منتقل ہو جائے۔

والسلام

کرنے کی باتیں

اس زمانے میں جہاد کی ضرورت اور افادیت پہلے سے بھی زیادہ ہے لیکن مسلمانوں کا رویہ جہاد کے بارے میں عمومی طور پر ابھی تک غیر سنجیدہ اور نا قابل فہم ہے، حالانکہ اسلام دشمن طاقتیں متحد ہو چکی ہیں اور انہوں نے ہماری آئندہ نسل کو بازاروں میں نیلام کرنے کا حتمی پروگرام بنالیا ہے۔ کروڑوں مسلمانوں میں سے مٹھی بھر افراد جہاد کی شمع جلائے ہوئے ہیں مگر ان مٹھی بھر مجاہدین کو ختم کرنے کے لئے بڑے بڑے ملکوں کے بڑے بڑے بجٹ مختص کئے جا چکے ہیں۔

وہ چند افراد جو مجاہدین کی دنیا بھر میں قیادت کر رہے ہیں، ان کی جانیں شدید خطرے میں ہیں اور ان کو نیلام کرنے کے خفیہ سودے بڑے بڑے محلات کے اندرونی کمروں کے اندر، رات کی تاریکیوں میں کئے جاتے ہیں۔ یہ چند افراد جن کی بدولت دنیا میں مسلمانوں کا تشخص قائم ہے، ہواؤں کے رخ پر رکھے ہوئی چراغوں کی طرح ہیں۔ ان کی وجہ سے مسلمان محفوظ ہیں، مگر وہ خود غیر محفوظ ہیں۔ انہیں صرف شہادت کی موت کا سامنا ہوتا تو وہ خود دیوانہ وار اسے گلے لگا لیتے لیکن انہیں تو کفار کے سپرد کرنے اور مشرکین و کفار کے ہاتھوں رسوا کرنے کے پروگرام بن رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کے یہ عظیم سپوت کفر کے بوٹوں تلے کراہنے پر مجبور ہوں اور ان کی آہیں اور سسکیاں سن کر دوسرے مسلمانوں کا حوصلہ پست کیا جاسکے۔ کاش! مسلمان حکمران اور مسلمان عوام ان افراد کی قیمت اور مسلمانوں کے لئے ان کی اہمیت کو سمجھ لیں۔ کاش! مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ واقعی جہاد ایک فرض ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمے لازم

کیا ہے اور اسی میں ان کی عظمت کا راز پوشیدہ ہے۔

آج بہت سارے مسلمان یہ کہتے ہیں کہ ہم جہاد کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمارے ساتھ کسی نے رابطہ تک نہیں کیا۔ ہم ان سے عرض کرتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سوا چار سو سے زائد ''آیات جہاد'' کے ذریعے آپ سے رابطہ قائم کر کے آپ کو جہاد کی دعوت نہیں دی؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستائیس غزوات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک جسم سے بہنے والا خون آپ کو جہاد پر کھڑا کرنے کے لئے کافی نہیں ہے؟ کیا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم کے کٹے ہوئے ٹکڑوں کے بعد جہاد کے لئے مزید کسی وعظ یا رابطے کی ضرورت باقی ہے؟

تھوڑا سا غور فرمایئے کہ بخارا و سمرقند کے لوگوں نے جب جہاد سے غفلت برتی تو اس کا کیا انجام ہوا؟ کیا آج وہاں مسلمانوں کی بہنوں اور بیٹیوں کے جسم نیلام نہیں ہو رہے؟ حالانکہ کل تک انہیں خاندانوں میں امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ تعالیٰ جیسے عظیم سپوت پیدا ہوئے تھے۔ دوسری طرف افغانستان کے مسلمانوں نے جہاد کیا تو آج ان کی نسلیں انہیں دعائیں دے رہی ہیں۔ الحمد للہ! آج وہاں ماں بیٹی کا تقدس بھی محفوظ ہے اور ایک ایک گاؤں میں ستر ستر حفاظ بھی موجود ہیں۔ معلوم نہیں ہم لوگ اپنی آئندہ نسلوں کے لئے کیا چھوڑنا چاہتے ہیں؟ مصیبت یا رحمت؟ عزت یا ذلت؟ بخارا و سمرقند کے دلخراش مناظر یا افغانستان والی ایمان پرور فضا؟

ہم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو جہاد کو اب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ فرض اور اسلامی عبادت نہیں سمجھتے، اس لئے ان کی زندگی کے لمحات جہاد سے محروم ہیں۔ معلوم نہیں ان لوگوں نے اپنے لئے کون سا عذر ڈھونڈ لیا ہے؟ اسی طرح کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا جہاد کے ساتھ محض ایک سرسری سا تعلق ہے، وہ نام کی حد تک کسی تنظیم سے صرف اس لئے منسلک ہو جاتے ہیں تاکہ دوسری تنظیم والوں کا منہ چڑا سکیں، حالانکہ ان لوگوں نے کبھی ایک روپیہ جہاد میں نہیں لگایا اور نہ انہوں نے کبھی ایک منٹ کے لئے جہاد میں نکلنے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر جان دینے کا ارادہ کیا ہے۔

جہاد کے ساتھ مسلمانوں کے اس غیر سنجیدہ طرز عمل کی وجہ سے ایک طرف تو کفار کی ہمت بڑھ رہی ہے اور ان کے ناپاک ہاتھ مسجد حرام اور مسجد نبوی کے منبر و محراب تک پہنچ رہے ہیں اور وہ مسلمان ماؤں کے پیٹ چاک کر رہے ہیں اور ہماری بہنوں کے سر اس وقت کاٹ کاٹ کر پھینک رہے ہیں جب ان

بہنوں کے کروڑوں بھائی دنیا میں زندہ ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کے جہاد کے ساتھ ظالمانہ رویے کی وجہ سے مجاہدین پر بے حد بوجھ پڑ رہا ہے۔ انہیں کافروں سے بھی لڑنا پڑتا ہے، مظلوم قیدیوں کو چھڑانے کی کوشش بھی کرنی پڑتی ہے، مسلمانوں کے دروازوں پر جا کر بھیک بھی مانگنی پڑتی ہے تاکہ جہاد کے مصارف پورے ہوسکیں اور دوسری طرف انہیں گلیوں میں گھوم گھوم کر سائیکلوں پر کھالیں بھی جمع کرنی پڑتی ہیں۔

اسلام دشمن طاقتیں ان کو تباہ کرنے کے لئے کتوں کی طرح پھر رہی ہیں جب کہ خود مسلمان بھی ہر دوسرے دن ان سے روٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ چنانچہ انہیں کافروں سے اپنے بچاؤ کا دھیان بھی رکھنا ہوتا ہے اور ایک ایک مسلمان کو منانے کے لئے ان کی خدمت میں حاضری بھی دینی پڑتی ہے۔ کاش! مسلمان حالات کی سنگینی کو محسوس کرتے اور جہاد کی ضرورت کو سمجھ لیتے اور آپس میں کام تقسیم کر لیتے تو ہم بہت تھوڑے عرصے میں اپنے مقبوضہ علاقے دشمن سے واپس لے سکتے تھے اور چند ہی دنوں میں اپنے قیدی بھائیوں کو کفار کے چنگل سے رہا کرا سکتے تھے۔

کاش! کچھ مسلمان اپنے ذمے اموال جمع کرنے کا کام لے لیتے، کچھ شہداء اور قیدیوں کے اہل خانہ کی کفالت کی سعادت حاصل کرتے، کچھ محاذوں کو سنبھالتے تو کچھ نشر واشاعت کی ذمہ داری لے لیتے، کچھ مسلمان مجاہدین کے لئے اسلحے اور دیگر ضروریات کا بندوبست کرتے، تو کچھ افراد جہادی قیادت کی حفاظت کے لئے خود کو پیش کر دیتے۔ ہماری عورتیں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی عورتوں کی طرح مجاہدین کے لئے کھانے اور پانی کا بندوبست کرتیں اور اپنے گھروں میں جہاد کی دعوت عام کرتیں۔

ہمارے حکمران اور سرکاری طبقہ مجاہدین کے لئے اتنی سہولت فراہم کر دیتا کہ ان کے راستے میں روڑے نہ اٹکاتا اور نہ کسی طرح کے خدشات میں مبتلا ہوتا۔ اسی طرح حضرات علماء کرام مجاہدین کی اصلاح کے لئے خود کو پیش فرماتے اور وہ جہاد کو شرعی خطوط پر جاری رکھنے کے لئے اپنی علمی اور روحانی خدمات پیش فرما دیتے۔ خلاصہ یہ کہ ہر مسلمان جہاد کو اپنا کام سمجھ کر اگر اپنی استطاعت کے مطابق محنت کرے تو کچھ بعید نہیں کہ ہم بہت جلد اپنی منزل پالیں اور ہماری آیندہ نسلوں کا ایمان بھی محفوظ ہو جائے۔
کاش! مسلمان وقت کی پکار سن لیں اور انہیں "**انفروا خفافا وثقالا**" (ہر حال میں جہاد کے لئے نکلو) کی قرآنی پکار سمجھ آجائے۔

"جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کی مقبولیت اور دشمنان اسلام کی بے چینی نہایت تیزی سے بڑھ رہی

ہے، ان حالات میں جو باتیں سوچنے اور کرنے کی ہیں، ان میں سے چند میں نے لکھ دی ہیں۔
خدارا سوچئے! اللہ کے لئے آگے بڑھئے!

والسلام

ویرانی یا آبادی

چند دن پہلے جب میرے پاس وفود کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا تو نور پور نامی علاقے سے آنے والے وفد میں ایک پرنور چہرے والے سفید ریش بزرگ بھی تھے، جنہوں نے اپنے ہاتھ میں دو تلواروں کا بنا ہوا لکڑی کا طغرہ اٹھایا ہوا تھا۔ بیان اور دعاء کے بعد یہ طغرہ بطور ہدیہ کے مجھے دیا گیا۔ اس پر ایک آیت اور ایک حدیث لکھی تھی اور درمیان میں مرقوم تھا:

ہدیہ از طرف ''جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' حلقہ عبدالشکور شہید، نور پور نورنگا

مجھے بتایا گیا کہ یہ بزرگ عبدالشکور شہید رحمہ اللہ کے والد ہیں۔ یہ سنتے ہی عقیدت اور محبت سے میری نگاہیں جھک گئیں اور میں نے اس خوش نصیب شخص سے دعاؤں کی درخواست کرنے کو سعادت سمجھا، جس کے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے خرید لیا اور حوروں نے فرشتوں کے ساتھ مل کر جس کی بارات میں (ان شاء اللہ) شرکت کی۔ اس وفد کے تشریف لے جانے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اس بزرگ کے دو بیٹے تھے۔ عبدالشکور شہید تو کشمیر چلے گئے اور انہوں نے وہاں پر جام شہادت نوش فرمایا، جب کہ دوسرا بیٹا راشد بھی افغانستان کے جہاد میں شریک ہوا اور اب دشمن کے ہاتھوں میں قید ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبدالشکور شہید کی شہادت کے بعد راشد محاذ سے گھر واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ضربِ مؤمن کا ایک رنگین پرچہ تھا اور اس پرچے میں راقم کا شادی کے بارے میں مضمون ''نیکی مشکل گناہ آسان'' شائع ہوا تھا، اس نے یہ مضمون پڑھ لیا تھا اور اس کا بہت گہرا اثر لیا تھا۔ اس کی والدہ نے اس کے چہرے پر ظاہر

ہونے والا اندرونی کرب محسوس کر لیا اور وجہ پوچھی تو اس نے اپنی والدہ کو بھی یہ مضمون پڑھایا۔ سعادت مند بیٹوں کی ماں نے مضمون کا اثر ہی نہیں لیا بلکہ فوراً عمل کرنے کی بھی ٹھان لی اور ایک ہی دن میں انہوں نے اپنے بیٹے راشد اور اپنی بیٹی کی سنت کے مطابق شادیاں کر دیں۔

راشد شادی کے بعد ایک ماہ گھر رہا اور پھر امارت اسلامیہ افغانستان کے محاذ پر جا پہنچا، جہاں ایک لڑائی کے دوران وہ گم ہو گیا۔ مجاہدین کا خیال تھا کہ وہ دشمنوں کے ہاتھوں قید ہو چکا ہے۔ انہی دنوں میں اللہ تعالیٰ نے مجھے جموں کشمیر کی آزمائش گاہ سے آزادی عطاء فرمائی تو ان دو عظیم مجاہدین کی والدہ میرے گھر تشریف لائیں اور انہوں نے مذکورہ بالا حالات بھی سنائے اور میری والدہ محترمہ کو میری رہائی پر مبارکباد بھی دی اور ایک ہزار روپے دے کر کہا: ''یہ رقم مولانا کو دے دیجئے گا تاکہ وہ اس سے مجاہدین کے لئے کوئی ایسی چیز خریدیں جو زیادہ عرصہ تک جہاد میں استعمال ہوتی رہے۔''

سبحان اللہ! وہ ماں جس کا ایک بیٹا شہید اور دوسرا میدانِ جہاد میں گم ہو گیا، وہ اب بھی جہاد میں مستقل اپنا حصہ ڈالے رکھنا چاہتی ہے۔ عبدالشکور شہید کے خاندان کے یہ ایمان افروز چرچے میں نے مختلف لوگوں سے کئی بار سنے اور خود میرے کمرے میں دیوار پر لگا ہوا اس کے نام کا طغرہ مجھے اس خاندان کی یاد دلاتا رہا۔ ابھی تین روز قبل افغانستان میں قید ایک مجاہد نے مولانا عبدالجبار صاحب کو کسی طرح سے خط بھیجا، تو اس میں یہ خبر بھی تھی کہ نور پور کا مجاہد راشد (عبدالشکور شہید کا بھائی) قید ہونے کے بعد شہید کر دیا گیا تھا۔ یہ خبر سنتے ہی ہم سب پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ کس قدر خوش نصیب ہیں وہ ماں باپ جن کے کُل دو بیٹے تھے اور دونوں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور جنت کے بدلے خرید لئے۔

میں نے یہ اطلاع دے کر کئی مجاہد ساتھیوں کو عبدالشکور شہید کے گھر بھیج دیا اور خود اس انتظار میں رہا کہ وہ واپسی پر کیا خبر لاتے ہیں۔ ان مجاہدین نے بتایا کہ ماشاء اللہ! راشد کے والدین نے صبر و شکر کا ایسا مظاہرہ کیا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ کی یاد تازہ ہو گئی۔ یہ بات سن کر میری اس خاندان سے محبت اور بڑھ گئی اور میرے دل میں ان خوش نصیب ہستیوں کی زیارت کا شوق لہریں مارنے لگا، کیونکہ مجھ پر یہ احساس غالب ہو گیا کہ ایک ہم ہیں کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر بھی ابھی تک ہمیں شہادت نہیں ملی۔ افغانستان، کشمیر اور نہ معلوم کہاں کہاں اسے تلاش کیا مگر ابھی تک اس کے اہل ثابت نہ ہو سکے اور کہاں یہ خوش نصیب کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کی طرف برسات کے متواتر قطروں کی طرح متوجہ ہے۔

میں سوچ رہا تھا کہ میں ان مبارک والدین کی زیارت کروں گا اور یہ عمل ان شاء اللہ! میرے لئے بخشش کا ذریعہ بنے گا اور ان والدین سے دعائیں کرواؤں گا تو ان شاء اللہ! راہ جہاد میں آنے والے روڑے خود بہہ جائیں گے۔ چنانچہ میں نے حالات سازگار نہ ہونے باوجود عزم کرلیا اور نور پور کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں سب سے پہلے شہید کے والد محترم کی زیارت ہوئی۔ یقین جانئے! وہ آنسو جو میری آنکھوں سے فرط محبت اور عقیدت سے بہنے کے لئے کناروں پر تھے، وہ ان کی سکون بھری مسکراہٹ کو دیکھ کر رک گئے۔ میں نے وہاں موجود مجاہدین سے مختصری گفتگو کی اور دو شہید بیٹوں کی والدہ سے پردے میں ملاقات کی تمنا ظاہر کی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ بھی منتظر ہیں۔

تھوڑی دیر بعد اس بوسیدہ مکان میں جا پہنچا جہاں بلاشبہ عزم وفا کی خوشبو آرہی تھی۔ میں نے پردے کے پیچھے سے سلام کیا اور عرض کیا: آپ کو مبارک ہو! اندر سے سکون بھرے لہجے میں جواب آیا: خیر مبارک! میں تو بہت خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں۔ میں نے عرض کیا: ممکن ہے لوگ یہ کہیں کہ آپ کے دونوں بیٹے شہید ہوگئے ہیں تو آپ کا گھر ویران ہو چکا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ آپ کا گھر تو اب آباد ہو چکا ہے۔ اندر سے جواب آیا بے شک میں خود محسوس کر رہی ہوں کہ اب میرا گھر حقیقی طور پر آباد ہو چکا ہے۔ میں نے دعاؤں کی درخواست کی تو ارشاد فرمایا: مجھے بیٹوں کی شہادت پر کوئی افسوس نہیں ہے بلکہ بہت خوشی ہے، مگر اس بات پر افسوس ہے کہ آپ ہمارے گھر میں آئے ہیں اور میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کرسکی، پھر انہوں نے میرے لئے اور مجاہدین کے لئے دعائیں کیں اور میری والدہ محترمہ کے لئے ڈھیروں سلام دیے اور پھر میں اجتماعی دعا کرا کر دوسرے شہداء کرام کے گھروں کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں نور پور سے واپس آگیا مگر میرے کانوں میں یہ الفاظ اب تک رس گھول رہے ہیں:

"اب تو میرا گھر حقیقی طور پر آباد ہو چکا ہے۔"

بے شک یہ الفاظ سچے ہیں۔ واہ! وہ منظر کیسا خوبصورت ہوگا جب اس ماں کا ایک ہاتھ عبدالشکور نے اور دوسرا راشد نے تھام رکھا ہوگا اور وہ ان شاء اللہ! بادشاہوں کی طرح مسکراتی ہوئی جنت کی طرف جارہی ہوگی۔

کاش! دوسری مائیں بھی ایسا سوچیں، ہاں وہ مائیں جن کے جوان بیٹے صرف دنیا کمانے کی مشینیں اور گناہوں کی فیکٹریاں بنتے جارہے ہیں۔ کاش! وہ تصور کریں کہ کس طرح سے عبدالشکور کشمیر کی برف

پوش وادی سے قیامت کے دن مسکراتا ہوا اٹھے گا اور اماں اماں کہتا ہوا ماں کا دل قیامت کے ہولناک دن خوش کرے گا اور دوسری طرف راشد شہید افغانستان کے پہاڑوں سے ہنستا مسکراتا طلوع ہوگا اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے لپٹ کر انہیں اپنی خوشیوں میں شریک کرلے گا۔

وہ مائیں تھوڑا سا غور کریں جنہوں نے اب تک اسلام کے لئے کچھ نہیں کیا، جنہوں نے اب تک مظلوم مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں کیا، جب کہ عبدالشکور اور راشد کی ماں تو اللہ تعالیٰ سے یہ کہنے کے قابل ہو چکی ہے کہ یا اللہ! دو جوان بیٹے تو نے دیے تھے، وہ میں نے تیرے نام کی عظمت پر قربان کردیے، ایک بوڑھا خاوند تھا وہ بھی دن رات جہاد کی محنت میں لگا رہا اور جو تھوڑا سا مال تو نے دیا، اس کے بارے میں بھی مجھے یہ فکر رہی کہ یہ بھی جہاد کے کام میں لگ جائے۔

اے عبدالشکور اور راشد کے والدین! بے شک موجودہ زمانہ آپ پر فخر کر رہا ہے کہ اسے بھی یہ سعادت ملی کہ اس میں ایک ماں اور ایک باپ نے چودہ سو سال پہلے والے مبارک زمانے کے عمل کو دہرا دیا۔

اے شہداء کے والدین! اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت بخشے، آج اسلام اور ہم سب مسلمان آپ پر فخر کر رہے ہیں۔

آپ کو کروڑوں بار اپنے گھر کی یہ عظیم آبادی مبارک ہو۔

والسلام

رس گھولتی پیاری آوازیں

پچھلے ہفتے میں ''معرکہ'' نہیں لکھ سکا کیونکہ مجھے اپنے مجاہد ساتھیوں سے ڈھیروں باتیں کرنی تھیں، وہ مجاہد ساتھی جو کشمیر کے محاذ پر مشرکوں کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہ پراسرار بندے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پیارے اور محبوب ہیں اور ان کی زندگی کا ہر لمحہ ان میدانوں میں گزرتا ہے جن میدانوں میں جانے کی تمنا نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عظیم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کرتے تھے۔ مقبوضہ کشمیر میں برسرپیکار ان ایمان والوں کی قیادت برادر عزیز ساجد جہادی کررہے ہیں۔ جب کہ دیگر اضلاع کے لئے الگ الگ ضلعی کمانڈر بھی مقرر ہیں۔

جن دنوں پاکستان میں جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہوا، ان دنوں میں محاذ کے ان ساتھیوں سے براہ راست رابطے کی سہولت میسر نہیں تھی اور ہم اس بات کے لئے فکر مند تھے کہ اپنا پیغام کس طرح سے ان مجاہدین تک پہنچائیں، نیز ہماری یہ بھی کوشش تھی کہ محاذوں پر لڑنے والے مجاہدین کے درمیان کسی طرح کا باہمی انتشار نہ ہو۔ چنانچہ ہم اچھے حالات کے انتظار میں خاموش رہے اور ہم نے چھوٹی سطح پر اندر رابطہ کرنے سے دریغ کیا۔

اسی دوران اخبارات کے ذریعے جیش کی تشکیل کی خبر اندر پہنچ گئی اور سب سے پہلے لولاب کے کمانڈر بھائی محمد نعیم (ساکن اٹک، پنجاب) نے اپنے طور پر جیش میں بھرپور شمولیت کا اعلان کردیا اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دی۔

اس کے بعد اندر کے تقریباً تمام ساتھیوں نے جیش میں شمولیت کا اعلان کردیا۔ اندر کے ساتھیوں کے اس اعلان کے فوراً بعد برادر محترم مفتی محمد اصغر خان نے بھی جیش میں شمولیت کا اعلان کردیا اور یوں ہمارے لئے اپنے مجاہد بھائیوں سے رابطے کی سہولت بحال ہوگئی۔ اس رابطے کے دوران محاذ کے مجاہدین نے جس خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا اسے سن کر پہلی بار یہ محسوس ہوا کہ واقعی میں اب جیل سے آزاد ہو چکا ہوں، حالانکہ میرا نظریہ یہ ہے کہ جب تک ہمارے بھائی کفار و مشرکین کی جیلوں میں بند ہیں، اس وقت تک اس رہائی کو حقیقی رہائی نہیں سمجھا جاسکتا۔

بہرحال وہ تین راتیں بہت پرمسرت اور پرکیف تھیں، جب میں اللہ کے راستے میں عملی طور پر برسرپیکار مجاہدین کی کانوں میں رس گھولنے والی آوازیں سن کر خوش ہورہا تھا۔ ان مجاہدین نے مجھے رہائی کی مبارکباد دی اور ہر ایک نے کہا کہ آج رات ہمارے لئے عید کی رات ہے۔ ان ساتھیوں نے بڑے اکابر اور حضرات علماء کرام سے بھی درخواست کی کہ وہ کبھی کبھار ان سے چند باتیں کرلیا کریں اور انہیں نصیحت فرمایا کریں۔

اس رابطے کے دوران مجاہدین نے اپنی جہادی ضروریات سے بھی آگاہ فرمایا، جنہیں پورا کرنا یقیناً ہماری ذمہ داری ہے۔ ان ساتھیوں نے جیش کی تشکیل پر بے حد خوشی کا اظہار فرمایا اور غیر مشروط طور پر اس میں شمولیت کو اپنی سعادت قرار دیا۔ مجھے یہ سعادت بھی ملی کہ میں نے ان ساتھیوں کے لئے خصوصی طور پر بیانات کئے، جو انہوں نے براہ راست سنے اور عمل کا وعدہ کیا۔ انہوں نے فرداً فرداً حکم دیا کہ ہمیں کچھ نصیحت کی جائے، میں نے اس فرمائش کی بھی تعمیل کی۔

لولاب کے کمانڈر بھائی محمد نعیم کو میں نے بتایا کہ آپ کے بھائی سے رابطہ ہوتا ہے، میں انہیں کیا کہوں؟ تو فرمانے لگے: انہیں میرا سلام کہیں اور آپ ایک بار ضرور ہمارے علاقے کا دورہ کریں تاکہ وہاں جہادی فضا بن جائے۔ بھائی محمد نعیم کی طرح دیگر ساتھیوں نے بھی اس کا زوردار تقاضہ کیا، بلکہ ایک مجاہد نے تو یہاں تک کہا کہ کاش! ہماری زندگی میں آپ کا ایک سفر ہمارے علاقے کی طرف ہوجائے اور ہمیں اس کی اطلاع مل جائے۔ ان ساتھیوں کی محبت بھری باتیں اب تک میرے کانوں میں گونج رہی ہیں۔ میں نے تین راتوں تک کئی گھنٹے ان ساتھیوں کے ساتھ گزارے اور مجھے اس بات پر شرم محسوس ہورہی تھی کہ وہ توقعات جو اللہ کے ان شیروں نے مجھ جیسے کمزور انسان سے وابستہ کررکھی ہیں، اگر

خدانخواستہ پوری نہ ہوئیں تو یہ کتنا بڑا المیہ ہوگا؟

اسی طرح ان ساتھیوں سے گفتگو کے بعد مجھے اس بات پر اطمینان ہوا کہ الحمدللہ! ہم نے فوراً جیش کا کام شروع کر کے کوئی جلد بازی یا عجلت نہیں کی بلکہ وقت کے تقاضے اور مجاہدین کے دل کی تمنا کو پورا کیا ہے۔ اگر خدانخواستہ میں رہائی کے بعد چند ماہ گھر بیٹھا رہتا تو نہ معلوم ان اللہ کے شیروں کے دلوں پر کیا بیتتی؟ شکر ہے میرے مالک کا جس نے مجھے غفلت اور گمراہی سے بچالیا اور اس نے مجھے اپنا وقت ضائع کرنے اور ''قائد'' بن کر گھر بیٹھنے سے محفوظ رکھا۔ مجھے ان ساتھیوں سے بات کر کے اس بات کا بھی شدت سے احساس ہوا کہ ان جانبازوں نے کس قدر یقین اور عزم کے ساتھ جیش میں شمولیت کا اعلان کیا ہے۔

محاذوں پر لڑنے والے اللہ تعالیٰ کے ان شیروں کو جو اس زمانے کے مشرکین سے ٹکرا رہے ہیں اور بدر وحنین کی یادیں تازہ کر رہے ہیں، بہت ساری چیزوں کی ضرورت ہے اور ہم نے عزم کیا ہے کہ ان شاء اللہ! کچھ بھی ہوجائے ہم وہ چیزیں انہیں فراہم کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے اور اسے اپنے لئے سعادت سمجھیں گے۔ مجاہدین کے ساتھ رابطے کی مٹھاس ابھی دل میں تھی کہ آج لولاب، اسلام آباد کے کمانڈر بھائی محمد نعیم (ساکن اٹک) اور ضلع کپواڑہ کے کمانڈر بھائی شاکر (ساکن ملتان) انڈیا آرمی کے ساتھ ایک جھڑپ میں جام شہادت نوش فرماگئے اور لیلائے شہادت سے ہم آغوش ہوگئے۔ چند روز قبل یہ دونوں مجاہد بھی ان ساتھیوں میں شامل تھے جو جیش کی تشکیل پر بے حد خوش تھے اور جیش کو کشمیر کی آزادی اور انڈیا کی بربادی کا ذریعہ سمجھ رہے تھے۔

ان دونوں کمانڈروں کی شہادت جہاں خود ان کے لئے اور ان کے اہل خانہ کے لئے ایک عظیم سعادت ہے، وہاں جیش کے کارکن اپنے ان دو ساتھیوں کی جدائی کا غم اور صدمہ بھی محسوس کر رہے ہیں۔ یقیناً ان دونوں کا خون ہماری آنکھوں کے سامنے رہنا چاہئے کیونکہ جب خون بھولتا ہے تو پھر مشن بھی بھول جاتا ہے، حالانکہ ہم نے تو خون کے ہر قطرے کا حساب چکانا ہے اور اس مقصد تک ہر حال میں پہنچنا ہے جس کی خاطر یہ مبارک خون گرا ہے۔

روشن قندیلیں

جیل میں جن نعمتوں سے محرومی کا شدید احساس قلب وجگر کو مجروح کرتا تھا ان میں اپنے محبوب و مشفق اکابر کی محبت بھی تھی۔ میں بار بار یہ دعاء کیا کرتا تھا کہ یا اللہ! ان اکابر کی عمر میں برکت عطاء فرما اور مجھے ان بحار علم وعمل سے استفادے کا موقع عطاء فرما۔ پھر جیل ہی میں اپنے بعض اکابر کے انتقال کی خبر نے بے حد صدمہ پہنچایا، ان میں سے بعض تو وہ حضرات تھے جن سے استفادے کی تڑپ میرے دل کو بے چین کر دیتی تھی۔ آپ خود سوچئے کہ کوئی پیاسا انسان کسی چشمے سے سیراب ہونے کی آس لگائے بیٹھا ہوا ور اسے یہ خبر ملے کہ اب وہ براہ راست اس چشمے سے فیض حاصل نہیں کر سکے گا، تب اس کے دل پہ کیا گذرے گی؟

جیل کی آزمائش ختم ہوگئی اور میرے رب نے مجھ پر احسان فرمایا تو میری اولین ترجیحات میں اپنے اکابر سے حتی الوسع استفادہ بھی شامل تھا۔ کراچی کے چند روزہ قیام میں یہ نعمت الحمدللہ! پوری آب وتاب سے میسر ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں کو حضرات اکابر کی زیارت سے سکون پہنچایا۔ کراچی کے بعد ملک کے دیگر علاقوں میں جا کر بعض اکابر کی زیارت وملاقات کا شرف بھی نصیب ہوا۔ یہ سلسلہ جاری تھا کہ پابندیاں مسلط کردی گئیں، بہت سارے غیر اور بعض اپنے تیر تلواریں لے کر میدانوں میں اتر آئے۔ ان حالات میں حضرات اکابر سے استفادے کا سلسلہ بھی قدرے منقطع رہا، البتہ اکابر میں سے بعض حضرات نے نہایت شفقت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے جزوی پابندی کے ان ایام میں بہاولپور کا سفر

فرمایا اور مجھے دل بھر کے اپنی زیارت کا موقع عطاء فرمایا۔ان حضرات کے تشریف لانے سے مجھے جہاں بے حد خوشی ہوئی وہاں شدید شرمندگی کا احساس بھی ہوا کہ یہ وہ حضرات ہیں جو قرآن مجید کی تفسیر اور صحیح بخاری کے اسباق پڑھاتے ہیں اور دن رات مخلوق کو خالق سے جوڑنے کا کام کرتے ہیں۔معلوم نہیں اس سفر کے دوران ان کے مبارک کاموں کا کتنا حرج ہوا ہوگا اور کتنے طلبہ اور عوام کو ان اوقات میں استفادے سے محرومی ہوئی ہوگی۔اب جب کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پابندیاں کچھ ہلکی پڑ چکی ہیں، حضرات اکابر کی خدمت میں حاضری کے بعض ایمان پرور مواقع نصیب ہو رہے ہیں اور میں اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا ہوں۔

شیخ التفسیر والحدیث، واصل باللہ، حضرت اقدس، جناب مولانا شریف اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا اسم گرامی اور آپ کی انمول تصانیف اہل علم میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔میں نے بلوچستان کے علاقے لسبیلہ میں ایک جلسے کے دوران تقریباً آٹھ سال پہلے حضرت کی زیارت کی تھی اور اس وقت سے میرا ارادہ تھا کہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے چشمۂ علم وروحانیت سے ان شاء اللہ ضرور استفادہ کروں گا لیکن اس کا موقع نہیں مل سکا۔گرفتاری کے دنوں میں ضرب مؤمن کے ذریعے معلوم ہوا کہ حضرت نے افغانستان کا سفر فرمایا ہے اور حضرت امیر المؤمنین اور آپ کی ملاقات بھی ہوئی ہے اور حضرت امیر المؤمنین آپ کی ''تفسیر بدیع'' اپنے پاس رکھتے ہیں اور اس سے استفادہ فرماتے ہیں۔یہ خبر پڑھ کر ملاقات کا شوق اور زیادہ بڑھ گیا۔

رہائی کے بعد حضرت اقدس کے علمی جانشین اور ولولۂ جہاد سے سرشار نوجوان صاحبزادے حضرت مولانا خلیل اللہ صاحب مدظلہم بہاولپور تشریف لائے، اس ملاقات میں میں نے حضرت اقدس سے ملاقات کی تمنا اور شوق کا اظہار بھی کیا اور دعاؤں کی درخواست بھی بھیجی۔اس ملاقات کے چند ہی روز بعد حضرت مولانا خلیل اللہ صاحب مدظلہ دوبارہ تشریف لائے تو ان کے پاس حضرت اقدس کی تصانیف کا مجموعہ اور کچھ دوائیاں بھی تھیں۔معلوم ہوا کہ حضرت اقدس نے یہ نوازشات خود فرمائی ہیں۔اسی دوران ایک بار ٹیلی فون پر گفتگو کی سعادت بھی ملی، مگر کل مورخہ ۱۳ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ کا دن میرے لئے بہت خوشی کا دن تھا جب میں نے حضرت اقدس کی زیارت اور آپ سے استفادے کی نیت سے جامعہ تفسیر یہ شمس العلوم، رحیم یار خان کا سفر کیا، جہاں پر حضرت اقدس نے مجھ ناچیز پر ظاہری اور باطنی احسانات کی بوچھاڑ

فرمادی۔اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین بدلہ دنیا اور آخرت میں عطاء فرمائے۔

حضرت نے اس ناچیز کی خواہش پر بخاری شریف کے پہلے باب کا سبق بھی پڑھایا اور اپنی ''قربی سند'' تحریری طور پر عنایت فرمائی۔اس سند میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک کل سولہ واسطے ہیں، نیز کچھ اذکار کی تلقین کے ساتھ اپنی تسبیح بھی عنایت فرمائی اور اپنے علمی وروحانی نصائح سے بھی نوازا۔حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا کہ ہم ''جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کے ساتھ ہیں اور ہماری دعائیں اس مبارک اتحاد کے ساتھ ہیں۔اتحاد کے ساتھ اپنی محبت اور لگن کا اظہار فرماتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری تمنا ہے کہ میں میدان جہاد میں جاؤں، جہاں پر جسم کا قیمہ بن جائے، جسے پرندے کھالیں اور قیامت کے دن میرا حشر ان پرندوں کے پوٹوں سے ہو۔

حضرت کے علمی اور جہادی ذوق کے مکمل آثار آپ کے جامعہ کے اساتذہ کرام، طلبہ اور آپ کے خاندان پر پوری طرح نمایاں نظر آ رہے تھے۔آپ کے گھر میں قائم مدرسۃ البنات کی طالبات اور حضرت کے گھر کی خواتین پہلے بھی کئی بار اپنے زیور اور اموال جہاد میں بھجوا چکی ہیں اور کل میری آمد پر انہوں نے پھر جہاد کے لئے مالی قربانی پیش فرمائی۔یہ سفر چونکہ سیکھنے اور حاصل کرنے کی نیت سے کیا گیا تھا اس لئے اس کی مکمل تفصیل تو پیش نہیں کی جاسکتی، البتہ چند باتیں جو سب مسلمانوں کے لئے مفید ہیں، ان کا تذکرہ بہرحال ضروری معلوم ہوتا ہے اگرچہ مختصر ہی کیوں نہ ہو۔

(۱) ہمارے اکابر ایک عظیم الشان نعمت ہیں۔وہ جہاں کہیں بیٹھے ہیں وہاں پر علم، روحانیت اور جہاد کی روشن قندیلیں جہالت، نفس پرستی اور ظلم کی ظلمت کو ختم کر رہی ہیں۔مسلمانوں کو چاہئے کہ ان اکابر کی قدر کریں اور ان سے استفادے میں کسی طرح کی غفلت اور سستی سے کام نہ لیں۔

(۲) ہمارے اکابر کا جہاد کے بارے میں ولولہ انگیز موقف سب مسلمانوں کے لئے مسئلہ جہاد کو سمجھنے میں پوری مدد دے رہا ہے، اس لئے ہمارا یقین ہے کہ یہ حضرات اپنے مقامات پر بیٹھ کر بھی پوری طرح سے جہاد میں شریک ہیں۔ان کی تمام دینی اور ایمانی محنتوں کا ثمرہ جہاد اور مجاہدین کو مل رہا ہے۔

۳۔محاذ پر لڑنے والے مجاہدین اور زندہ اولیاء کرام کو ''جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' پر اطمینان اور اعتماد، اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت ہے۔مجاہدین جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر

شکرادا کریں وہ کم ہے۔ بے شک ان دو عظیم اور مقبول طبقوں کی حمایت دل کو سکون بخشنے والی نعمت ہے۔

ابھی تین دن پہلے شہید اسلام برادرم اختر شاکر شہید کے گھر "ظاہر پیر" جانا ہوا تو واپسی پر امام المنقول والمعقول، زاہد العصر، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ حضرت اقدس نے بھی نوازشات کی بارش فرمائی اور آپ نے "جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کے لئے خصوصی دعائیں فرمائیں اور اس ناچیز کو دعاؤں اور توجہات سے نوازا۔

اسی طرح ایک ہفتہ قبل بشام میں ضلع سوات، ضلع کوہستان، ضلع شانگلہ اور بٹگرام کے حضرات اکابر اور علماء کرام کی خدمت میں حاضری نصیب ہوئی تو حضرت شیخ التفسیر مولانا ولی اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ سمیت تمام اکابر نے جیش کے ساتھ قلبی وابستگی کا اظہار فرمایا اور خصوصی دعاؤں سے نوازا۔ اللہ کرے اکابر سے استفادے کا یہ سلسلہ جاری وساری رہے اور اکابر کی دعائیں اور خصوصی توجہات شامل حال رہیں۔

والسلام

یہ پیارا تحفہ

چند دن پہلے یاران جیل کے محبت بھرے خطوط موصول ہوئے۔ جی ہاں! میرے ان ساتھیوں کے خطوط جن کے ساتھ میں نے دردناک آزمائش کی گھڑیاں گزاریں اور انہوں نے مجھے سکھ اور راحت پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ میں زخمی ہوتا تھا تو وہ میری مرہم پٹی کرتے تھے اور میرے سوجے ہاتھوں اور پاؤں کی مالش کرتے تھے۔ چھ سال کے عرصے میں انہوں نے مجھے کبھی خود روٹی نہیں پکانے دی، حالانکہ میں نے اس کے لئے بہت اصرار کیا تھا۔ جیل کے مشرک حکام جب بھی مجھے ایذاء پہنچانے کے درپے ہوتے تو میرے یہ جاںنثار ساتھی ڈھال بن کر میرے گرد کھڑے ہو جاتے۔ کبھی میں بیمار ہو جاتا تو وہ میرے روکنے کے باوجود ساری ساری رات جاگ کر گزارتے۔ میں کورٹ جاتا اور میری واپسی میں تاخیر ہو جاتی تو وہ بے چینی سے چھتوں اور دیواروں پر چڑھ جاتے۔

جیل حکام کے سامنے وہ میرا اتنا اکرام کرتے کہ مشرک حسد کی آگ میں جل بھن جاتے اور دبی زبان میں حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے۔ ان اللہ والے بھائیوں کی کس کس ادا کو یاد کروں اور ان کے کس کس احسان کا تذکرہ کروں؟ میری زندگی کے دن رات اور تمام کمزوریاں ان کے سامنے تھیں مگر اس کے باوجود ہر لمحہ ان کی محبت اور ان کا اکرام بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ میری رہائی کے بعد ان میں سے بعض جدائی کے صدمے میں کئی کئی دن تک روتے رہے اور بعض پر بے ہوشی اور غشی کے دورے بھی پڑے۔

حقیقت یہ ہے کہ مجھ نااہل اور کمزور کے ساتھ ان کی یہ محبت محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا، جو جیل کے تندور میں

میرے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا ذریعہ بنا رہا۔

ابھی ان ساتھیوں کے تازہ خطوط اور محبت بھرے جذبات میرے سامنے ہیں، انہوں نے اور باتوں کے ساتھ ساتھ جیش کا نام بھی لکھ دیا ہے۔ جیل کی دیواروں پر ان ساتھیوں نے نہایت شدت کے ساتھ ضرب مؤمن کا بھی مطالبہ کیا ہے۔ وہ پہلے بھی اس اخبار کے لئے تڑپتے تھے اور جب ان تک خفیہ طریقے سے ضرب مؤمن کے بعض پرچے پہنچ جاتے تو وہ پوری پوری رات جاگ کر اس کی ہر سطر اور ہر لفظ کو پڑھتے تھے۔ اس اخبار نے ان کو بہت سہارا دیا اور ان کی مایوسی کو امید میں بدل دیا۔ ان میں سے بعض کو تو اس اخبار کی بدولت لکھنے کا ذوق بھی نصیب ہوا۔ چنانچہ بعض ایسے ساتھی جو خط مشکل سے لکھتے تھے ضرب مؤمن کی برکت سے صاحب ذوق قلمکار بن گئے۔ ماضی میں میں نے ان میں سے بعض کی تحریریں چھپ چھپا کر اپنی تحریروں کے ساتھ ضرب مؤمن کے لئے بھجوائیں، جو الحمدللہ! شائع بھی ہوگئیں اور اس سے اسیرانِ راہ حق کے حوصلے اور بڑھ گئے۔

ضرب مؤمن نے ان مظلوم قیدیوں کو امارت اسلامیہ کے روشن مینار دکھائے، جن میناروں کو دیکھ کر وہ جیل میں بھی خود کو آزاد سمجھنے لگے۔ اسی اخبار نے انہیں حرمین شریفین کے اردگرد صلیبی لشکروں کے پتے بتائے، جنہیں پڑھ کر ان قیدیوں کے جذبات شعلے اُگلنے لگے۔ اس اخبار نے انہیں بہت سارے نظریات ساز مضامین، خوبصورت واقعات اور ضروری مسائل سے آگاہ کیا۔ اس اخبار میں چھپنے والے افغانستان کے نقشے ان قیدیوں نے حفظ کر لئے اور یوں وہ دور بیٹھ کر بھی امارت اسلامیہ سے قریب تر رہے۔ اسی اخبار نے اسیرانِ راہ حق کو کوسووا اور چیچنیا کے حقیقی حالات اور ناٹو کی بمباری کے اصل مقاصد سے آگاہ کیا۔ پھر جب ان مظلوم قیدیوں پر ایک بھیانک ظلم ہوا اور ان کے محبوب رہنما حضرت سجاد افغانی شہید کر دیے گئے تو ضرب مؤمن ہی نے ان کے زخموں پر مرہم رکھا اور انہیں یہ احساس دلایا کہ وہ اکیلے نہیں ہیں اور انہیں یہ صدا سنائی کہ وہ خود کو لاوارث نہ سمجھیں۔ میں تو بلا مبالغہ یہ عرض کرتا ہوں کہ ضرب مؤمن کی حقیقت اگر معلوم کرنی ہو تو انہی اسیران اسلام سے معلوم کی جائے کیونکہ وہی جانتے ہیں کہ ضرب مؤمن کیا ہے؟ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر ان قیدیوں کو معلوم ہو جائے کہ بعض عناصر ضرب مؤمن کی مخالفت کرتے ہیں، اس کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے ہیں اور اس اخبار اور اس کے چلانے والوں کو ختم کرنے کے ظالمانہ ارادے کرتے ہیں تو اللہ کے راستے کے یہ معتکف قیدی چیخ چیخ کر

کہیں گے کہ خدا سے ڈرو! یہ ظلم بند کرو اور ضرب مؤمن کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے نہ دیکھو، کیا تم مظلوموں کے اس سہارے کو ان سے چھین لینا چاہتے ہو؟

مظالم کے شکار ان عظیم اللہ والوں کی ضرب مؤمن کے ساتھ یہ شیفتگی اور محبت پاکستان کے آزاد لوگوں کے لئے بھی ایک بہت بڑا سبق ہے۔ میری تمنا ہے کہ پاکستان کے مسلمان اس اخبار کی قدر کو اور زیادہ پہچانیں اور مظلوم مسلمانوں کو سہارا دینے میں شرکت کریں اور کسی طرح کے منفی پروپیگنڈے کو خاطر میں نہ لائیں۔ میری آرزو ہے کہ اس کالم کو پڑھنے والا ہر مسلمان جہاد کی دعوت کو پھیلانے اور مظلوموں کی آہوں کو خوشیوں میں بدلنے کے لئے ضرب مؤمن کو خوب پھیلائے۔ خود سوچئے! اگر آپ میں سے ہر بھائی اور ہر بہن اس اخبار کا ایک اور خریدار تیار کرے تو جہاد کا جذبہ اور یہ پیارا تحفہ جو پہلے ہی لاکھوں مسلمانوں تک پہنچتا ہے، صرف ایک ہفتے میں دگنا ہو سکتا ہے۔

والسلام

جہادِ کشمیر پر شبہات

جہادِ کشمیر کا نتیجہ یا انجام کیا ہوگا؟ کہیں یہ تحریک کسی دن مجاہدین کے ہاتھوں سے چھین تو نہیں لی جائے گی؟ کہیں کارگل میں کوئی ظالمانہ معاہدہ شہداء کرام کی قربانیوں پر راکھ تو نہیں ڈال دے گا؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کی بازگشت اکثر سنائی دیتی ہے جبکہ بعض لوگ اس بات پر بھی فکرمند نظر آتے ہیں کہ جہاد کی کامیابی کے بعد کشمیر میں اسلام آسکے گا یا نہیں؟ اس میں شک نہیں کہ یہ تمام باتیں اور سوالات بہت اہم ہیں، لیکن ان سوالات میں الجھ کر میدان جہاد سے غافل ہونا جائز نہیں ہے۔ افغانستان کے جہاد کے دوران اسی طرح کے اہم سوالات اور کانٹے دار شبہات سننے کو ملے تھے، لیکن مسلسل جہاد نے عملی طور پر ہر شبہے کا ازالہ کر دیا اور ہر سوال کو خاک میں اڑا دیا۔

چند دن پہلے سفرِ کشمیر کے دوران کسی نے ان سوالات کا حتمی جواب طلب فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ جہاد کا جاری رہنا خود ایک بہت بڑی کامیابی اور حصولیابی ہے۔ جہاد سے اسلام کی رگوں میں خون دوڑتا ہے اور مسلمان کو بھی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ جہاد خود ایمانی جذبوں کا محافظ ہے اور جہاد کے اثرات اور نتائج اس خوبی سے ظاہر ہوتے ہیں کہ دنیا والوں کی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ بس ہمارے لئے تو اتنی حصولیابی کافی ہے کہ جہاد جاری ہے، باقی جہاں تک تعلق ہے سوالات اور خدشات کا تو ان سے بھی غافل نہیں رہنا چاہئے، لیکن اصل اور درست طریقہ کار یہ ہے کہ جہاد کو مسلسل جاری رکھا جائے اور ساتھ ساتھ خطرات اور خدشات کے ازالے کی کوشش بھی کی جائے، تب بڑے سے بڑے خطرات اور خوفناک

خدشات خود بخود ٹل جاتے ہیں۔

افغانستان کے جہاد کے بارے میں بھی یہ خدشہ تھا کہ اس مقدس تحریک کو غیروں کی طرف سے ہائی جیک نہ کر لیا جائے، یہ بھی خطرہ تھا کہ یہ مقدس سرزمین تقسیم نہ ہو جائے، اس بات کا شبہ بھی تھا کہ جہاد کا لبادہ اوڑھے ہوئے منافق چھا جائیں اور شہداء کرام کے خون کے بدلے میں سیکولر حکومت مسلمانوں کا منہ چڑائے، مگر الحمدللہ! مجاہدین نے جہاد کو جاری رکھا اور دوسرے پہلوؤں پر بھی غور فرماتے رہے۔ بالآخر سارے خطرات دم توڑ گئے اور شہداء کرام کے طاقتور خون کی برکات غالب آگئیں اور اہل ایمان کے دل ٹھنڈے ہو گئے، لیکن اگر خطرات، شبہات اور وساوس کا راگ الاپ کر جہاد کو ہی روک دیا جائے اور اس بات کا مطالبہ کیا جائے کہ پہلے خطرے کا ازالہ ہو تب ہم میدان جہاد میں کودیں گے تو پھر سوائے پچھتاوے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ عمل کا میدان سرد اور لفظی بحث مباحثے کا میدان گرم ہو جاتا ہے، جس کا فائدہ کسی کو بھی نہیں ملتا اور اُمت جہاد کی برکات اور اس کے ثمرات سے محروم ہو جاتی ہے۔

کیا غزوۂ بدر سے پہلے یہ خطرہ نہیں تھا کہ مسلمانوں کی تمام قوت ختم ہو جائے گی؟ کیا غزوۂ اُحد کے وقت یہ خطرہ نہیں تھا کہ دارالاسلام، مدینہ منورہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جائے گا اور مسلمان اپنے مرکز سے محروم ہو جائیں گے؟ کیا صلح حدیبیہ لفظی خدشات اور مفروضوں پر مبنی خطرات سے پاک تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ جہاد ایک عجیب وغریب عمل ہے اور اس میں ظاہری طور پر سوائے بربادی، تباہی اور خسارے کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ جہاد کے فوائد کبھی بھی لفظی دلائل سے ظاہر نہیں ہوتے کیونکہ یہ ایک عملی فریضہ ہے اور جہاد کے مسلسل عمل سے ہی اس کے فوائد و نتائج کھلتے چلے جاتے ہیں۔

جہاد کا جاری رہنا خود ایک عظیم نعمت ہے۔ جس طرح نماز اور ذکر کا جاری رہنا خود ایک بڑی نعمت، سعادت اور کامیابی ہے۔ بعض مریدین جب اپنے مشائخ کو لکھتے ہیں کہ ہم مسلسل ذکر کر رہے ہیں، لیکن کوئی فائدہ محسوس نہیں ہو رہا اور کوئی خاص مزہ نہیں آرہا تو حضرات مشائخ جواب میں فرماتے ہیں کہ ذکر اذکار کا جاری رہنا ہی بڑا فائدہ ہے اور ذکر صرف مزے کیلئے نہیں کیا جاتا۔

بس جہاد کی دیگر تحریکوں کی طرح جہادِ کشمیر کے بارے میں بھی ہم یہی کہتے ہیں کہ کشمیر میں جہاد کو جاری رکھا جائے، بلکہ پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ اس مبارک عمل کو ادا کیا جائے، البتہ خطرات وخدشات سے نمٹنے کے لئے بھی جامع پالیسی بنائی جائے اور ہمیشہ اپنی جہادی حکمت عملی پر غور کیا جائے

اور وقتاً فوقتاً اپنی حکمت عملی میں مفید تبدیلیاں لا کر دشمن کا زیادہ سے زیادہ نقصان اور مجاہدین کا زیادہ سے زیادہ بچاؤ کیا جائے اور اس مقدس تحریک کو دشمن کے مغز تک پہنچانے کی حکمت عملی وضع کی جائے، تب اس تحریک کو کوئی نہیں بیچ سکے گا اور کسی کو ہمت نہیں ہوگی کہ وہ شہداء کرام کے خون کو مذاکرات کی میز پر فروخت کرنے کا جرم کر سکے، لیکن اگر ہم نے خطرات کے خوف سے جہاد کو روک لیا یا وقتی طور پر سانس لینے کے لئے وقفہ کیا تو پھر ماضی کا رشتہ مستقبل سے جوڑنے کے لئے ہمیں پھر بے شمار قربانیاں دینی پڑیں گی اور یہ مقدس تحریک بہت پیچھے جا پڑے گی۔

آج کل یہ بھی سننے میں آ رہا ہے کہ بعض مجاہدین کرام جہاد کشمیر سے یا اس کے آئندہ نتائج سے مطمئن نہیں ہیں، اگر ایسا ہے تو یہ بہت افسوس ناک بات ہے، کیونکہ بت پرست مشرکین کے خلاف جاری اس لہو رنگ تحریک کے بارے میں شبہات رکھنا مجاہدین تو درکنار کسی عام مسلمان کو بھی زیب نہیں دیتا۔ ضرب مؤمن کے صفحات پر جہاد کشمیر کے بارے میں ایسے کئی فتاویٰ اور مضامین شائع ہو چکے ہیں جن کی روشنی میں جہاد کشمیر کی اہمیت اور حقیقت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر یقین رکھتا ہو اور اس نے قرآن مجید کے ذریعے جہاد کو سمجھا ہو وہ نہ تو جہاد افغانستان کی مخالفت کر سکتا ہے نہ جہاد کشمیر کی۔ اس کی نظر میں نہ چیچنیا کا جہاد غیر اہم ہو سکتا ہے نہ فلسطین کا، بلکہ اس کا عزم تو یہ ہونا چاہئے کہ وہ جہاد کی ہر تحریک میں حصہ ڈالے گا اور ہر جگہ لڑنے والے مجاہدین سے محبت کرے گا اور ان کا تعاون کرنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا۔

والسلام

خونِ شہداء کی طاقت

کابل سے قندھار جاتے ہوئے افغانستان کی امارت اسلامیہ کے جنگی طیارے میں بیٹھ کر ضرب مؤمن کے محترم قارئین سے مخاطب ہوں۔ میرے چند ساتھیوں نے طیارے کے فرش پر ایک لحاف بچھا دیا ہے اور میں بھی اپنی سیٹ سے اُتر کر اسی لحاف پر اپنے رفقاء کرام کے درمیان بیٹھا ہوا ہوں۔ میری دائیں طرف کی سیٹ پر مرشد العلماء، حضرت اقدس، مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم العالیہ نہایت توجہ سے ذکر الٰہی میں مشغول ہیں۔ اس طیارے میں اور بھی کئی اہم علمی اور دینی شخصیات سوار ہیں۔ طیارے کے شور نے سب مسافروں کو بالکل خاموش کر رکھا ہے، اگر کوئی بولنا چاہتا ہے تو اسے پورا زور لگانا پڑتا ہے۔ امارت اسلامیہ کی افواج کے سربراہ ملا فضل محمد اخوند نے حضرات اکابر و علماء کرام کے لئے اس طیارے کا بندوبست کیا ہے۔ یہ واقعہ یقیناً عجیب ہے مگر افغانستان میں حضرات اکابر و علماء کرام کا اس طرح سے اکرام ایک عام معمول بنا ہوا ہے۔

پوری دنیا گلا پھاڑ کر جن علماء کرام کو دہشت گرد ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہے، افغانستان میں انہی علماء کرام کے لئے آنکھیں بچھائی جاتی ہیں اور پورے ملک کی سرکاری مشینری ان علماء کرام کے اکرام کے لئے سرگرم ہو جاتی ہے۔ وہ ملک جہاں دنیا کے طاقتور اسلام دشمن عناصر داخل تک نہیں ہو سکتے، وہ ملک جہاں آنے کے لئے انڈیا کے وزیر خارجہ کو آٹھ دن تک پاپڑ بیلنے پڑے۔ وہ ملک جو کافروں کے لئے سخت بڑی ثابت ہوا ہے، دین کی خدمت کرنے والے علمائے کرام کے لئے کس قدر نرم ہے!

حضرت امیر المومنین دامت برکاتہم العالیہ، جن کے ساتھ بات کرنے کے لئے دنیا کا طاقتور میڈیا ترس رہا ہے، تین دن پہلے علماء کرام کے اس وفد کے ساتھ آدھ گھنٹے تک بے تکلفی سے باتیں کرتے رہے۔ وہ ملک جس پر سخت اقتصادی پابندیاں عائد ہیں، اس ملک نے ان علماء کرام کی کابل سے قندھار اور قندھار سے کابل واپسی کے لئے خصوصی طیاروں کا بندوبست کیا ہے۔ وہ ملک جہاں کے عوام کو اسلام کے جرم میں بھوکا مارنے کی کوشش کی جارہی ہے، اس ملک کے اہلکاروں نے علماء کرام کے لئے ہر کھانے پر ایسے دسترخوان سجائے کہ اگر کلنٹن دیکھ لے تو بدہضمی کا شکار ہوجائے۔ وہ ملک جہاں کے آزاد منش انسان دنیا کے بڑے بڑے نمرودوں اور فرعونوں کو گھاس نہیں ڈالتے، اس ملک کے صدر، فوجی رہنما اور وزراء ان علماء کرام کے ہاتھ چومتے اور ان کی جوتیاں سیدھی کرتے نظر آئے۔

آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟

کیا آج کی دنیا میں بھی ایسا ہوتا ہے کہ پانچ صوبوں کا گورنر ان فقیر صفت علماء کرام کے استقبال کے لئے چشم براہ نظر آتا ہے اور ملک کی فضائیہ کا سربراہ انہیں جہاز پر بٹھانے کے لئے خود دھوپ میں کھڑا رہتا ہے!! بتاؤ دنیا والو یہ سب کچھ کیا ہے؟ کیا اب بھی عمل جہاد کی عظمت اور اس کے ثمرات سمجھ نہیں آتے؟ بیشک یہ سب کچھ جہاد اور صرف شرعی جہاد کی برکات ہیں کہ آج افغانستان کے دروازے کفر کے لئے بند اور اسلام کے لئے کھلے ہیں۔ یہ جہاد کی برکات ہیں کہ افغانستان کی سرحدیں وہاں تک پھیل چکی ہیں جہاں تک تصور بھی کام نہیں کرتا۔ بے شک یہ جہاد کی برکات ہیں کہ افغانستان کی سرزمین مسلمانوں کے لئے ماں کی گود کی طرح پُرسکون اور محفوظ بن چکی ہے۔ بلکہ یہ سب جہاد کی برکات ہیں کہ افغانستان میں کفر کے طاغوتوں کی نہیں بلکہ چٹائی پر بیٹھنے والے سفید پوش علماء کرام کی عزت ہے۔ یہ جہاد کی برکات ہیں کہ ایک ہزار سے زائد دینی مدارس حکومت کی سرپرستی میں کام کررہے ہیں اور دنیا کو پیغام دے رہے ہیں کہ مدرسہ پھیل رہا ہے، مدرسہ طاقتور ہورہا ہے، جب کہ کفر اس کے مقابلے میں سمٹ رہا ہے۔

آج افغانستان کے ہر چپے پر جہاد کے ثمرات نظر آرہے ہیں۔ بازار خوش ہیں کہ ان سے گانے کی آوازیں نہیں آتیں، دکانیں خوش ہیں کہ ان میں بت نہیں بکتے، گلیاں خوش ہیں کہ وہاں پر فحاشی اور بے حیائی کے مناظر نہیں ہیں۔ سبحان اللہ! شہداء کرام کے خون کی طاقت دیکھئے کہ پورے افغانستان میں کوئی بے پردہ عورت یا داڑھی منڈانے والا مقامی فرد نظر نہیں آتا۔ چنانچہ زمین بھی خوش ہے کہ وہ قرآن اور ذکر

کے نور سے منور ہے اور شریعت کے نفاذ سے جگمگا رہی ہے، مساجد اپنی تعمیر اور آبادی پر فخر کررہی ہیں اور مکاتب سے اُٹھنے والی قرآنی صدائیں کفر کے ایوانوں کو لرزا رہی ہیں۔ کاش! مسلمان یہ سب کچھ دیکھیں اور غلامی کی عینک اُتار کر ان پُرنور اور غیرت سے معمور مناظر کا مشاہدہ کریں، تب ان شاء اللہ! جہاد سمجھ میں آجائے گا اور جب جہاد سمجھ میں آجائے گا تو ہمیں جینے کا سلیقہ بھی آجائے گا۔

والسلام

عظیم ترین نعمت

گذشتہ کالم میں جس نابغۂ روزگار شخصیت کا تذکرہ ہوا تھا، ان کے بارے میں آپ نے یہ خبر سن لی ہوگی کہ وہ جامِ شہادت نوش فرما چکے ہیں۔ افغانستان کے پورے سفر میں ان پر جو کیفیت طاری رہی وہ اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تیاری میں مگن ہیں۔ ساری زندگی انہوں نے جس دین کی خدمت کی تھی، اس دین کو انہوں نے افغانستان میں اپنی آنکھوں سے نافذ حالت میں دیکھا۔ وہ سچے اور پاکیزہ نظریات جن کی حفاظت کے لئے وہ ہمیشہ کمربستہ رہے، ان نظریات کی بلندی اور بالادستی بھی انہوں نے مشاہدہ فرمالی۔ یقیناً یہ سب کچھ ان کے لئے بے حد خوش کن اور باعث سکون تھا۔ ایک کسان جس نے کڑی دھوپ میں سخت مشقت کر کے ہل چلایا ہو، بیج بویا ہو، رات کی نیند قربان کر کے کھیتی کو پانی دیا ہو، اس کی سب سے بڑی تمنا یہی ہوتی ہے کہ وہ پکی کھیتی کو لہلہاتا ہوا دیکھ لے۔

حضرت اقدس، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ نے بچپن سے لے کر جوانی تک اور جوانی سے لے کر شہادت تک چٹائیوں پر بیٹھ کر دین پڑھایا، اسے لکھا، علماء کے درمیان اسے پھیلایا اور عوام کو سمجھایا اور انہوں نے سخت مشقت اور مجاہدات کر کے اس دین کی حفاظت کی محنت فرمائی اور صراطِ مستقیم کے گرد پہرہ دیا۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کے دفاع کے لئے ہمیشہ رات دن ایک کئے رکھا اور اسلامی نظریات کو الحاد اور بدعات سے بچانے کے لئے خون کو پانی کر دینے والی محنت فرمائی۔ انہوں نے ایک طرف تو مسندِ تدریس کو اعزاز بخشا تو دوسری طرف مسندِ تصنیف کی بھی

ہمیشہ لاج رکھی۔ ان کی زبان سے علم و معرفت کے خزانے بٹتے تھے، جبکہ ان کا قلم اپنے اندر موجوں کی روانی اور ستاروں کی بلندی رکھتا تھا۔ انہوں نے معرفت کے چشمے سے جاموں کے جام لنڈھائے اور پھر تاحیات تشنہ لبوں کو سیراب فرماتے رہے۔ انہوں نے سنت کی حفاظت کا عزم کر کے پہلے خود کو راہِ سنت پر ڈالا اور پھر بہت سارے بھٹکے ہوئے لوگوں کی اس طرف رہنمائی فرمائی۔ وہ کئی کئی پہر کتابوں کے سمندر میں غوطہ زن رہتے تھے اور جب نکلتے تھے تو ان کا دامن منور موتیوں سے بھرا ہوا ہوتا تھا اور پھر ان کا قلم ان موتیوں کو نہایت دیدہ زیب طریقے سے ایک لڑی میں پرو دیتا تھا۔

حضرت اقدس شہید وفا کے پکے تھے، انہیں حضرت بنوری رحمہ اللہ نے جس کام پر لگایا وہ اسی پر لگے رہے۔ دل ہلا دینے والی آزمائشیں اور دل بہلا دینے والی پیشکشیں انہیں اس مسند سے نہ ہٹا سکیں۔ آپ کی تحریر دل نشین اور دلائل نہایت وزنی تھے۔ چنانچہ آپ نے جس موضوع پر قلم اُٹھایا اس کا حق ادا کرنے میں کسر نہیں چھوڑی۔ علوم نبوت کی خدمت اور ختم نبوت کے تحفظ جیسی سعادت اور شہادت جیسی عظیم نعمتیں آپ کے حصے میں آئیں۔ غالباً یہ آپ کے اخلاص کا صلہ تھا۔ چنانچہ آپ کی سعادتوں کا تو یہ عالم رہا کہ آپ کو حضرت مولانا علامہ خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کی شاگردی اور خصوصی شفقت، حضرت اقدس، مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی نگرانی اور تربیت، حضرت شیخ الحدیث، مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ کی خلافت اور حضرت اقدس، ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ کی نظرِ عنایت نصیب ہوئی اور آپ نے ان اکابر سے فیض حاصل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آپ اپنے اکابر کے دیوانے عاشق تھے۔ چنانچہ جب بھی آپ حضرات اکابر کا تذکرہ چھیڑتے تو نطق زبان کے بوسے لیتا تھا اور آپ کی آنکھوں میں ایک خاص چمک پیدا ہو جاتی تھی۔ یہ بھی آپ کی سعادتوں میں شامل ہے کہ آپ جامعہ بنوری ٹاؤن کے استاذ حدیث، مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی نائب امیر، ماہنامہ بینات کے مدیر، اقرأ اسلامی صفحہ (جنگ اخبار) میں ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' نامی سلسلے کے بانی و نگران اور مجاہدین کی عملی تنظیم جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سرپرست اعلیٰ تھے۔

آپ ہر میدان میں نہایت پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس میدان کی بلندی تک جا پہنچتے تھے۔ ابھی چند ہفتے قبل آپ نے بھی جہاد میں شرکت کا عزم فرمایا۔ ''بیعت علی الجہاد'' کے طریقے کو زندہ فرمایا اور فوراً افغانستان تشریف لے جا کر عملی جہاد میں شرکت فرمائی اور پھر جہاد

کے بلند ترین مقام یعنی شہادت تک کو پالیا۔

آپ کی تصنیفات اور دیگر علمی اور دینی خدمات کا اگر بغور مشاہدہ کیا جائے تو بے ساختہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ نے دین کی خدمت میں خود کو خوب تھکایا، اور دین کی خدمت کا حق ادا فرمایا، تبھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخرت کی نعمتوں سے پہلے اس زندگی کی سب سے عظیم نعمت یعنی شہادت عطاء فرمادی۔ یقیناً یہ عظیم نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عطاء فرمایا کرتا ہے۔ ایک صحابی نے جب یہ دعاء فرمائی کہ یا اللہ! مجھے تو وہ افضل ترین نعمت عطاء فرما جو تو اپنے صالح بندوں کو عطاء فرماتا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’تب تو تمہارے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دی جائیں گی اور تمہارا خون بہادیا جائے گا۔‘‘ سبحان اللہ! یہی معاملہ حضرت اقدس کے ساتھ ہوا، آپ کی سواری کو بھی نقصان پہنچا اور آپ کی گردن اور سینے کے خون سے آپ کا پورا جسم گلگوں ہوگیا۔ یہ وہ افضل ترین انعام تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مردِ جلیل بندے کے لئے منتخب فرمایا تھا۔

حضرت اقدس ایک قابلِ تقلید ایمانی زندگی گذار کر ہنستے مسکراتے شہید ہوگئے اور یوں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خاص زندگی، اپنی مہمان نوازی، ملائکہ کا استقبال اور عظیم سعادت عطاء فرمادی ہے اور وہ سودا پکا ہوگیا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے ساتھ فرماتا ہے اور اپنی رضا اور جنت کے بدلے ان کی جانوں کا خریدار بن جاتا ہے۔

حضرت اقدس تو بہت اونچا مقام پاگئے، لیکن اس حکومت کا کیا ہوگا جو اس طرح کی عظیم ہستیوں کی حفاظت سے غافل رہتی ہے؟ ان ظالموں کا کیا ہوگا جنہوں نے حضرت پر گولیاں چلا کر اپنی شقاوت اور بدبختی پر آخری مہر ثبت کردی؟ یقیناً حضرت کا خون رائیگاں نہیں جائے گا اور نہ ہی اسلام دشمن طاقتیں اس قدر بڑے خون کو ہضم کرسکیں گی۔ اسلام دشمن طاقتیں آج اس واقعے پر خوش ہیں، لیکن ان کی یہ خوشی ان شاء اللہ! عارضی ثابت ہوگی اور اس خون کا ہر قطرہ موت بن کر کفر کے ایوانوں پر گرے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ عظیم قربانی مسلمانوں میں نیا جذبہ اور ایمانی ولولہ پیدا کرے گی اور کافروں کو ہر لمحہ یہ بات یاد دلائے گی کہ شہید زندہ ہوتا ہے اور اس کی زندگی کفر کی موت کا پیغام بنتی ہے۔

حضرت اقدس کی شہادت جیشِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بہت بڑا دھچکا ہے، لیکن جہاد نے تو بہر حال جاری رہنا ہے اور اس طرح کے کاموں میں ایسے ہی دردناک صدمے برداشت کرنے پڑتے

ہیں۔ آج ہمارے دل زخمی ہیں اور ہم زخمی دلوں کے ساتھ اس بات کا عہد کررہے ہیں کہ ان شاء اللہ! ہم جہاد کے ان پُرخار راستوں پر چلتے ہوئے یا تو عظمتِ اسلام کی منزل تک پہنچیں گے یا حضرت کی طرح گلستانِ شہادت تک پہنچنے کی جدوجہد کرتے رہیں گے۔ یا اللہ! ہمارے مجروح دلوں کو صبر عطاء فرما اور ہمیں جہاد کی زندگی اور شہادت کی موت سے محروم نہ فرما۔

تیروں کا مقابلہ کیسے؟

اسلام دشمن قوتوں نے اپنا سب سے بڑا ہدف جہاد اور مجاہدین کو بنایا ہوا ہے۔ وہ جہاد کے نام اور مجاہدین کے وجود کو مٹانا چاہتی ہیں۔ اس کام کے لئے انہوں نے بڑے بڑے ادارے قائم کردیے ہیں اور وہ ہر دن نئی حکمت عملی کے تحت طرح طرح کے اقدامات کرتے ہیں۔ چند دن پہلے امارت اسلامیہ افغانستان کے حساس اداروں نے امریکہ اور اسرائیل کے لئے کام کرنے والے بعض جاسوسوں کو گرفتار کیا ہے۔ پاکستان کے کئی اخبارات میں ان جاسوسوں کی تصاویر اور تفصیلات شائع ہو چکی ہیں۔

امریکا کے بعد اب روس بھی افغانستان پر حملے کی دھمکیاں دے رہا ہے، کشمیر کی تحریک آزادی بھی اسلام دشمن عناصر کی آنکھوں میں بری طرح کھٹک رہی ہے، چیچن جانبازوں کے خاتمے کے لئے دنیا کے مختلف اسلام دشمن ممالک ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون کر رہے ہیں، فلسطین کی تحریک آزادی کو کچلنے کے لئے اعلیٰ سطح کی عسکری اور سفارتی کوششیں جاری ہیں اور ان کوششوں کا دائرۂ کار تمام عرب ممالک تک پھیلا دیا گیا ہے، تاکہ عربی مسلمانوں کو جہاد سے دور رکھنے اور غلام بنائے رکھنے کا عمل مضبوطی سے جاری رہے۔ ساری دنیا میں جہادی تقاریر اور جہادی تحریروں پر پابندی لگائی جا رہی ہے۔ مجاہدین کے ساتھ تعلق رکھنا بھی ایک جرم قرار دیا جا رہا ہے اور ایسے اقدامات کئے جا رہے ہیں جن کے خوف سے خود مسلمان جہاد سے ڈرنے اور گھبرانے لگیں اور وہ مجاہدین کو اپنے دین اور دنیا دونوں کے لئے خطرہ سمجھنے لگیں۔

ظاہری طور پر اگر دیکھا جائے تو جہاد اور مجاہدین کے خلاف ہر طرف ایک پُرعزم اور مضبوط تحریک

نظر آرہی ہے، عین حقیقت اس کے خلاف ہے اور جہاد کے مخالفین سخت خوف، بے چینی اور پریشانی کا شکار ہیں اور ان کی ہر تدبیر الٹی ہو رہی ہے۔ وہ بظاہر پُرعزم نظر آرہے ہیں لیکن حقیقت میں ان کے اوسان خطا ہیں اور ان کی ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔ چنانچہ ان کی بھرپور کوششوں کے باوجود الحمدللہ! امارت اسلامی افغانستان پہلے سے زیادہ مضبوط ہو رہی ہے، آزادیٔ کشمیر کی اسلامی تحریک میں بھی ایک نئی قوت اور جان نظر آرہی ہے، چیچن مجاہدین کے حملے بھی تیز تر ہوتے جا رہے ہیں اور فلسطین میں مسجد اقصیٰ کے محافظین کا حوصلہ بھی بلند ہے۔

ان حالات میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مسلمان جہاد اور مجاہدین کے ساتھ اپنے تعلق کو مزید مضبوط بنائیں اور کافروں کے پروپیگنڈے اور چالوں سے متاثر نہ ہوں۔ لڑائی میں حوصلہ بہت بڑا ہتھیار ہوتا ہے اور اسلام دشمنوں کا پہلے دن سے یہ طریقہ کار رہا ہے کہ طرح طرح کی جھوٹی باتیں پھیلا کر مسلمانوں کے حوصلے کو کمزور اور ہمت کو پست کردیں۔ آج سے ساڑھے چھ سال پہلے جب میں گرفتار ہوا تھا تو ابتدائی چند ماہ کافروں کی یہی کوشش رہی کہ میرا اور میرے ساتھیوں کا حوصلہ توڑ دیا جائے۔ چنانچہ ہمیں تاریک سیلوں میں رکھا گیا، خبریں سننے اور اخبار پڑھنے کی سہولت سے محروم کردیا گیا، کافروں کی ایک خاص ایجنسی کے افراد دن رات ہمارے پاس آتے اور ہمیں ایسی جھوٹی خبریں سناتے جنہیں سن کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ دنیا سے جہاد اور مجاہدین کا خاتمہ ہو چکا ہے اور ہر طرف کفر چھا چکا ہے۔ ہمیں بتایا جاتا تھا کہ تحریکِ کشمیر کی کمر ٹوٹ چکی ہے، مجاہدین آپس میں لڑ پڑے ہیں، بڑے بڑے نامور کمانڈر اپنے ہتھیار پھینک کر گرفتاری دے رہے ہیں، پاکستان کے حالات بے حد خراب ہیں، اسلام آباد کے مکینوں کو پینے کا پانی تک میسر نہیں رہا وغیرہ وغیرہ۔

انسان کی فطرت ہے کہ وہ ایسے حالات سن کر مایوس ہو جاتا ہے اور ہر طرف شکست کا منظر دیکھ کر گوشۂ عافیت تلاش کرتا ہے، لیکن ہمارے پاس الحمدللہ! قرآن مجید موجود تھا جو کافروں کے ہر حکم کا جواب دیتا تھا اور ہمیں یہ بات سمجھاتا تھا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور ہمیں تو اپنا کام جاری رکھنا ہے، حالات خواہ بدر والے ہوں یا اُحد والے، حنین کی صورت حال پیدا ہو جائے یا حدیبیہ والی، لاکھوں کروڑوں افراد ساتھ ہوں یا اکیلے رہ جائیں۔ قرآن مجید بتاتا تھا کہ قتل کرنے کی طرح قتل ہونا بھی کامیابی ہے اور ابھرنے کی طرح مٹ جانا بھی اسلام کی عظمت کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ الحمدللہ! ہمارا حوصلہ برقرار رہا۔ اب رہائی کے بعد

جو حالات سامنے آرہے ہیں وہ بھی جیل کی خبروں سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ بی بی سی والے ہمیں صرف مایوس کرنے والی خبریں سناتے ہیں اور یہی حال دوسری خبری اداروں کا ہے۔ دنیا کے کافروں نے میڈیا پر قبضہ کر رکھا ہے اور وہ مسلمانوں میں مایوسی پھیلانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔

ان حالات میں ہمیں قرآن مجید سے سبق لینا چاہیے۔ آج اگر یہ بات پھیلائی جارہی ہے کہ حضرت اقدس، مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کو اس لئے شہید کردیا گیا ہے کہ ان کا آخری دنوں میں مجاہدین کے ساتھ تعلق بہت بڑھ گیا تھا اور انہوں نے مجاہدین کی کھلم کھلا تائید فرماتے ہوئے افغانستان کا دورہ بھی کیا تھا تو اس بات کا ہم پر یہ اثر نہیں ہونا چاہئے کہ ہم موت کے ڈر سے مجاہدین اور جہاد سے اپنے تعلق کو کمزور کردیں اور کافروں کو بتاتے پھریں کہ ہمیں نہ مارنا! ہمارا تو جہاد اور مجاہدین سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ہم پر تو ان باتوں کا یہ اثر ہونا چاہئے کہ حضرت اقدس ناکام تو نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے تو کامیابی کی معراج کو پالیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادتِ عظمیٰ جیسی نعمت عطاء فرمائی ہے۔ یہ نعمت اگر جہاد کی وجہ سے ملتی ہے تو ہم بھی حضرت اقدس کی طرح جہاد کے متوالے اور شیدائی بنیں گے تاکہ اللہ کے دشمنوں پر رعب طاری ہو اور ہمیں بھی اسلام دشمن عناصر کے خلاف کھڑے ہونے کا اجر اور موقع ملے حضرت اقدس نے تو عظیم کامیابی حاصل کی ہے اور ان کا خون ہمیں جہاد پر کھڑا کرنے کی دعوت دیتا ہے، جہاد سے بھاگنے کی نہیں۔ چنانچہ ہم جہاد کے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ مخلص ہوجائیں اور جس طرح کافروں نے جہاد کو اپنا سب سے بڑا ہدف بنایا ہوا ہے اس کے بالمقابل ہم بھی جہاد کو اللہ کی رضا اور کامیابی حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھ لیں۔

یاد رکھیں! جب کافروں کی فوج مسلمانوں کے سامنے آجائے تو پھر جہاد فرض عین ہوجاتا ہے۔ اس وقت کافروں نے جہاد کے خلاف اپنی فوجیں کھڑی کردی ہیں۔ اب ہمارا کام جہاد سے بھاگنا نہیں ہے بلکہ ہمیں بھی جہاد اور مجاہدین کے دفاع کیلئے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کردینی چاہئیں۔ آج اگر کافر جہاد کو مٹانا چاہتے ہیں تو ہم سب مل کر جہاد کو بچائیں اور کافروں کو اس میدان میں بھی ذلیل و رسوا کر کے یہ پیغام سنادیں کہ جہاد ایک اسلامی فریضہ ہے اور ہم کسی کے خوف یا ڈر سے اس فریضے سے شوشہ برابر دستبردار نہیں ہوسکتے۔

آخر میں ان مسلمانوں سے گذارش ہے جو کافروں کے اقدامات کے خوف سے جہاد اور مجاہدین

سے دوری رکھتے ہیں۔ اے مسلمان بھائیو! کفر اور اسلام کی جنگ شروع ہوچکی ہے۔ اس وقت اگرچہ ظاہری طور پر صرف مجاہدین کافروں کا نشانہ ہیں لیکن حقیقت میں وہ اسلام اور تمام مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ مجاہدین ان کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، اس لئے پہلے وہ انہیں ختم کرنا چاہتے ہیں اور ان کے بعد وہ دوسرے مسلمانوں پر ہاتھ صاف کریں گے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہی مسلمان مائیں مجاہدین بچوں کو جنم دیتی ہیں، اس لئے جب تک اس بیج کو ہی ختم نہیں کردیا جائے گا اس وقت تک ان کے عزائم پورے نہیں ہوسکتے۔

اے مسلمان بھائیو! کافروں کے تیروں کا ہمیں مقابلہ کرنا ہی ہے، چاہے اپنے سینے کے ذریعے سے کریں یا پیٹھ کے ذریعے، لیکن یاد رکھئے! جو مسلمان اپنے سینے تان کر کافروں کے تیروں کو سہتے ہیں وہ اللہ کے ہاں بھی مقرب ہوتے ہیں اور ان کی نسل بھی باقی رہتی ہے، لیکن جو مسلمان اپنی پیٹھ پر تیر کھاتے ہیں وہ خود کو بھی رسوا کرتے ہیں اور اسلام کو بھی۔ تاتاریوں کے مقابلے میں جن مسلمانوں نے اپنا سینہ سامنے کیا تھا، ان میں سے کچھ شہید ہوئے اور کچھ اپنے ایمان سمیت محفوظ رہے، لیکن وہ جنہوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیے تھے اور جو خود کو امن پسند دکھا کر تاتاریوں سے زندگی کی بھیک مانگ رہے تھے، ان کا یہ حشر ہوا کہ ایک ایک تاتاری نے کئی کئی سو افراد کو بکریوں کی طرح کاٹ ڈالا اور امن پسندی کا لبادہ بھی انہیں نہ بچاسکا۔ افغان قوم نے روسی تیروں کا مقابلہ اپنے سینوں کے ساتھ کیا تو پوری قوم اور اسکا ایمان بچ گیا، بلکہ اور مضبوط ہوگیا، لیکن وسط ایشیا کی ریاستوں کے بہت سارے لوگوں نے پیٹھ دکھائی اور خود کو امن پسند ظاہر کرنے کیلئے جہاد کو اتار پھینکا، یہ لوگ نہ ہی خود کو اور نہ اپنی نسل کے ایمان کو محفوظ رکھ سکے۔ آج ان کی بیٹیاں بازاروں میں فروخت کی جاتی ہیں۔

اے مسلمان بھائیو! موت کا وقت مقرر ہے، ذلت کے ساتھ آئے یا عزت کے ساتھ، اس نے اپنے وقت پر آجانا ہے۔ پھر کیوں ہم جہاد اور مجاہدین سے دوری اختیار کر کے کافروں سے زندگی کی بھیک مانگیں؟ ہمیں تو کافروں کی تیاری دیکھ کر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح ایمان کی بلندیوں پر پہنچ کر یہ اعلان کردینا چاہئے:

"حسبنا اللہ ونعم الوکیل، نعم المولیٰ ونعم النصیر۔"

"اللہ ہمارے لئے کافی ہے، وہی ہمارا سب کچھ ہے۔"

ہم اگر اپنی زندگیاں، اپنی مساجد اور اپنے دینی کام بچانے کے لئے جہاد کے فریضے سے منہ موڑتے رہے تو یقین جانئے! کچھ بھی نہیں بچے گا۔

آج مسلمانوں کی مثال بکریوں کے اس ریوڑ جیسی ہے۔ جس میں چند طاقتور اور سر پھرے بکروں کی وجہ سے بھیڑیا اس ریوڑ کو ہڑپ نہیں کرسکتا، تب بھیڑیا لومڑی کے ذریعہ بکریوں کو ان چند بکروں سے بدظن کرتا ہے اور انہیں سمجھاتا ہے کہ انہیں بکروں کی وجہ سے تم پر ساری مشکلات ہیں۔ اگر تم خود کو ان سے الگ کرلو تو جنگل اور اس کی گھاس سب کچھ تمہارا ہوگا۔ اب اگر بکریاں بیوقوفی کریں اور ان بکروں کو خود سے الگ کردیں تو سب جانتے ہیں ان بکروں اور پورے ریوڑ کا انجام کیا ہوگا؟ آج کے مسلمانوں کو بھی سمجھایا جارہا ہے کہ تمہاری تنگ دستی اور مشکلات کا سبب یہ چند مجاہدین ہیں۔ تم لوگ جہاد اور مجاہدین سے چھٹکارا پالو تو دنیا میں تمہاری ترقی کے تمام دروازے کھل جائیں گے۔

کاش! مسلمان اس سازش کو سمجھیں اور ماضی کی طرف نظر دوڑا کر یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے کردار کو دیکھیں کہ انہوں نے اسپین سمیت مختلف مقامات پر مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا تھا؟ مسلمانوں کو چاہئے کہ قرآن مجید سے روشنی حاصل کریں اور قرآن مجید پر اعتبار کرکے اس کی روشنی میں یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے اصل چہرے اور مکروہ عزائم کو پہچانیں۔ غور کیجئے! کس قدر دکھ کی بات ہے کہ آج کے بہت سارے مسلمان امریکا اور یورپ کی جھوٹی باتوں کا اعتبار کرتے ہیں لیکن قرآن مجید کے محکم اصولوں کو نہیں مانتے۔ قرآن مجید ہمیں بتا رہا ہے کہ جب تک ہم مسلمان ہیں اس وقت تک یہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین ہمارے دوست نہیں ہوسکتے اور نہ یہ ہم سے راضی ہوسکتے ہیں۔ جب یہ حقیقت ہے تو پھر جہاد کو چھپانے اور مجاہدین سے اعلان براءت کرنے سے کیا ہوگا؟ وقتی طور پر کافر اپنا اطمینان ظاہر کریں گے لیکن ان کے دل تمام مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہیں گے۔

آخر میں پھر عرض کرتا ہوں کہ اے مسلمان بھائیو! جرأت، ہمت اور غیرت سے کام لو۔ کافر ہر مسلمان کا دشمن ہے، اس لئے آفاق شہید کی طرح اس کا مقابلہ سینے سے کرو، پیٹھ سے نہیں اور یہ ایمان افروز اعلان کردو۔

دشمن سے کہو اپنا ترکش چاہے تو دوبارہ بھرلائے
اس سمت ہزاروں سینے ہیں اُس سمت اگر ہیں تیر بہت

دل کی تنگی سے نجات

انسان عام طور سے تنگ دل بھی ہے اور تنگ نظر بھی۔ چنانچہ دعاء مانگنے میں بھی تنگی سے کام لیتا ہے اور مالک کی طاقت کو بھول جاتا ہے۔ نیکیاں کرنے میں بھی تنگ دلی برتتا ہے حالانکہ اس کا کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا، نہ کچھ ضائع ہوتا ہے۔ دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ انسان سوچتا ہے کہ اگر میں نے اپنے قیمتی اوقات میں دوسروں کے لئے دعاء کرلی تو میرے اپنے مسائل رہ جائیں گے۔ حالانکہ مالک کے ہاں نظام کچھ اور ہے۔ وہاں تو ہر معاملے میں ایثار (یعنی دوسروں کو خود پر ترجیح دینے) کی قدر ہے۔ اپنے لئے مانگنے والے کو ملے یا نہ ملے، دوسروں کے لئے مانگنے والوں کو عام طور سے ضرور مل جاتا ہے کیونکہ ان کے لئے پاک فرشتے دعاء کرتے ہیں، لیکن دوسروں کے لئے مانگنا ہمت والوں کا کام ہے، یقین والوں کا وظیفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ ہمت اور یقین ہم سب مسلمانوں کو عطاء فرمائے۔

دعاء سے بڑھ کر نیکیوں کا معاملہ ہے، جو شخص جس قدر نیکیوں کا عزم اور حوصلہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اسی قدر توفیق اور اسباب عطاء فرماتا ہے۔ کون شخص ہے جو ماں کے پیٹ سے کچھ لے کر آتا ہے؟ یقیناً ہر انسان خالی ہاتھ آتا ہے اور پھر خالی ہاتھ اس دنیا سے چلا جاتا ہے، مگر جو شخص اپنے دل کی تنگی سے نجات پالیتا ہے اور پھر خیر کے راستوں کو تلاش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ بھر دیتا ہے اور اس کے دل کو کھول دیتا ہے۔ اس سے خیر کے ایسے کام لیتا ہے کہ جنت کے دروازے بھی اس کی

آمد کے مشتاق رہتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس کون سے خاندانی خزانے تھے؟ لیکن ان حضرات نے دل کی تنگی سے نجات پائی اور اس بات کا عزم فرمالیا کہ خیر کے ہر کام میں بھرپور حصہ ڈالیں گے۔ پھر کیا تھا؟ زمین وآسمان کے دروازے ان کے لئے کھل گئے اور انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی خدمت کا شرفِ عظیم بھی حاصل ہوا اور ساتھ ساتھ جہاد، یتیموں، بیواؤں کی کفالت، بھوکوں کو کھانا کھلانے اور دین ودنیا کے ہر شعبے میں مال لٹانے کا اعزاز بھی ملا۔ ان کا دل کھلا تو ان پر اللہ تعالیٰ کے خزانے بھی کھل گئے۔

سوچئے! یہ سارا مال ان کے پاس کہاں سے آیا تھا؟ وہ تو رات بھر عبادت میں اور دن بھر دین اور جہاد کی خدمت میں لگے رہتے تھے، لیکن انہوں نے ہر خیر میں حصہ ڈالنے کی نیت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نیت سے بڑھ کر انہیں عطاء فرمایا۔ اس کے برعکس یہودیوں اور ان کے راستے پر چلنے والے بخیلوں کا حال دیکھیں کہ دل کی تنگی اور سختی کی وجہ سے انہیں پوری زندگی کسی کو پانی کا ایک گھونٹ پلانے کی بھی توفیق نہیں ملتی۔ خیر کے راستے انہیں اپنی طرف بلاتے ہیں، لیکن وہ اپنے دل کی تنگی میں گھٹ کر رہ جاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اگر ہم نے مال خرچ کیا تو وہ کم ہو جائے گا، ختم ہو جائے گا اور ہماری اولاد بھوکی مر جائے گی، چنانچہ ان کا مال ان کے لئے تکلیف دہ سانپ کے علاوہ اور کچھ نہیں بنتا۔ ایسا سانپ جو دنیا میں انہیں تھکاتا ہے اور پریشان کرتا ہے اور آخرت میں انہیں ڈسے گا اور ان کے لئے ایسا بوجھ ثابت ہوگا جو انہیں دوزخ کی گہرائیوں میں اتار دے گا۔ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ دینے والوں کو کبھی کمی یا نقصان کا سامنا نہیں ہوتا اور مال روکنے والے ہمیشہ روتے نظر آتے ہیں۔ بعض لوگوں کے پاس کروڑوں روپے ہوتے ہیں لیکن انہیں حج کرنے اور زکوٰۃ دینے میں بھی تکلیف ہوتی ہے، جبکہ بعض غریب لوگ ہر سال حج کرآتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں پھر عطاء فرمادیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو جیسا سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہے۔ آج ایسے لوگ بھی زندہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے جہاد میں خرچ کرنے کی توفیق بھی عطاء فرمائی ہوئی ہے، وہ مساجد بھی بنارہے ہیں، مدارس کو بھی دے رہے ہیں، حج بھی کررہے ہیں، زکوٰۃ کی مقدار سے بڑھ کر صدقات بھی لٹاتے ہیں، دین کی خدمت کرنے والوں کی خدمت بھی کرتے ہیں، یتیموں اور بیواؤں کی

کفالت بھی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ دیتا جارہا ہے اور ان کے مال میں کسی طرح کی کمی نظر نہیں آرہی۔ یہ وہ خوش قسمت افراد ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کو پیار ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں سے اپنا مال تقسیم کرواتا ہے اور ان کو درمیانی واسطہ بنا کر عظیم اجر وثواب کا مستحق بناتا ہے۔ آج ایسے لوگ بھی زندہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اور ان کے مال کو ان کے لئے زہریلا سانپ اور دہکتا انگارہ بنادیا ہے۔ چنانچہ خیر کے کسی کام میں ان کے ہاتھوں سے ایک کوڑی خرچ نہیں ہوتی، وہ دل کی تنگی میں مبتلا ہوکر اس مال کے پہرے دار بنے بیٹھے ہیں جو مال ان کے عذاب کا ذریعہ ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو پھر کیوں نہ ہم خود کو ان لوگوں میں شامل کریں جو دل کی تنگی سے نجات پاکر رحمتِ خداوندی کے مستحق بنتے ہیں۔ جب دنیا بھی رب نے دی ہے اور وہ دینے والوں سے خوش بھی ہوتا ہے اور دینے والوں کو نقد بدلہ بھی دیتا ہے تو پھر ہم کیوں اپنا دل تنگ رکھیں؟ آج اگر جہاد میں خرچ کرنے کی ضرورت ہے تو ہم بے دھڑک نیت کرلیں اور اسی دوران اگر یہ تقاضا آجاتا ہے کہ ہم نے بلوچستان کے قحط زدہ مسلمانوں کی مدد کرنی ہے تو ہم اپنی جیب کو نہیں، رب کے خزانوں کو دیکھ کر اس کی بھی نیت کرلیں۔ ہم وہ سب کچھ لٹاتے رہیں جو مالک نے دیا ہے، کیونکہ ہمیں یقین ہونا چاہئے کہ آسمان کے فرشتے یہ دعاء کررہے ہیں:

''اے اللہ! خرچ کرنے والوں کو بہترین بدلہ عطاء فرما اور روکنے والوں کے مال کو تلف (ہلاک) فرما۔''

ایک عارف نے کیا خوب کہا ہے:

''اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ کہاں گوارا کرتی ہے کہ بندے اسے نقد دیں اور وہ صرف قیامت کے اجر کے ادھار پر ٹالتا رہے۔''

یعنی وہ قیامت کے دن تو بہت بڑھا چڑھا کر دے گا کیونکہ اس دن اس کی رحمت جوبن پر ہوگی، لیکن وہ دنیا میں بھی دیتا ہے کیونکہ وہ کریم ہے اور یہی اس کے کرم کا تقاضا ہے۔ ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے رب کو پہچانیں اور اس کی عظمت اور اس کے فضل کو جانیں اور خیر کے کاموں میں تنگی اور بخل سے کام نہ لیں اور اس بات کو بھی سمجھیں کہ خیر کا کوئی کام کرنے سے خیر کے دوسرے کاموں کو نقصان نہیں پہنچ سکتا، بشرطیکہ نیت درست اور دل کھلا ہو۔ جہاد بھی اللہ کا کام ہے، غریبوں اور مسکینوں کی کفالت بھی اس کا کام

ہے اور مدارس ومساجد کی آبادی بھی اس کا کام ہے اور مصیبت زدہ انسانوں کو راحت پہنچانا بھی اس کا کام ہے۔ یہ سارے کام اس وقت تک چلتے رہیں گے جب تک قیامت نہیں آجاتی۔ ہم نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ کچھ اور لوگوں سے کرالے گا، ہم پیچھے ہٹیں گے تو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کو آگے لے آئے گا۔

ہمارے بخل کرنے اور تنگ دلی کا مظاہرہ کرنے سے نہ تو جہاد بند ہوگا، نہ مدارس ویران ہوں گے اور نہ ہی مخلوق کے لئے کئے جانے والے رفاہی کام بند ہوں گے۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی سے لیتا رہے گا۔ پھر کیوں نہ ہم دعاء کے لئے ہاتھ پھیلا دیں اور عرض کریں:

''اے اللہ! جب آپ نے خیر کے ان تمام کاموں کو جاری رکھنا ہے اور کسی نہ کسی سے یہ کام لینے ہیں تو آپ ہمیں ہی ان کاموں کے لئے منتخب فرمالیجئے اور ہمارے دل کی تنگی کو دور فرما دیجئے اور یہ خیر کے سارے کام ہم سے لے لیجئے۔ ہم حاضر ہیں۔ اے اللہ! ہماری جان حاضر ہے، ہمارا مال حاضر ہے۔ آپ خیر کے تمام دروازے ہم پر کھول دیجئے اور نیکی کے تمام کام کرنے کا حوصلہ ہمیں عطاء فرما دیجئے۔ اے اللہ! ساری مخلوق کو ہم سے فائدہ پہنچا دیجئے اور ہمیں ان بادلوں کی طرح بنا دیجئے جن کے فیض سے لاکھوں زندگیاں سیراب ہوتی ہیں۔ اے اللہ! آپ ہمیں خیر کا ذریعہ اور واسطہ بنا دیجئے تاکہ ہم مظلوموں کی مدد کر سکیں اور بے سہارا لوگوں کو راحت پہنچا سکیں۔ یا اللہ! ہمیں اسلام کے غلبے کے لئے جہاد اور شہادت کی نعمت سے بھی سرفراز فرما اور دکھی انسانیت کی فلاح کے لئے خدمت کا جذبہ بھی عطاء فرما۔ اے اللہ! ہمیں اپنا بنالے اور ہم سے اپنے کام لے لے۔'' آمین ثم آمین۔

قافلے رواں دواں

آزاد کشمیر کے حالیہ سفر کے دوران میں باغ کی معروف دینی درسگاہ ''تعلیم القرآن'' میں تھا کہ مجھے بتایا گیا کہ مجاہدین کا ایک گروپ مقبوضہ کشمیر جانے کیلئے تیار ہے اور مجاہدین آپ سے مصافحہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ صرف مصافحہ نہیں بلکہ میں تو کچھ دیر ان اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھوں گا اور ان کی زیارت کے ساتھ ساتھ ان سے گفتگو کا شرف بھی حاصل کروں گا۔ تھوڑی دیر میں خوش قسمت مسلمانوں کی ایک جماعت کمرے میں داخل ہوئی اور نہایت نظم وضبط کے ساتھ قطار بنا کر مجھ سے مصافحہ اور معانقہ کرنے لگی۔ معانقے کے بعد میں نے ان سے بیٹھنے کی درخواست کی، وہ سب بیٹھ گئے۔ میں نے جب ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو ان کی آنکھوں میں محبت کے موتی چھلک رہے تھے۔ وہ نہایت اشتیاق سے مجھے اس لئے دیکھ رہے تھے کہ میں ان سے کچھ باتیں کروں۔

مگر میرے دل میں اٹھنے والے جذبات وکیفیات کے طوفان نے میری زبان کو خاموش کر رکھا تھا۔ میں نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھتا تو وہ مجھے بہت عظیم نظر آتے اور میں ان کے سامنے خود کو حقیر محسوس کرتا۔ میری ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ میں ایسے لوگوں کو خطاب کروں جن کا خریدار اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس میدان جہاد کیلئے چن لیا ہے جس میدان کی تمنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ بالآخر میں نے اپنی اندرونی کیفیات پر قابو پانے کی کوشش کی اور ان بھائیوں سے کہا:

''مجھے آپ پر رشک آرہا ہے۔ کاش! آج میں آپ کی جگہ ہوتا اور میں بھی شام تک دشمن کے

علاقے میں داخل ہوکر اپنے اسلحے اور اپنے خون سے جہاد کی شمع روشن کرتا۔ کاش! مجھ پر یہ ذمہ داری نہ ہوتی اور میں بھی آپ کی طرح آج میدانوں کا رخ کرسکتا۔ میرے مجاہد بھائیو! یہ عظیم راستہ ہے۔ ایسا راستہ جس کی خاطر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کو گوارا کیا۔ عزیز بھائیو! اللہ تعالیٰ کی نظر محبت آپ لوگوں کو نصیب ہوئی تبھی آپ کا نمبر لگا ہے اور آپ کو وہ راستہ مل گیا ہے جو سیدھا جنت اور عظمت کی طرف جارہا ہے''۔

میں نے ان مجاہدین سے درخواست کی کہ آپس میں ایثار کے ساتھ رہیں تاکہ دوسرے کو پانی دیکر خود شہادت کا شربت پینے کا طریقہ زندہ رہے۔ آپس میں اختلاف نہ کریں بلکہ محبت کی نئی تاریخ رقم کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر فضل فرمایا ہے کہ اپنے دین کے تحفظ کیلئے کروڑوں افراد میں سے آپ کو چنا ہے، حالانکہ آج کروڑوں مسلمان اس بات سے محروم ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے دین کا کام لے، ان کی زندگی غلیظ دنیا کمانے میں ضائع ہورہی ہے اور ان میں سے بہت ساروں کی راتیں سینماؤں کی گندی اور جھوٹی فضا کی نذر ہورہی ہیں۔

مبارک ہو میرے یارو! تمہیں مبارک ہو! اللہ تعالیٰ نہ تمہارا محتاج ہے نہ ہمارا، مگر یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمہیں چن لیا ہے، تمہیں پسند فرمایا ہے۔ بس جب مالک نے تم پر اتنی مہربانی فرمادی ہے تو اس کی نافرمانی کا تصور بھی نہ کرنا اور کسی گناہ کے قریب بھی نہ جانا، بلکہ جہاد کی عظمت اور اللہ کی رحمت کو سمجھتے ہوئے گناہوں کی دلدل سے بہت اونچے رہنا۔ آخر میں میں نے ان بچوں سے التجا کی کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں شہادت کی نعمت عطاء فرمادیں تو پھر مجھ ناکارہ کی بھی شفاعت کرنا۔ یہ بات سن کر وہ بانکے نوجوان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ آخر میں دعاء ہوئی۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے ان سب کی سلامتی اور کامیابی کی التجاء کی اور پھر وہ مجھ سے دوبارہ ملنے لگے۔ اس قدر روحانی محبت کے ساتھ کہ اس کی حلاوت میں ابھی تک محسوس کررہا ہوں۔ وہ آہستہ آہستہ کمرے سے باہر نکلتے گئے اور میں آخری لمحے تک انہیں حسرت اور محبت سے دیکھتا رہا۔

میرے ذہن میں غزوۂ بدر کے وقت سے لے کر جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کاروان تک ہزاروں قافلے آسمان کی بلندیوں پر ستاروں کی طرح گھوم رہے تھے۔ حق کی خاطر کٹنے اور قربان ہونے والے یہ کاروان کب سے چل رہے ہیں اور کب تک چلتے رہیں گے؟ یہ بات تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ

وسلم نے سمجھادی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کاروانوں میں شامل ہوکر اپنے ایک ایک امتی کو دعوت دی ہے کہ وہ بھی ایسے خوبصورت کاروانوں کا حصہ بنا کرے۔ خوش قسمت امتی اپنے محسن نبی کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں، جبکہ بدقسمت زمین کے ساتھ اس وقت تک چپکے رہتے ہیں جب تک زمین انہیں نگل نہیں لیتی۔

پہاڑوں کی برف پگھل چکی ہے، راستے صاف ہوچکے ہیں اور ہر دن خوش قسمت افراد کے قافلے مسلمانوں کے حال کو ماضی سے جوڑنے کیلئے، اللہ کی رضا کا سودا اپنے ذہنوں میں سمائے، کلاشنکوفیں اٹھائے، خونی بارڈ کو عبور کررہے ہیں۔ بعض گروپ داخل ہوچکے ہیں، بعض بارڈر کے آس پاس انتظار کررہے ہیں۔ کچھ بیس کیمپ کی انتظارگاہوں میں بیٹھے اپنے نمبر کے منتظر ہیں۔ آیئے! دیر نہ کیجئے! اور آپ بھی اپنی جان اور اپنا مال اللہ تعالیٰ کو بیچ سکتے ہیں۔ آپ بھی مجاہد ہونے کا عظیم اور انمول اعزاز پاسکتے ہیں۔ آیئے! کارواں تیار ہیں، قافلے مستعد ہیں، اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر آیئے، پھر دیکھئے ایمان کی حلاوت اور غیرت ایمانی کی حرارت کا سرور کیا ہوتا ہے؟

مجاہدین کے قافلوں کو روانہ کرنے پر کروڑوں روپے کے اخراجات آتے ہیں، اس لئے اپنا مال بھی اللہ رب العزت کے حضور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرح کھلے دل سے پیش کیجئے۔ یہ وقت پانے کا ہے اور رحمت خداوندی کے لوٹنے کا ہے۔ ہم نے صدا لگادی ہے، خوش قسمت مسلمان فوراً لبیک کہیں۔ اس بارے میں ہماری دیر اور ہمارا بخل ہمیں محرومی کی تاریکیوں میں ڈبو سکتا ہے۔ یا اللہ! ہم سب کی حفاظت فرما، رہنمائی فرما۔

والسلام

غیرت مند بہنوں کے نام

مسلمان خواتین پر جہاد یعنی قتال فی سبیل اللہ (اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑنا) عمومی حالات میں فرض نہیں ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جہاد کا فریضہ خواتین کے تعاون کے بغیر ادا کرنا ممکن نہیں ہے، اس لئے یہ کہنا بجا ہے کہ خواتین بھی جہاد میں اہم اور کلیدی کردار ادا کرسکتی ہیں۔ اس وقت ہمارے مشاہدے میں یہ بات ہے کہ جن گھرانوں کی خواتین اسلام اور جہاد کے ساتھ محبت اور لگاؤ رکھتی ہیں، ان گھرانوں سے امت کے عظیم، قابل فخر اور نامور مجاہدین پیدا ہورہے ہیں، لیکن جن خاندانوں کی خواتین ابھی تک غفلت، بزدلی اور دنیا پرستی میں پڑی ہوئی ہیں، ان گھرانوں سے اسلام کے محافظ کم اور اسلام کے مخالف زیادہ پیدا ہورہے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی تک بنادیتے ہیں۔ پھر ماں اور باپ میں بچے کا ابتدائی تعلق ماں کے ساتھ ہوتا ہے اور بچے پر ماں کی بنیادی تربیت کا رنگ زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ ماں کے دل میں اگر ایمان ہو تو وہ اپنے بچے کو صلاح الدین ایوبی تک بنادیتی ہے، لیکن اگر ماں خود غیرتِ ایمانی سے عاری ہو تو مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے والے بچے کافروں کے غلام، ان کے ہمنوا اور بعض اوقات ان کے محافظ تک بن جاتے ہیں۔

اسلام نے عورت کو ایک عظیم مقام دیا ہے اور اسے تقدس کی علامت اور گھر کی ملکہ بنایا ہے۔ ماضی میں اسلام نے جب بھی عروج پایا اس کے پیچھے ان گنت ماؤں اور بہنوں کے معصوم چہرے نظر آتے ہیں۔

میدان جنگ میں تو اکثر صلاح الدین ایوبی، نور الدین زنگی، محمود غزنوی اور محمد بن قاسم نظر آتے ہیں لیکن ان عظیم جرنیلوں کے پیچھے یقیناً کسی ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کا کردار غیر نمایاں طور پر موجود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کی زبان میں بلا کی تاثیر رکھی ہے لیکن یہ عورت کی قسمت پر منحصر ہے کہ وہ اس تاثیر کا فائدہ اٹھاتی ہے یا نقصان؟ چنانچہ عورت اگر شیطان کے راستے کی طرف بلانے لگے تو پھر بڑے بڑے ہاتھی پھسل جاتے ہیں اور شیطان کو کسی اور جال کی ضرورت نہیں پڑتی، لیکن اگر یہی عورت اپنے بھائی، بیٹے اور خاوند کے دل میں جذبۂ ایمانی کی شمع جلادے تو پھر اہل حق کی یلغار کے سامنے کفر کے لشکر مکڑی کا جالا ثابت ہوتے ہیں۔

عورت کو اللہ تعالیٰ نے جو طاقت دی ہے، اکثر خواتین کو اس کی قدر و قیمت معلوم نہیں ہے۔ چنانچہ ان کی اکثر صلاحیتیں گھریلو جھگڑے کرانے اور نمٹانے میں اور زیورات کی بھاگ دوڑ میں خرچ ہوجاتی ہیں حالانکہ اگر وہ اپنی طاقت کا رخ موڑ دیں تو زمین کا نقشہ بدل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو جس قدر قیمتی بنایا ہے، اکثر عورتوں کو اس کا اندازہ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ خود کو ظاہری زیب و زینت اور سونے چاندی کی گھٹیا چمک کے مقابلے میں ضائع کردیتی ہیں، حالانکہ اگر وہ چاہیں تو اپنے مقام کو استعمال کرکے اللہ تعالیٰ کے ہاں بلندیاں حاصل کرلیں اور زمین کو پاکی اور پاکیزگی سے بھر دیں۔

عورت کو جلد بھول جانے کی عادت ہے، اس لئے اسلام نے اسے بیدار رکھنے کا بہترین انتظام فرمایا۔ قرآن مجید کی ایک بہت بڑی سورت کو اس کے نام سے موسوم فرمایا۔ ایمان کی کسوٹی اور معیار کے طور پر حضرت مریم اور حضرت آسیہ کے عزم و ہمت کو پیش فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مخاطب فرما کر عورتوں کے مقام اور ان کی ذمہ داریوں کی وضاحت فرمائی۔ دنیاوی جھگڑوں اور جھمیلوں سے بچانے کیلئے عورتوں کی گواہی اور دیگر معاملات میں الگ قوانین نازل فرمائے تاکہ عورت پر زیادہ بوجھ نہ پڑے اور وہ نسل انسانی کے بقاء اور امت محمدیہ کی ابتدائی تربیت کا کام یکسوئی اور آسانی سے کرسکے۔

مردوں کو کام کرنے کیلئے دفاتر کی ضرورت پڑتی ہے، اللہ تعالیٰ نے عورت کو گھر کی مضبوط چار دیواری کا تحفظ عطاء فرما کر اسے کام کرنے کے لئے بہترین دفاتر عطاء فرمادیے۔ ایسے دفاتر جہاں عورت کو مکمل اختیار اور مکمل تحفظ حاصل ہے، جبکہ ان دفاتر کے اخراجات اور بیرونی انتظامات کا بوجھ

اس کے سر سے ہٹا کر مردوں کے ذمے ڈال دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی درجنوں آیات عورتوں کی فضیلت کے متعلق نازل ہوئیں اور قرآن مجید کے احکامات نے عورت کو ایسا محفوظ اور بلند مقام دیا، جس کا تصور بھی ایمان افزا ہے۔ ماں کی وہ تکلیف جو وہ بچے کی پیدائش کے وقت اٹھاتی ہے، قرآن مجید کی آیات کا موضوع بنی اور مردوں پر عورتوں کے احسانات کا تذکرہ قرآن مجید نے بار بار فرمایا تاکہ مرد عورتوں کے مقام کو سمجھیں اور خود عورتوں کو بھی یاد رہے کہ وہ کون ہیں؟ ان کا مقام کیا ہے؟ اور ان کی ذمہ داریاں ہیں؟ ایک اچھی عورت کن بلندیوں تک پہنچ سکتی ہے، قرآن مجید نے اسے بھی بیان فرمایا اور ایک بری عورت کہاں تک گر سکتی ہے، قرآن مجید نے اس بھی آگاہ فرمایا۔ قرآن مجید نے عورت کو ترقی اور بلندی تک پہنچنے کے ایسے راز بتائے جنہیں اپنا لینے کے بعد ناکامی کا تصور بھی محال ہے اور قرآن مجید نے عورت کو ذلت کے ان گڑھوں سے بھی ہوشیار کیا جن میں گرنے کے بعد عورت محض ایک تماشا اور عبرت بن جاتی ہے۔

تاریخ گواہ ہے: اسلام کی چادر، حیا کا دوپٹہ، غیرت و بہادری کا لباس اور گھر کی چار دیواری کی ڈھال جس عورت نے سنبھالی، اس نے دنیا و آخرت میں وہ مقام پایا جسے دیکھنے سے نگاہیں عاجز آجاتی ہیں۔ کاش! آج کی مسلمان بہن اور بیٹی بھی اسلام کے ان تحفوں اور امانتوں کو سنبھالے۔ آج جبکہ کافروں کا پہلا نشانہ عورت ہے اور یہود و نصاریٰ کی خواتین کفر و الحاد، بے حیائی اور دنیا پرستی پھیلانے کیلئے میدانوں میں اتر چکی ہیں، ہماری مسلمان خواتین کو بھی گھر کی چار دیواری کے اندر مورچہ سنبھالنا ہوگا۔ آج اگر بزدل یہودیوں کی خواتین اسرائیل کے تحفظ کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا رہی ہیں تو ہماری مسلمان عورتوں کو بھی زیورات کی جھوٹی چمک اور گھریلو جھگڑوں کی بے کاری سے نجات حاصل کر کے حضرت صفیہ اور حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے طریقوں کو اپنانا ہوگا۔

آج جبکہ مسجد اقصیٰ یہودیوں کے قبضے میں ہے اور بابری مسجد پر مندر تعمیر ہو رہا ہے تو ہماری مسلمان خواتین کو جاگنا ہوگا اور فیشن کے معاملے میں جھوٹی عزت بنانے کی بجائے اسلام کی حقیقی عزت کیلئے محنت کرنا ہوگی۔ آج جبکہ کافروں کی عورتیں دنیا میں غلاظت پھیلانے کیلئے سڑکوں پر نکل آئی ہیں تو ہماری مسلمان خواتین کو حیا اور تقدس پھیلانے کیلئے محنت کرنا ہوگی۔

اے مسلمان بہنو! اے اماں عائشہ اور اماں فاطمہ کی بیٹیو! سوچو تو سہی تم کن کاموں میں پڑ گئی ہو؟

آج تم احساس کمتری کا شکار ہو کر لباس اور زیورات میں عزت ڈھونڈتی ہو اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فضول کوششیں کرتی ہو۔ ذرا بتاؤ! اس زرق برق لباس اور بے جان سونے نے تمہیں اور امت مسلمہ کو کیا دیا ہے؟ تمہارا زیور تو حیا ہے، تمہاری عزت تو اسلام پر عمل کرنے میں ہے۔

اگر تمہیں جنت میں جانا ہے تو پھر جنتی عورتوں کی سردار کے طرز عمل کو کیوں نہیں اپناتیں؟ تمہاری سردار کے ہاتھوں پر نیل اور چھالے ہیں جبکہ تم نے خود کو اور پوری قوم کو سستی کے عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔

اے اسلام کی محافظ بہنو! تمہارے سر سے اترا ہوا دوپٹہ اور تمہارے گھروں میں چلنے والا ٹیلی ویژن تمہیں دنیا اور آخرت میں کیا دے رہا ہے؟ جس اللہ تعالیٰ نے تمہیں قرآن کی آیات کے ذریعے عزت دی، اس اللہ تعالیٰ کی دن رات نافرمانیاں کر کے تم نے کیا حاصل کیا ہے؟

اے مسلمان بیٹیو! تمہیں آج دنیا کا حریص بنایا جا رہا ہے حالانکہ دنیا کا حرص کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ یہ تو کتوں اور دوسرے گندے جانوروں کی خصلت ہے جبکہ تم ماں اور بیٹی کے اونچے مقام پر فائز ہو۔ دنیا تو کیا تمہارے قدموں کے نیچے جنت کی نہریں بہتی ہیں، تمہیں کیا ضرورت ہے کہ تم اس غلیظ دنیا کو اپنا مقصد بناؤ جبکہ تم جانتی ہو کہ جس کی قسمت میں جتنی دنیا لکھی ہے وہ اسے مل کر رہے گی۔

میری عظیم بہنو! تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم نبی کو ماننے والی ہو، تمہیں بزدلی زیب نہیں دیتی، تم اپنے خاوندوں، بھائیوں اور بیٹوں کو اسلام کا مجاہد اور دین کا شیدائی کیوں نہیں بناتیں؟ کیا تم بھول چکی ہو کہ قیامت کے دن کا حساب بہت سخت ہے اور اس دن سوائے نیکیوں کے اور کچھ کام نہیں آئے گا۔ میری بہنو! تم اگر گھر کو مضبوط کر لو، اپنے دل کو اسلام کا سچا شیدائی بنا لو، شہداء کے گھروں کی کفالت اپنے ذمے لے لو، گھروں میں جہاد کے زمزمے اور لوریاں سنانا شروع کر دو اور اسلام کی پکی وفادار بن جاؤ تو ان شاء اللہ ہم تمہارے بھائی دنیا کا نقشہ بدل دیں گے اور اللہ کی زمین کو ظلم و فساد سے پاک کر دیں گے۔

اے عزیز بہنو! اگر تم اپنی آنکھوں میں حیا بھر لو اور پھر اس حیا کے پاکیزہ جذبے کو دوسری مسلمان بہنوں اور اپنے بچوں میں منتقل کر دو تو تمہارے مجاہد بھائی ایک وار میں کفر کو زمین بوس کر دیں گے۔

اے غیرت مند بہنو! تم اگر بخل، کنجوسی، بزدلی اور دنیا پرستی کو دھکے دے کر اپنے گھروں سے نکال

دواور اپنے گھروں میں کافروں کی سی گندگی اور غلاظت کو نہ گھسنے دو تو تمہارے مجاہد بھائی کفر کے مراکز پر اسلام کا جھنڈا گاڑ دیں گے۔

اٹھو! میری مسلمان بہنو اٹھو! مضبوط بنو، حوصلہ کرو اور اپنے آپ کو ایمان اور اسلام کی خدمت کیلئے تیار کرو، پھر دیکھو تمہیں کس قدر سکون ملتا ہے اور تم کن مقامات کو پاتی ہو۔

والسلام

خوش نصیب خواتین

کل جب سفر سے واپسی ہوئی تو مجھے گھر والوں نے دو لفافے دیے۔ ایک لفافے میں کچھ زیورات اور نقدی تھی جبکہ دوسرے لفافے میں ایک نوجوان کا خط تھا، جس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ زیورات اور نقدی اس کی والدہ، چھوٹی بہن، خالہ اور بعض دوسری خواتین نے جہاد میں خرچ کرنے کیلئے بھجوائی ہیں۔ اس خط میں یہ بھی مرقوم تھا کہ ہمارے گھر میں ضرب مؤمن اور فضائل جہاد کی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے، گھر میں مدرسۃ البنات قائم ہے اور اس میں آپ کی کیسٹیں سنی اور سنائی جاتی ہیں۔ اس طرح کے خطوط اب الحمدللہ! بکثرت آتے ہیں اور خواتین میں اپنے بے جان زیورات دے کر جہاد کو جاندار بنانے اور مٹی سے نکلنے والے سونے کو دے کر خوبصورت جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا پانے کے جذبات بڑھتے جا رہے ہیں۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، اس پر ان خواتین کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عقل و فراست بھی عطاء فرمادی ہے اور ان کی خوش نصیبی پر مہر لگا دی ہے۔

یہ عجیب تقسیم ہے، اللہ تعالیٰ چاہے تو ساری زندگی ایک عورت کو سونے چاندی کے طوقوں میں جکڑے رکھے۔ ایسا سونا جس سے نہ پیٹ بھرتا ہے اور نہ اس سے پیاس بجھتی ہے۔ اسے پہن کر نہ تو صحت اچھی ہوتی ہے اور نہ عزت بڑھتی ہے، بلکہ سونے کے مالک کو ہر وقت اس بات کا غم لگا رہتا ہے کہ یہ سونا چوری نہ ہو جائے، کوئی اسے چھین نہ لے۔ ہر وقت اس بے جان چمک کی حفاظت کرنی پڑتی ہے اور پھر

اس سونے کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن یہی سونا گرم کیا جائے گا اور اس سے اس کے مالک کے چہرے، پیٹھ اور پیٹ کو داغا جائے گا اور اس سونے کو گنجے سانپ کی شکل میں سونے کے مالک پر مسلط پر کیا جائے گا اور گنجا سانپ اپنے مالک کو ہمیشہ ڈستا رہے گا۔ اف! کس قدر بدقسمتی کی بات ہے کہ ساری زندگی ایک عورت اس سانپ کی حفاظت کرتی رہے جس سانپ نے اسے ڈسنا ہے۔

اور اس کے برعکس اللہ تعالیٰ چاہے تو ایک عورت کو پہلے خود سونا چاندی دے، پھر اس کے دل میں ایمان اور سخاوت کا نور ڈالے، جس کے نتیجے میں وہ عورت اس سونے چاندی کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں دے دے۔ اب یہ سونا اس عورت کے لئے قبر کی روشنی اور جنت کی انمول نعمتوں کا سبب بن جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت تک اللہ کے راستے میں محفوظ رہے گا اور اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت فرماتا رہے گا۔

یعنی سونا خرچ کرنے کے بعد اس کے دنیاوی غم سے بھی نجات مل گئی اور اس کے بے شمار فوائد بھی دنیا و آخرت میں حاصل ہوگئے۔ یقیناً یہ بہت بڑی خوش نصیبی ہے، اس لئے قرآن مجید میں ان لوگوں کو کامیاب قرار دیا گیا ہے جو دل کی تنگی سے نجات پالیتے ہیں۔

آج کل بالاکوٹ کے تاریخی مقام پر جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت گاہ بن رہی ہے۔ اس تربیت گاہ کا نام ہے: مدرسہ سید احمد شہید رحمہ اللہ۔ وہاں ایک مسجد، پانی بڑی ٹنکیاں، تربیت کا میدان اور مجاہدین کے لئے رہائش گاہیں بن رہی ہیں۔ کچھ مسلمان خواتین نے وہاں مسجد اور دیگر تعمیرات کے لئے اپنا زیور بھجوایا ہے، خود سوچئے کہ ان خوش قسمت خواتین نے بے جان سونے کے بدلے کتنی بڑی سعادت حاصل کی ہے؟ اس مسجد میں معلوم نہیں کتنے مجاہدین اور مستقبل کے شہداء نمازیں پڑھیں گے؟ اس تربیت گاہ میں معلوم نہیں کتنے ابن قاسم اور صلاح الدین تیار ہوں گے؟ اس میدان میں معلوم نہیں کتنے آفاق شہید تربیت حاصل کریں گے؟ ان سب کے اجر میں یہ مسلمان خواتین شریک ہوگئیں۔

یہ بات تو ثابت ہے کہ مجاہد کے برابر کسی کا مقام نہیں ہے اور جہاد میں ایک رات کا پہرہ دینے والے کو ساری دنیا میں ہونے والی نیکیوں کا حصہ ملتا ہے اور یہ حصہ قیامت کے دن تک ملتا رہے گا۔ تو وہ عورتیں جن کے زیورات اور مالی تعاون نے اس مجاہد کی تربیت میں مدد کی ہے اور جن مسلمانوں نے اس

مجاہد کی کفالت کی ہے، انہیں کس قدر اجر و ثواب ملے گا؟ یقیناً اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے کیونکہ جہاد ایسی تجارت ہے جس میں اللہ تعالیٰ خود شرکت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کے فضل و کرم کی بارش کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟؟؟

والسلام

مسلمان کا قتل، نعوذ باللہ!

کیا ایک مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کو قتل کر سکتا ہے؟ اگر اسلامی تعلیمات اور اسلامی مزاج پر غور کیا جائے تو ایسا سوچنا بھی محال ہے کیونکہ مسلمان تو دوسرے مسلمان کا محافظ ہے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو ایک جسم قرار دے کر اور زیادہ مضبوط کر دیا ہے۔ بے شک جسم کا ہر عضو دوسرے عضو کا ہمدرد، غم خوار اور محافظ ہوتا ہے کیونکہ ہر عضو دوسرے کا محتاج ہے اور ان تمام اعضاء کے بغیر جسم مکمل بھی نہیں ہوتا۔ بس یہی حال مسلم معاشرے کا ہے۔ اس مبارک اور مثالی معاشرے میں ہر فرد اپنے حقوق کی بات نہیں کرتا بلکہ ہر ایک یہ سوچتا ہے کہ میرے ذمے دوسروں کے کتنے اور کون کون سے حقوق ہیں؟ اپنا حق معاف کرنا مؤمن کی شان اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دینا مؤمن کا امتیاز ہے۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ محبت، قربانی اور ایثار کے ایسے تعلق میں جکڑا ہوا ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو اپنی ذات کا حصہ سمجھتا ہے۔ اس لئے نہ تو وہ کسی مسلمان کو گالی دیتا ہے، نہ اس کی غیبت کرتا ہے، نہ اس پر بہتان باندھتا ہے اور نہ ہی اس پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ قتل کرنا تو بڑی بات ہے، مسلمان تو دوسرے مسلمان بھائی کی طرف اپنے اسلحے کی نوک کا اشارہ تک نہیں کرتا، لیکن اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اس بات کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی معاشرے میں دراڑ ڈالی جائے اور مسلمان کو مسلمان کا محافظ نہیں، مخالف بنا دیا جائے۔

مال، عورت، عہدہ اور سطحی قوم پرستی کو ذریعہ بنا کر مسلمان کو مسلمان کے مقابلے میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے والا مسلمان، آخرت کی فکر رکھنے والا مسلمان، دوسرے مسلمان کو اپنے اوپر ترجیح دینے والا مسلمان، کلمے کے رشتے کی لاج رکھنے اور اس رشتے کے مقابلے میں ہر تعلق کو ہیچ سمجھنے والا مسلمان جب بگڑ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی انسان کو اپنا ایسا ہیرو بنا لیتا ہے کہ اس کے حکم پر اللہ تعالیٰ کے حکم تک کو چھوڑ دیتا ہے یا آخرت کو چھوڑ کر غلیظ مال کو اپنا مقصود بنا لیتا ہے یا اپنی ذات کو دوسروں کی ذات پر ترجیح دینے لگتا ہے یا اسلام کے علاوہ کسی وطنیت، قومیت یا لسانیت پر فخر کرنے لگتا ہے، تو وہ مسلمانوں کے لئے مفید نہیں رہتا بلکہ ان کا دشمن بن جاتا ہے اور پھر نعوذ باللہ! اس سے مسلمانوں کو قتل کرنے جیسا مہلک گناہ بھی سرزد ہو جاتا ہے۔ ایسا گناہ جس کی سزا دائمی جہنم ہے، ایسا گناہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر قرار دیا ہے، ایسا گناہ جس کے غم میں آسمان بھی روتا ہے اور زمین بھی، ایسا گناہ جسے تمام انسانوں کو ہلاک کرنے کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

کاش! مسلمان اس حقیقت کو سمجھیں اور اسے دل میں بٹھائیں کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی غلامی کرنے آئے ہیں، اپنے جیسے کسی انسان کی غلامی نہیں۔ کاش! مسلمان سمجھیں کہ ایک مسلمان کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کعبہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ کاش! مسلمان سمجھیں کہ انہیں دوسرے مسلمانوں کے قتل کا حکم جاری کرنے والے ان کے دوست نہیں، بدترین دشمن ہیں۔

کاش! مسلمان سمجھیں کہ ایک مسلمان کو قتل کرنے سے اللہ تعالیٰ کے غضب کو جوش آتا ہے اور پوری قوم اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہو جاتی ہے۔ کاش! مسلمان سمجھیں کہ اسلام تو ہر کافر کو بھی قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا، چہ جائیکہ مسلمان کو قتل کیا جائے۔ کاش! مسلمان سمجھیں کہ قتل کرنا ایک عبادت ہے جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ادا کی جاتی ہے اور ان مخصوص افراد کو قتل کیا جاتا ہے جن کے قتل کا حکم اسلامی شریعت نے دیا ہے اور جس طرح بتوں کے سامنے ان کو راضی کرنے کے لئے نماز پڑھنے والا مسلمان نہیں رہتا، اسی طرح اپنے لیڈروں کے حکم پر مسلمان کو قتل کرنے والا بھی کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے اور بدترین بدبختی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

کاش! مسلمان سمجھیں کہ جہاد کے دو پہلو ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر اہم ہیں، ایک پہلو تو دشمنان اسلام کا خاتمہ ہے تا کہ کفر کی قوت اور شوکت ٹوٹ جائے اور دوسرا پہلو مسلمانوں کی

حفاظت اوران کا اکرام ہے تاکہ اسلامی معاشرہ مضبوط اور طاقتور بن جائے۔ جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے ان دونوں پہلوؤں پر عمل کرنے میں یقین رکھتی ہے۔ ہم نے ایک طرف تو دشمنان اسلام کے گرد اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنا گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا ہے اور اس سلسلے میں الحمدللہ ایسے اقدامات کئے ہیں جن کی کامیابی پورے عالم اسلام کی کامیابی ہوگی اور ان شاء اللہ اس کامیابی کی خوشی پوری امت مسلمہ منائے گی۔

ہم تمام مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ شبہات، وساوس اور شکوک سے آزاد ہو کر اس میدان میں جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ شرکت کریں اور دنیا کو بتا دیں کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے والے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق رکھنے والے، ابھی زندہ ہی اور پوری شان سے زندہ ہیں اور انہیں مٹانے کی تدبیریں کرنے والے خود اپنی ہلاکت کے گڑھے کھود رہے ہیں۔

دوسری طرف ہم نے یہ عزم کیا ہے کہ ہم مسلمانوں کی حفاظت کریں گے اور انہیں ہر ممکن راحت پہنچائیں گے، خواہ ان کا تعلق ہماری تنظیم سے ہو یا کسی دوسری تنظیم سے۔ ہم ان شاء اللہ قوم، قبیلے، وطن اور زبان کے فرق سے بالاتر ہو کر ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور اس کی خدمت اور حفاظت اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔

ہم جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ داروں اور کارکنوں کو یہ ہدایت کرتے ہیں کہ وہ کسی مسلمان کی غیبت نہ کریں اور نہ کسی کو قوت کے زور سے جھکائیں اور نہ ہی کسی مسلمان کو کوئی ایذاء پہنچائیں، بلکہ تمام مسلمانوں کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دینے کی ہمت اپنے اندر پیدا کریں۔ اسی طرح جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلح دستوں کو یہ لازمی ہدایت جاری کی گئی ہے کہ ان کا اسلحہ صرف اسلام دشمن قوتوں کے لئے ہے، مسلمان کے لئے ہرگز نہیں۔ چنانچہ کسی مسلمان کو ایذاء پہنچانا تو درکنار اپنے اسلحے کا رخ بھی کسی مسلمان کی طرف نہ کریں۔ الحمدللہ! ہمارے مجاہد ساتھی اس ہدایت پر کاربند ہیں۔ ان حالات میں اگر مسلمانوں کو یہ بتایا جائے کہ جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدین نے مسلمانوں کو ایذاء پہنچائی ہے تو آپ سنی سنائی باتوں پر اعتبار کر کے مجاہدین اسلام سے بدظن نہ ہوں بلکہ جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مرکز سے اس کی تحقیق کریں۔ الحمدللہ! اب تک پھیلائی جانے والی تمام افواہیں جھوٹی ثابت ہوئی ہیں۔ پھر بھی اگر آپ کو ایسی کوئی شکایت ملتی ہے تو آپ جیش محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کے شعبۂ احتساب تک پہنچائیں یا براہ راست خود مجھ سے رابطہ کریں، لیکن اگر آپ نے بغیر تحقیق کے اس طرح کی خبروں پر اعتبار کیا اور انہیں آگے اڑایا تو یہ کام نہ آپ کے لئے مفید ہوگا اور نہ امت مسلمہ کے لئے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم امت مسلمہ کی ایمانی تمناؤں کو تکمیل تک پہنچانے کی محنت کرنے والا اسلامی لشکر ہے اور دشمنان اسلام اس کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور طرح طرح کی جھوٹی باتیں پھیلا کر مسلمانوں کو جیش سے اور جہاد سے مایوس کر رہے ہیں۔ تمام مسلمان بھائی اسلام دشمنوں کی اس سازش سے ہوشیار رہیں اور جیش کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء فرمودہ ایک نعمت سمجھ کر اس کی حفاظت کریں۔ محض جھوٹی افواہیں یا بعض افراد کے ذاتی رجحانات کو شرعی دلیل سمجھ کر شہداء اور غازیوں کے اس قافلے سے بدظن ہونا یا دوسروں کو بدظن کرنا کوئی نیک یا اچھا کام نہیں ہے۔ لیکن ہمارا جو مسلمان بھائی یہ کام کرے گا ہم اسے بھی دعاؤں سے نوازیں گے اور اس کی خدمت اور حفاظت کو اپنے لئے سعادت سمجھیں گے، کیونکہ ہمارا جہاد اپنی ذات یا اپنی تنظیم کے لئے نہیں، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

پاکستان والو! کلمے کی لاج رکھ لو

کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا رشتہ ایک عظیم نعمت بھی ہے اور ہمارا دفاع بھی۔ نعمت اس لئے کہ اسی کلمے کی بدولت ہم انسان بنتے ہیں اور اسی کلمے کے ساتھ وفاداری والے تعلق کی بدولت ہماری دنیا اور آخرت سنورتی ہے، اور دفاع اس لئے کہ اس کلمے نے ہم مسلمانوں کو ایک کردیا ہے اور ہمارے درمیان موجود ان ممکنہ دراڑوں کو ختم کردیا ہے جو کسی قوم کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔ ہم اس کلمہ کی برکت سے ایک ملت اور ایک قوم ہیں۔ اس کلمے نے گورے اور کالے کا فرق مٹا دیا ہے، علاقائی تقسیم کو ختم کردیا ہے، طبقاتی فرق کی جڑیں کاٹ دی ہیں اور سرحدوں کے فاصلے مٹا دیئے ہیں۔ ہم فارسی ہوں یا حبشی، پیشے کے اعتبار سے مالک ہوں یا مزدور، رنگ کے اعتبار سے کالے ہوں یا گورے، علاقے کے اعتبار سے عرب ہوں یا عجم، اس کلمے نے ہم میں سے ہر ایک کو دوسرے کا بھائی بنادیا ہے اور ہماری صلاحیتوں کو ایک دوسرے کے لئے مختص کردیا ہے اور ہم میں سے ایک کی طاقت کو دوسرے کی قوت بنادیا ہے۔ علاقے بدلتے رہتے ہیں، سرحدیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں، نسلوں کے اندر بھی عجیب وغریب تغیرات ہوتے رہتے ہیں، پیشے بھی بدل جاتے ہیں لیکن کلمے کا رشتہ کبھی نہیں بدلتا، کبھی نہیں ٹوٹتا اور کبھی بھی کمزور نہیں پڑتا۔

یہ کلمہ ہمیں اس عظیم نبی سے جوڑتا ہے جس نے انسانوں کو ایک دوسرے کا محافظ بنایا، یہ کلمہ ہمیں اس دین سے جوڑتا ہے جس میں ایک دوسرے کی قدر کرنے اور ایک دوسرے کی حفاظت کرنے کا لازمی حکم موجود ہے، یہ کلمہ ہمیں اس رب سے جوڑتا ہے جس سے جڑنے والے ایک دوسرے کے لئے ایسے بن

جاتے ہیں جس طرح جسم کے اعضاء ایک دوسرے کے لئے۔ یہ کلمہ ہمیں طاقت دیتا ہے اور ایسی مرکزیت عطاء کرتا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی خود کو تنہا محسوس نہیں کرتا اور ہمارے دشمن ہم میں سے کسی کو اکیلا سمجھ کر اس کا شکار نہیں کرسکتے، یہ کلمہ ہمیں ایک ایسی قوم بنادیتا ہے جو ناقابل شکست اور ناقابل تسخیر ہے، یہ کلمہ ہمیں آخرت کی ان بلندیوں تک لے جاتا ہے جن بلندیوں کا احساس ہمیں دنیا کی پستیوں کی خاطر ایک دوسرے سے لڑنے سے بچاتا ہے، یہ کلمہ ہمیں ایسا عروج عطاء کرتا ہے کہ ہم مٹی سے بنی چیزوں کی خاطر مفاد پرست جانور نہیں بنتے بلکہ ہم میں ایثار کی ہمت پیدا ہوجاتی ہے، یہ کلمہ ہمارے اندر ایمان کی طاقت پیدا کرتا ہے اور ہم ایسے انسان بن جاتے ہیں جن پر ملائکہ کو رشک آتا ہے، یہ کلمہ ہمارے اندر انسانی عظمت کا وہ سرور آفرین جذبہ پیدا کرتا ہے جس جذبہ کی بدولت ہم اشرف المخلوقات کہلانے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ کلمہ ہمارا سب کچھ ہے اور اسی کلمے کے ساتھ وفادارانہ وابستگی ہی ہماری کامیابی کی ضامن ہے۔

آیئے! ماضی کے حسین باغات کی طرف ایک نظر ڈالتے ہیں۔ جی ہاں! دھول اور غبار بھرے حال سے تھوڑی دیر کے لئے نظریں پھیر کر ماضی کی طرف دیکھتے ہیں جب یہ کلمہ پوری آب وتاب کے ساتھ ہمارے پاس تھا اور ہمارا ہر فرد کلمے کے مضبوط رشتے کی حلاوت سے سرشار تھا۔ اس وقت دنیا میں ہم ہی ہم تھے اور بڑی بڑی طاقتیں ہمارے قدموں کی دھول چاٹ رہی تھیں، اس وقت ہماری آواز اس قدر بلند تھی کہ ایک مظلوم عورت کی آہ سے سارا عالم لرز اٹھتا تھا اور اس وقت ہماری رفتار اس قدر تیز تھی کہ اس مظلومانہ آہ پر لاکھوں کے لشکر جرار مشرق ومغرب کے فاصلوں کو چشم زدن میں ختم کردیا کرتے تھے، اس زمانے میں مسلمان ایک ایسی حقیقت تھے جس کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا تھا اور ہر کوئی ہمارا احترام کرنے پر مجبور تھا، تب ہم محفوظ تھے، ہمارا ہر فرد محفوظ تھا اور ہماری سرحدوں کی وسعتیں آسمان کے کناروں کو چھو رہی تھیں۔

اس وقت ہم نے اپنے علاقے، اپنی زبان اور اپنے پیشے بھلا کر اللہ کو یاد رکھا، اللہ تعالیٰ کے نام پر قائم ہونے والے رشتے کو یاد رکھا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور رحمت نے ہر وقت ہمیں یاد رکھا اور ہمیں کہیں بھی تنہا نہ چھوڑا۔ ہم نے کلمے کے رشتے کی خاطر موت پر بیعت کی تو یہ موت ہم سے بھاگ کر ہمارے دشمنوں پر مسلط ہوگئی، ہم نے کلمے کے رشتے کی خاطر خطرات کو مول لیا تو یہ خطرات ہم سے فرار ہوکر

ہمارے دشمنوں کا دردِ سر بن گئے، ہم نے کلمے کے رشتے کی خاطر تلوار اٹھائی تو ہماری تلوار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طاقت شامل ہوگئی، ہم نے کلمے کے رشتے کی خاطر دشمنوں سے لڑنے کا عزم کیا تو آسمان بھی فرطِ محبت سے جھوم اٹھا اور وہاں سے فرشتے نازل ہونے لگے، ہم نے کلمے کے رشتے کی خاطر دشمنوں کو للکارا تو آسمانی بجلیاں ہماری للکار بن گئیں اور دشمنوں کو ماننا پڑا کہ اس قوم کا ہر فرد اپنے پیچھے ساری قوم کی طاقت رکھتا ہے۔

مگر پھر کیا ہوا؟ کافروں نے ہماری طاقت کا راز سمجھ لیا اور ہم سے اسی راز کو چھیننے کی کوششیں شروع کردیں۔ ہمیں کلمے کا رشتہ بھلا دیا گیا اور یہ یاد دلایا گیا کہ ہم مسلمان بعد میں ہیں پہلے اور بہت کچھ ہیں۔ اور اسی بہت کچھ میں ہماری ہلاکت وتباہی کا سامان پنہاں تھا۔ چنانچہ ہم عرب بن گئے، عجم کہلانے لگے، افغان اور ترک، پنجابی اور پٹھان، اردو بولنے والے اور سرائیکی، بلوچ اور سندھی اور معلوم نہیں کیا کیا بن گئے؟ تب ہم جھاگ بن کر رہ گئے حالانکہ ہم تو سمندر کی بپھری ہوئی موجیں تھے۔ ہم حقیر قطرے بن گئے، حالانکہ ہم تو دریاؤں کا طاقتور شور تھے۔ پھر ہمیں کھایا گیا۔ کبھی افغانستان میں، کبھی بوسنیا میں، کبھی چیچنیا اور کوسوو میں، کبھی فلسطین میں اور کبھی عراق وکویت میں۔

پھر وہ دردناک دن بھی آیا جب ہمارے خنجر خود ہمیں ذبح کرنے لگے اور ہمارے ہاتھ خود اپنی گردن مروڑنے لگے۔ ہم جب تک ایک تھے اور ہمارے پاس جہاد کی طاقت تھی تو کوئی ہماری طرف ٹیڑھی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا تھا، لیکن جب ہم بٹ گئے اور جہاد ہم سے چھین لیا گیا تو پھر ہر آنکھ ہم پر اٹھنے لگی اور دنیا بھر کی ذلتیں اور حقارتیں ہمارا مقدر نظر آنے لگیں۔ اور پھر وہ منحوس وقت بھی آیا جب ہم نے اپنے لختِ جگر خود اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر بھیڑیوں کے حوالے کردیئے۔ رمزی یوسف کے ساتھ کیا ہوا؟ ایمل کانسی کو کس نے دشمنوں کے حوالے کیا؟ ہائے کاش! یہ وقت آنے سے پہلے زمین پھٹ جاتی اور ملی غیرت کا اٹھتا جنازہ آسمان نہ دیکھ سکتا۔ کاش! یہ وقت آنے سے پہلے دنیا ختم ہوجاتی۔

خود سوچئے! رمزی یوسف اور اس کی ماں کے دل پر اس وقت کیا گذری ہوگی جب کلمہ پڑھنے والوں نے اسے پکڑ کر صلیب کے پجاریوں کے حوالے کردیا تھا؟ کیا ہر بہادر مسلمان کو یہ دل پھاڑنے والا منظر دیکھنا پڑے گا؟ کیا اسلام کے شیروں کو جننے والی ہر ماں کو یہ منحوس منظر دیکھنا پڑے گا؟ افسوس صد افسوس! مسلمان اپنے بھائی کا محافظ نہیں بلکہ دلال بن گیا ہے۔ اللہ کی قسم! کروڑوں کافروں کے ستم ایک

طرف اور مسلمانوں کی طرف سے ہونے والا ظلم ایک طرف، ایسا ظلم جو ایمان کو خطرے میں ڈالنے والا ہے اور کفر کی ہمت بڑھانے والا ہے۔

اس منظر کو دیکھتے ہوئے آج گلا پھاڑ پھاڑ کر شیخ اُسامہ بن لادن کو مانگا جارہا ہے اور اسی منظر کو دیکھ کر انڈیا کے مشرکوں کو یہ ہمت ہوئی ہے کہ انہوں نے پاکستان حکومت سے ان سات مسلمانوں کو مانگ لیا ہے، جو انڈیا کی ناقص معلومات کے مطابق اس کے طیارے کی ہائی جیکنگ میں ملوث ہیں۔ ہائے افسوس صد افسوس! وہ انڈیا جس کے ہر چپے پر اسلام اور پاکستان کے مجرم پناہ لئے بیٹھے ہیں، جس کے ہر شہر میں مسلمانوں کے قاتل بستے ہیں، اسے یہ ہمت کیسے ہوئی کہ اس نے مسلمانوں سے مطالبہ کردیا کہ وہ اپنے بھائیوں کو اٹھا کر بتوں کے پجاریوں کے حوالے کردیں تاکہ انہیں ذبح کردیا جائے۔

لیکن الحمدللہ! اب ایک بار پھر منظر بدل رہا ہے، مسلمانوں میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگیا ہے جس نے صرف زبان سے نہیں، دل سے کلمہ پڑھا ہے اور اس کا کلمے کے ساتھ تعلق وفاداری والا ہے۔ جی ہاں! اس دور میں کلمے کی لاج رکھنے والا عظیم انسان مُلّا محمد عمر مجاہد ایک بار پھر للکار رہا ہے کہ اے اللہ کے دشمنو! میں اسامہ بن لادن کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ مُلّا محمد عمر افغانی ہیں جبکہ اسامہ بن لادن عرب ہیں، لیکن کلمے کا رشتہ پھر جگمگا رہا ہے اور اپنی قوت کا لوہا منوا رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان شاء اللہ کامیابی حق کو ملے گی لیکن اگر افغانستان کا نقصان ہو بھی گیا تو کیا ہوا؟ کلمے کی خاطر ایک نہیں ہزار ملک قربان کئے جاسکتے ہیں، علاقے اور جانیں تو ویسے ہی ختم ہونے والی ہیں، اصل چیز تو نظریہ ہے۔ مُلّا عمر! آپ کو کروڑوں بار یہ عظیم مقام مبارک ہو۔

لیکن کیا پاکستان میں آئندہ بھی اسی طرح کلمے کے سودے ہوتے رہیں گے؟ کیا اس وسیع ملک میں کوئی بھی کلمے کی عزت اور کلمے کے رشتے کی حفاظت کرنے والا نہیں ہے؟ کیا اس ملک میں کلمے کو اس طرح صلیبی بوٹوں اور مشرکین کے جوتوں کے نیچے رسوا کیا جاتا رہے گا؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر تمام اہل پاکستان کو اپنے سابقہ گناہوں کی معاف مانگ کر یہ اعلان کردینا چاہئے کہ اے بتوں کے پجاریو! تم سات تو درکنار کسی ایک مسلمان بھائی کو یہاں سے نہیں لے جاسکو گے اور اگر کوئی ہاتھ ہمارے مسلمان بھائیوں کی طرف اٹھا تو ہم اس ہاتھ کو جلا کر راکھ کردیں گے۔ اے پاکستان والو! ذلت کی زندگی سے عزت کی موت افضل ہے۔ اے غیور مسلمانو! آگے بڑھو اور ان زبانوں کو گدی سے کھینچ ڈالو جو تم سے

مسلمانوں کا سودا کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں۔

اے پاکستان والو! قیامت کے دن کا حساب صرف مُلّا محمد عمر مجاہد سے نہیں ہوگا بلکہ سب کو اس دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم سارے مُلّا محمد عمر مجاہد بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا نام ان لوگوں میں لکھوائیں جنہوں نے اللہ کے نام کی حفاظت کی اور اس کے کلمے کی لاج رکھی۔

والسلام

میدانِ قلم کا شہسوار

جیل میں کبھی کبھار ضرب مؤمن پہنچ جاتا تھا، پہلی بار کل تیرہ اخبار پہنچے تھے، اس وقت رنگین صفحہ نہیں ہوتا تھا۔ ان تیرہ اخبارات کے پہنچنے کی مختصر داستان یہ ہے کہ ہمارے کچھ ساتھیوں کو مقبوضہ کشمیر کی غاصب حکومت نے ''پبلک سیفٹی ایکٹ'' لگا کر دو سال کے لئے مشرقی پنجاب کی بدنام زمانہ ''سنگرور سیکورٹی جیل'' بھیج دیا۔ ان ساتھیوں میں ہمارے محترم مولانا محمد شفیق عرف ابوجندل بھی تھے، جنہیں چرار شریف سے گرفتار کیا گیا تھا، بھائی محمد عارف راجپوت (کراچی) اور بھائی محمد جمال افغانی بھی اسی گروپ میں تھے۔

ابتدائی ایام میں سنگرور جیل کے سکھ اور ہندو اہلکاروں نے ہمارے ان مجاہد ساتھیوں پر کافی سختی کی اور بعض کو جسمانی اذیتیں بھی پہنچائیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا پر شاکر و صابر یہ رفقاء دن رات تلاوتِ کلام پاک اور ذکر اذکار میں لگے رہے، نیک اعمال کی بدولت اللہ تعالیٰ کی نصرت متوجہ ہوئی اور جیل کا ماحول ان مجاہدین کے لئے سازگار ہوتا چلا گیا۔ ان دنوں بندہ تہاڑ جیل میں تھا، وہاں مجھے برادرم مولانا ابوجندل کا خط ملا، جس میں انہوں نے دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ کچھ دینی کتابیں بھجوانے کی فرمائش بھی لکھی تھی۔ دہلی کی تہاڑ جیل میں وکیل کی سہولت میسر کی تھی اور ہم وہاں پر سترہ ماہ گزارنے کی وجہ سے بہت کچھ سیکھ بھی چکے تھے۔ چنانچہ میں نے کراچی میں اپنے احباب کو مولانا ابوجندل کا پتا اور ان کی فرمائش لکھ بھیجی۔ کراچی کے احباب نے پارسل کے ذریعے سے کتابیں،

کپڑے اور دیگر اشیاء ضرورت بھجوانا شروع کر دیں۔

اللہ کا کرنا دیکھئے کہ سنگرور جیل میں ڈاک کا نگران آفیسر ہمارے ساتھیوں کے ہاتھوں ایسا مسخر ہوا کہ اس نے خطوط اور پارسل بغیر سنسر کے دینا شروع کر دیے۔ چنانچہ کتابوں کے ساتھ ساتھ ضرب مؤمن کے تیرہ نسخے ان رفقاء تک پہنچ گئے۔ ادھر تہاڑ جیل میں ہمارے دو سال پورے ہو رہے تھے۔ چنانچہ ہمیں دوبارہ جموں کی کوٹ بھلوال جیل پہنچا دیا گیا، وہاں کافی سختی تھی۔ ہمیں سنگرور جیل سے آنے والے بعض دوستوں سے معلوم ہوا کہ ضرب مؤمن نامی اخبار سنگرور جیل میں پہنچ چکا ہے اور اس میں طالبان کے بارے میں عجیب وغریب خبریں اور آپ (راقم الحروف) کے مضامین بھی ہیں۔ یہ خبر سننے کے بعد ہم لوگ نہایت شدت اور اشتیاق کے ساتھ اس دن کا انتظار کرنے لگے کہ جب ہمارے سنگرور جیل والے ساتھی اپنے دو سال پورے کر کے کوٹ بھلوال تشریف لائیں گے۔ تب ان کے ساتھ ملاقات کی تمنا بھی پوری ہوگی اور ضرب مؤمن کو دیکھنے کا اشتیاق بھی۔ لیکن ہمیں یہ خدشہ بھی تھا کہ ممکن ہے ہمارے ساتھی جموں کے حالات سے بے خبری کی وجہ سے زیادہ احتیاط اور تدبیر سے کام نہ لیں اور یہ اخبار کوٹ بھلوال جیل کے حکام روک لیں۔

خیر وہ دن آن پہنچا جب سنگرور جیل والے رفقاء کا قافلہ ہمارے وارڈ میں داخل ہوا، ہم نے گرم جوشی اور تپاک کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور بلا توقف ضرب مؤمن کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم اسے لانے میں کامیاب ہو چکے ہیں اور پھر انہوں نے اس تدبیر کا ذکر کیا جسے بروئے کار لا کر وہ ضرب مؤمن کو دشمن کی آنکھوں سے بچا کر لانے میں کامیاب رہے۔ جیل میں سوائے ہندوستانی اخبارات کے اور کوئی اخبار یا دینی رسالہ نہیں پہنچتا تھا اور مجاہدین کے رسائل پر تو سخت پابندی تھی، اس لئے ایک خالص جہادی اخبار کا جیل میں پہنچ جانا کوئی چھوٹی خوشی نہیں تھی۔ چنانچہ تمام ساتھیوں نے ان تیرہ اخبارات کو پڑھا ہی نہیں، تقریباً حفظ کر لیا۔

ضرب مؤمن کے ساتھ ہم لوگوں کی یہ پہلی بالمشافہ ملاقات تھی اور ہم اس کے پہلے تیرہ شماروں کو پڑھنے کا سرور اس وقت حاصل کر رہے تھے جب اس اخبار کو نکلے ہوئے ایک سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ ضرب مؤمن کے ساتھ پہلی ملاقات کے بعد تمام اسیر ساتھیوں کے دل میں اس اخبار کی محبت گھر کر گئی اور ان سب کی تمنا تھی کہ اخبار کے مزید نسخے منگوائے جائیں لیکن حالات سازگار نہیں تھے۔ پھر اچانک اللہ

تعالیٰ کی نصرت متوجہ ہوئی اور ایک ذریعہ ایسا ہاتھ لگا کہ ہم نے ضرب مؤمن کے تقریباً پچیس نسخے اکٹھے منگوا لئے اور اس کے بعد بھی ایک دو بار ضرب مؤمن کے کچھ نسخے منگوانے کا موقع ملا۔

پہلی بار کے تیرہ شماروں کے بعد ہمارے پاس ضرب مؤمن کے جو شمارے پہنچے، ان میں ایک نام خاص طور سے رفقاء میں کافی مقبول ہوا۔ یہ نام تھا ''ابولبابہ''۔ ہمارے پاس پہنچنے والے تمام نئے شماروں میں ابولبابہ کا قلم خوفناک میزائلوں کی طرح دشمنانِ اسلام پر برس رہا تھا اور بعض اوقات اس قلم میں شیرینی اور درد بھر جاتا اور اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے سوئے ہوئے جذبات کو بیدار کرنے کی کوشش کی جاتی۔ رفقاء کرام مجھے واقف حال سمجھ کر پوچھتے کہ ابولبابہ کون ہیں؟ مگر میں خود اس بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا، البتہ مضامین پر غور کر کے الفاظ کے طمطراق میں چھپے مصنف کو ڈھونڈنے کی کوشش ضرور کرتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اس بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہ کر سکا۔

تجسس بھی عجیب چیز ہے، ہر لمحے بڑھتا ہے اور ہر کروٹ وار کرتا ہے۔ ہم سب ساتھیوں پر اس بارے میں تجسس کا بھوت حملہ آور تھا لیکن کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا کہ ہم نام سے شخصیت تک پہنچ سکتے، پھر اسی تجسس کو دل میں لئے میں الحمدللہ رہا ہو گیا۔

کراچی پہنچنے کے بعد ضرب مؤمن کے دفتر میں غالباً میرے ابتدائی سوالات میں سے ایک یہ تھا کہ ابولبابہ کون ہیں؟ جواب کے طور پر ایک (ہر اعتبار سے) بھاری بھر کم شخصیت نے محبت کے ساتھ گلے لگایا تو تجسس خوشی میں بدل گیا اور ابولبابہ کا پُراسرار نام لذت آشنائی سے ہمکنار ہو گیا۔ ہمارے پرانے دوست جو کسی زمانے میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے طالب علم تھے اور راقم سے چند درجے آگے تھے۔ پھر وہ ایک مشہور جامعہ میں جا بسے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک نوعمر مگر بالغ نظر فقیہ بن کر ابھرے اور اس مقتدر ادارے کی مسند افتاء کو رونق بخشنے لگے اور پھر ایک دوسرے معیاری علمی ادارے آپہنچے جہاں وہ علماء کرام کو مفتی بنانے کا اہم اور مشکل کام سرانجام دیتے ہیں اور ساتھ ساتھ ضرب مؤمن کے صفحات پر اپنے درد بھرے موتی بھی بکھیرتے ہیں۔

ہمارے یہ کرم فرما دوست ایک نکتہ رس عالم دین اور صاحب طرز ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کو درپیش بعض اہم معاملات کے خصوصی نباض ہیں۔ میری دعاء ہے کہ ان کے علم وقلم اور جہد وجہاد سے امت مسلمہ کو تاقیامت فائدہ پہنچتا رہے۔ ضرب مؤمن کے قارئین کو یقیناً اشتیاق ہو گا

کہ وہ اپنے محبوب قلم کار، پسندیدہ کالم نویس اور قابل رشک مفکر کا تعارف حاصل کریں، یہ کالم اسی اشتیاق کا جواب ہے۔ ابولبابہ کی دریافت ضرب مؤمن کا کارنامہ ہے۔ ضرب مؤمن کو اس کا تراشا ہوا شاہکار اور ابولبابہ کو ضرب مؤمن مبارک ہو۔

حضرات اکابر کا صبر وشکر

عام طور سے بیماری ہر کسی پر آتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے خوش قسمت بندے اس بیماری سے وہ سب کچھ پالیتے ہیں جو عام لوگ صحت کی حالت میں بھی نہیں پاسکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب، اس کی محبت اور اس کی معرفت ایک عظیم نعمت ہے اور اس نعمت کی بدولت انسان صحت میں بھی رحمت الٰہی کے خزانے لوٹتا ہے اور بیماری میں بھی اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے اپنی جھولی بھر سکتا ہے۔

گذشتہ دنوں حضرت اقدس، فقیہ العصر، مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ بندہ کئی دن سے سن رہا تھا کہ حضرت کو آواز کا عارضہ لاحق ہے، چنانچہ بندہ نے حضرت اقدس کی راحت کا خیال رکھتے ہوئے فون پر بھی بات نہ کی، البتہ اس بات کا عزم کرلیا کہ حضرت کی عیادت کے لئے خود حاضر ہوں گا۔ کراچی پہنچتے ہی بندہ دارالافتاء والارشاد حاضر ہوا لیکن حضرت اقدس کو دیکھتے ہی ساری پریشانی دور ہوگئی۔ آپ ماشاءاللہ پہلے کی طرح چاق وچوبند اور خوش وخرم نظر آئے۔ عصر کے بعد آپ نے حاضرین سے مصافحہ فرمایا، پھر آپ کی طرف سے ایک پرچہ پڑھ کر سنایا گیا۔ اس کے بعد آپ کا علماء کرام کی مجلس میں کیا گیا بیان سنایا گیا۔ یہ سب کچھ سن کر ایسا محسوس ہوا کہ حضرت اقدس اپنی علالت میں بھی محبت الٰہی کے مزے لوٹ رہے ہیں اور شکر نعمت کی کیفیت آپ پر پہلے سے بھی زیادہ طاری ہے۔ آپ کے پرچے اور بیان میں آپ کی علالت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا تذکرہ تھا اور آپ اس بات پر بار بار شکر ادا فرمارہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اب تک اپنا کام لے رہا ہے اور اس نے دین کا کام کرنے

کی توفیق بخشی ہوئی ہے۔

حضرت اقدس کی کیمیا اثر مجلس تقریباً پچیس منٹ تک جاری رہی اور اس میں معرفت اور صبر وشکر کے موتی لٹائے جاتے رہے۔ حضرت کے یہ الفاظ اب تک کانوں میں گونج رہے ہیں: ''یا اللہ! تو وہی رب ہے اور میں وہی بندہ ہوں، تو بے شک وہی ہے جس نے اب تک اس قدر انعامات فرمائے اور میں بھی تیرا وہی بندہ ہوں۔ یا اللہ! تُو تو نہیں بدل سکتا لیکن اگر تیرا بندہ کچھ بدل گیا ہے تو اسے پہلے جیسا بندہ بنادے۔'' سبحان اللہ! ان الفاظ میں معرفت ومحبت اور تواضع وانکساری کے کتنے خزانے چھپے ہوئے ہیں!! اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو صحت وعافیت کے ساتھ اور زیادہ خدمت دین کی توفیق عطاء فرمائے۔ اس مجلس میں بندہ عیادت کے لئے حاضر ہوا تھا لیکن دورانِ مجلس ایسا لگا کہ حضرت اقدس تو ماشاء اللہ! خوب صحت مند ہیں، جبکہ بندہ خود بیمار ہے اور اس مجلس میں دواء لینے کے لئے حاضر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس مبارک مجلس کو بندہ کے لئے اور دیگر حاضرین کے لئے واقعی دواء بنادے آمین۔

سفرِ کراچی کے دوران حضرت اقدس عارف باللہ، مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ کی عیادت کے لئے بھی حاضری ہوئی۔ آپ کے جسم کے ایک حصے پر کچھ دن پہلے فالج کا حملہ ہوا ہے۔ بندہ اشرف المدارس حاضر ہوا تو فوراً حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری ہوگئی۔ آپ صاحب فراش تھے لیکن زبان پر شکوے کی بجائے شکر جاری تھا۔ مصافحہ وملاقات کے بعد فرمایا کہ صحت بھی نعمت ہے اور بیماری بھی۔ ہم چونکہ کمزور ہیں اس لئے دُعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بیماری کی نعمت کو صحت کی نعمت سے مبدل فرمائے۔ ہم نے حضرت کی دعاء پر آمین کہی، کیونکہ اس دعاء کی قبولیت میں ایک فرد کا نہیں، بے شمار افراد کا دینی، ایمانی اور روحانی فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت حکیم صاحب مدظلہ کو صحت وعافیت عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

کراچی سے واپسی پر معلوم ہوا کہ حضرت اقدس، مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ العالی بھی علیل ہیں اور ان کی حالت کافی تشویشناک ہے۔ یہ سنتے ہی بندہ بلاتوقف ملتان جامعہ خیر المدارس جا پہنچا۔ خدام نے حضرت اقدس کو اطلاع دی تو آپ ملاقات والے کمرے میں تشریف لائے اور شفقت ومحبت کے ساتھ آپ نے طویل معانقہ فرمایا۔ بندہ کو طرح طرح کی چیزیں سن کر کافی پریشانی تھی لیکن حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے شکر میں غرق پایا۔ آپ کی آنکھوں پر بیماری کا حملہ ہوا تھا لیکن اب ایک آنکھ مکمل کھل چکی تھی۔ علالت کے باوجود آپ کافی دیر تک تشریف فرما رہے اور نہایت محبت کے

ساتھ جہاد اور مجاہدین کے حالات سنتے رہے اور نہایت والہانہ انداز میں دعاؤں سے نوازتے رہے۔

بندہ نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم اپنی تنظیم کو شرعی اصولوں پر کھڑا کر رہے ہیں اور بہت سارے غیر شرعی اور غیر مناسب اقدامات پر پابندیاں لگا رہے ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت بہت خوش ہوئے اور بہت ساری دعاؤں کے بعد فرمایا کہ بھائی اصل چیز دین ہے۔ تنظیمیں، جماعتیں اور ادارے اصل نہیں ہیں۔ اصل تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور اس کے دین پر عمل کرنا ہے، باقی چیزیں تو اس کے ذرائع ہیں۔ آخر میں دُعاء ہوئی اور ہم سارے رفقاء حضرت کی دست بوسی اور الوداع کے وقت آپ کے محبت بھرے رویے کے مزے دل میں سنبھالتے، آپ کے گھر سے باہر آگئے۔

آج جبکہ ہر طرف ناشکری کا مرض پھیلا ہوا ہے، علالت کی حالت میں ہمارے اکابر کا صبر وشکر ہمارے لئے ایک بہت بڑا سبق ہے۔ اسی طرح آج یہ بیماری بھی عام ہے کہ تھوڑی سی تکلیف کے آتے ہی دین کے کام کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور زندگی کے اصل مقاصد سے ہٹ کر صرف علاج کو مقصود بنالیا جاتا ہے، جبکہ میں نے دیکھا کہ ہمارے ان اکابر حضرات کے ہاں اصل فکر دین کے کام کی تھی جبکہ علاج وغیرہ کا معاملہ جزوی وثانوی طور پر چل رہا تھا۔

اے مسلمانو! یہ حضراتِ اکابر ہماری طرح انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری اور محبت نے انہیں اس مقام تک پہنچایا ہے تو پھر کیوں نہ ہم بھی آج سے ان کی یہ مبارک عادتیں اپنالیں۔ تکلیف اور پریشانی میں بھی اللہ کی محبت ومعرفت کے مزے لیں اور ناشکری کے مرض سے پیچھا چھڑا کر صبر وشکر سے ملنے والی راحت سے لطف اندوز ہوں۔ حضراتِ اکابر کا صبر وشکر ہمیں یہ بابرکت طرز زندگی اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔

والسلام

زیادہ کام کرنے کا نسخہ

پچھلے ہفتے باوجود کوشش کے معرکہ نہ لکھا جاسکا، بلکہ وہ دیگر معرکہ آرائیوں کا شکار ہوگیا۔اس پر محترم قارئین سے بہت بہت معذرت۔ مدرسہ سید احمد شہید میں ہر ماہ کے پہلے پانچ دن گذارنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ کچھ فرصت کے لمحات نصیب ہوں گے جن کا فائدہ اٹھا کر کاغذ وقلم کے ساتھ رشتہ برقرار رکھنے کا موقع ملے گا، لیکن یہ آرزو ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے کیونکہ گذشتہ دو ماہ یہ پانچ دن بھی ہنگامہ آرائیوں کی نذر ہوگئے۔ ملاقاتیوں کا ہجوم، جلسوں میں بلانے والوں کا بے ہنگم مطالبہ، محاذوں کے مسائل اور مجاہدین کے قابل حل معاملات نے ہروقت گھیرے رکھا۔ میں نے دونوں بار ''مسکراتے زخم'' نامی کتاب کا مسودہ اپنے ساتھ رکھا تا کہ ان پانچ دنوں میں اسے ترتیب اور نظر ثانی کے مراحل سے گذارلیا جائے لیکن یہ کام بھی نہ ہوسکا، حالانکہ اس کام کو مکمل کرنے کا مطالبہ زور پکڑتا جارہا ہے۔قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اس سلسلے میں خصوصی دُعاء فرمائیں تا کہ قلم کے ذریعے اُمت مسلمہ کے ساتھ عمومی ملاقات کی نعمت نصیب رہے۔اس موقع پر اپنے اکابر کے معمولات اور ان کے اوقات میں برکت کے مناظر دیکھ کر بے حد رشک آتا ہے۔

گذشتہ دنوں کراچی میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی۔ حضرت بلاشبہ اس دور میں مسلمانوں کے لئے عظیم نعمت الٰہی ہیں۔آپ کی والہانہ دعاؤں سے دل کو بہت سہارا ملا اور یہ دیکھ کر حیرانی اور خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ! تدریس کی جان توڑ محنت، سپریم

کورٹ کی بے ہنگم مصروفیت، وعظ وارشاد میں کئے جانے والے دور دراز اسفار کے باوجود لکھنے کا سلسلہ پوری آب وتاب کے ساتھ جاری ہے اور ہر آئے دن آپ کی تصنیفات میں گرانقدر اضافہ ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فیض کو تا قیامت جاری وساری رکھے۔

پھر گوجرانوالہ سفر کے دوران محقق العصر حضرت اقدس مولانا سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضری ہوئی تو یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ پیرانہ سالی اور ہجوم امراض کے باوجود دین کا کام اور تعلیم وتعلم کا سلسلہ نہایت پامردی کے ساتھ جاری وساری ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو صحت و عافیت عطاء فرمائے اور ان کے فیض کے اثر کو ہر لمحہ جاری رکھے۔

سرگودھا کے دورے کے موقع پر ساہیوال نامی دوردراز قصبے میں بقیۃ السلف حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی تو یہ دیکھ کر ایمان کو جلا پہنچی کہ اس عمر میں بھی آپ احکام القرآن کا مقدمہ اور حضرت شیخ الاسلام مدنی نوراللہ مرقدہ کی تقریر بخاری پر تحریری کام فرمارہے ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کی ہمت، محنت اور دین کے کام کے ساتھ ان کے شغف کو دیکھ کر رشک بھی آتا ہے اور بے ہمت دل میں ہمت کا ولولہ بھی دوڑ جاتا ہے۔لیکن ساتھ ساتھ یہ خیال بھی آتا ہے کہ اگر اوقات کی ترتیب بنانے میں ساتھی تعاون فرمائیں اور کاموں کو کسی حد تک تقسیم کرلیا جائے تو دین کا زیادہ سے زیادہ کام پائیدار بنیادوں پر کیا جاسکتا ہے اور وقت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جلسے جلوسوں میں زیادہ وقت صرف کرنے کی بجائے جہاد کی بنیادوں کو مضبوط کیا جائے اور مجاہدین کے لئے ایسے اقدامات کئے جائیں جن کی بدولت جہاد زیادہ عرصے تک سہولت سے جاری رہ سکے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جہاد اور مجاہدین کے لئے زیادہ سے زیادہ نظریاتی مواد فراہم کیا جائے اور مجاہدین کی شعوری تربیت کے لئے مراکز، مدارس اور تربیت گاہوں کا جال پھیلایا جائے۔

شہداء کرام میں سے ہر ایک کے جنازے میں شرکت کی بجائے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ شہداء کرام کے مشن کو جاری رکھنے کے لئے مخصوص اقدامات کئے جائیں اور ان کے پسماندگان کی معقول کفالت کا بندوبست کیا جائے۔اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جہاد کے تمام شعبوں کو پختہ اصولوں پر منظم کیا جائے تا کہ اموال میں خیانت اور اوقات کے ضیاع کے جرم عظیم سے بچا جاسکے۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جہاد میں مال کی بے حد ضرورت پیش آتی ہے، اسی لئے قرآن و حدیث میں جہاد پر مال خرچ کرنے کی ضرورت اور فضیلت کو نہایت اہمیت کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے، کیونکہ اگر بڑے بڑے جلسے ہوتے رہیں، ریلیاں نکلتی رہیں، شہداء کے گھروں کے دورے ہوتے رہیں، مدارس کے اجتماعات میں شرکت ہوتی رہے، لیکن معسکر میں تربیت حاصل کرنے والوں کے پاس کھانا نہ ہو، محاذ پر لڑنے والوں کے پاس گولیاں نہ ہوں اور جہاد میں زخمی ہونے والوں کے لئے دوائیاں اور ہسپتال نہ ہوں تو پھر جہاد کس طرح سے جاری رہ سکتا ہے؟ اس لئے مجاہدین اور جہاد کے ساتھ محبت رکھنے والے مسلمانوں سے گذارش ہے کہ وہ ان تمام معاملات پر غور فرمائیں۔

ایسا نہ ہو کہ ایک شخص کو صبح سے شام تک تقریروں میں لگایا جائے اور پانچ پانچ منٹ کے لئے بیسیوں جگہ پھرایا جائے اور جلسوں کی بھرمار میں سانس تک نہ لینے دیا جائے اور دوسری طرف اس سے یہ مطالبہ بھی کیا جائے کہ وہ ٹریننگ سینٹر میں گھی اور آٹا بھی پہنچائے، محاذوں کے مجاہدین کے پاس اموال بھی بھیجے، رسالے میں باقاعدگی سے مضامین بھی لکھے، ہزاروں لوگوں سے معانقے اور مصافحے کے نام پر دھکے بھی کھائے اور ہر دعوت دینے والے کی دعوت پر لبیک کہہ کر اس کے جلسے میں حاضری بھی دے۔ میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام کاموں کو جاری رکھے اور ان میں سے کسی بھی کام میں خلل نہ آئے۔

لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب باصلاحیت افراد آگے بڑھ کر میدان میں آئیں اور پھر کام کو تقسیم کر لیا جائے۔ کوئی اپنے ذمے ٹریننگ سینٹر کے ساتھیوں کا کھانا لے، کوئی اپنے ذمے محاذ کی کفالت لے، کوئی زخمیوں کے لئے ہسپتال بنانے کی بھاگ دوڑ کرے (عنقریب اس طرح کا ایک ہسپتال ان شاء اللہ مظفر آباد میں کھولا جائے گا۔) کوئی شہداء کرام کے ورثاء کی کفالت کا بندوبست کرے اور کوئی تقریر و تحریر کے میدان میں مخلصانہ تعاون کرے اور جو مسلمان ان کاموں میں سے کوئی بھی کام نہ کر سکے تو وہ صرف اتنا کرے کہ ان کاموں میں رکاوٹ نہ ڈالے اور اگر اس کی کسی دعوت کے جواب میں معذرت کی جائے تو اسے خندہ پیشانی سے قبول کر لے۔

کچے گھروں کو بچائیے

حالیہ دورۂ پنجاب کے دوران بعض شہداء کرام کے گھروں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ شہداء کرام کی زندہ کرامت ہے کہ ہر جگہ میں نے شہداء کے والد اور دیگر اہل خانہ کو مسرت و رضا کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کے حضور شکر گذاری کرتے ہوئے دیکھا۔ گوجرانوالہ جامعہ نصرۃ العلوم کے مہمان خانے میں ایک بزرگ مجھے ہنستے مسکراتے ہوئے ملے، وہ فرما رہے تھے: ”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ایک بیٹے کو قبول فرما لیا، اب میں نے دوسرے کو تیار کر لیا ہے“۔

اس سفید ریش بزرگ کے چہرے پر بکھری ہوئی مسکراہٹ اور سکون کو دنیا کے بڑے بڑے دولتمند اپنا سارا سرمایہ خرچ کر کے بھی نہیں خرید سکتے اور ان شاء اللہ جو کچھ اسے آخرت میں ملے گا، اس کے تو کیا کہنے؟

ساہیوال میں نوید شہید رحمہ اللہ علیہ کے گھر جانا ہوا تو ان کے والد محترم کو ایمانی جذبات سے منور پایا، وہ بار بار اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے اور ان کی خوشی چھپائے نہیں چھپتی تھی۔ ان کے شہید بیٹے کا جسم جب ساہیوال پہنچا تو والد محترم کہیں سفر پر تھے، جنازہ اٹھایا جا رہا تھا، تو وہ پہنچے اور فرمانے لگے: ”مجھے ایک چیز دیکھ لینے دو“۔ پھر انہوں نے شہید کے چہرے کو دیکھا اور بلند آواز سے الحمد للہ پڑھنے لگے۔ ساتھیوں کے پوچھنے پر انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے بیٹے کے جسم پر گولی لگنے کی جگہ دیکھنا چاہتا تھا اور الحمد للہ! اسے وہیں پر گولی لگی ہے، جس جگہ میں نے اسے آخری بار رخصت کرتے ہوئے بوسہ لیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی

بتایا کہ میرا بیٹا ہر بار مجھ سے درخواست کرتا تھا کہ میں اسے شہادت کی دعاء دوں مگر میں ہر بار اسے ٹال دیتا تھا۔ آخری بار اس نے مسائل وفضائل سنا کر مجھے آمادہ کرلیا، چنانچہ میں نے اسے شہادت کی دُعاء دی اور اس کی پیشانی کے ایک طرف بوسہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے میری دُعاء سن لی اور اسی بوسے کے مقام پر لگنے والی گولی سے اسے شہادت کا عظیم مقام ملا۔

ساہیوال ہی میں جیش کے مقامی رفقاء نے ضلع ساہیوال کے شہداء کرام کے ورثاء کے ساتھ ملاقات کی ترتیب بنائی تھی۔ اس مجلس میں ضلع ساہیوال سے تعلق رکھنے والے تقریباً ۳۵ شہداء کرام کے ورثاء تشریف لائے۔ ان کے ساتھ اسی ضلع کے اسیران راہِ حق کے اہل خانہ بھی تھے، بیان اور دُعاء کے ساتھ ساتھ ان حضرات کی خدمت میں جہادی کتابوں کے سیٹ بھی پیش کئے گئے۔ ان تمام حضرات کے چہروں پر بھی ایمانی حلاوت اور تشکر کے جذبات عیاں تھے۔ بورے والہ، عارف والہ اور سرگودھا میں بھی بعض شہداء کرام کے گھروں میں جانے کی سعادت ملی۔ اکثر جگہوں پر معلوم ہوا کہ شہداء کرام نے اپنی آخری وصیت میں اپنے اہل خانہ سے گذارش کی تھی کہ جب مجاہدین ان شہادت کی خبر لائیں تو مٹھائی کے ذریعے ان کی ضرور تواضع کی جائے۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ عام طور سے جوان اولاد کے انتقال کا صدمہ والدین کو زندہ درگور کردیتا ہے اور وہ سالہا سال تک اس صدمے کے بوجھ سے نبرد آزما رہتے ہیں اور ان گھرانوں سے خوشیاں اور سکون چھن جاتا ہے، جن سے جوان بیٹوں کے جنازے اٹھتے ہیں۔ لیکن یہ شہادت کی کرامت ہے کہ ان بیٹوں کے خون سے نہائے ہوئے چہرے ماں باپ کے لئے دل کا زخم نہیں بلکہ سکون بن رہے ہیں اور شہداء کے گھروں میں ماتم کی بجائے تشکر کے شادیانے بج رہے ہیں۔ امت مسلمہ کے ان کڑیل نوجوانوں کے بوڑھے ماں باپ اللہ تعالیٰ کے حضور شکوے کی بجائے شکر بجالا رہے ہیں اور بددین لوگوں کے طعنے سہہ کر بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی اور خوش ہیں۔ یقیناً یہ بہت بڑی سعادت ہے، خود ان والدین کے لئے بھی اور پوری امت مسلمہ کے لئے بھی۔

لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ میں نے اکثر شہداء کرام کے گھروں پر غربت وافلاس کے جالے دیکھے۔ جنہیں دیکھ کر میرا دل بے حد رنجیدہ اور شرمسار ہوا۔ کہیں مکان کی چھت ٹوٹی ہوئی ہے تو کہیں دیواریں۔ کہیں بوڑھے والدین قرضے میں جکڑے ہوئے ہیں تو کہیں جوان بیٹیوں کا ساتھ اور

معاشرے کی بے جا ظالمانہ رسومات انہیں گھیرے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کچے گھروں سے امت کے وہ قابل فخر نوجوان کھڑے کئے جن کے خون کے دم سے پکی مسجدیں اور پکے مکانات محفوظ ہیں لیکن امت مسلمہ کے غفلت شعار عناصر نے ان کچے گھروں کی قدر کو نہیں پہچانا۔ چنانچہ یہ کچے گھر امت کی بے حسی کا شکوہ کرتے ہوئے زمین بوس ہو رہے ہیں اور امت کے شہداء کو جننے والی ماؤں کا بڑھاپا ننگے آسمانوں کے نیچے سسک رہا ہے۔ کیا زندہ دل قومیں اپنے بہادر فرزندوں کے ساتھ یہی معاملہ کرتی ہیں؟ کیا اسلام کے محافظوں کے اپنے گھر حفاظت کے لئے اسی طرح ترستے رہیں گے؟

وردی پہننے والے فوجی خواہ وہ کسی ملک کے ہوں، اگر کام آجائیں تو ان کی دیکھ بھال حکومت کی ذمہ ہوتی ہے۔ کوئی کھلنڈرا کھلاڑی مرجائے تو اس کے اہل خانہ کے لئے کھیل کی تنظیمیں طرح طرح کے پروگرام بناتی ہیں۔ کوئی ناچنے گانے والا میراثی مرجائے تو اس کے ہم پیشہ افراد امدادی شو کرتے ہیں۔ یہودیوں کی تنظیمیں ان کے گھروں پر سونے کی بارش کردیتی ہیں، لیکن اسلام کے نام پر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے قربانی دینے والوں، امت مسلمہ کے تحفظ کی خاطر جان نچھاور کرنے والوں کے اہل خانہ کی کفالت کن کے ذمے ہے؟

کون سوچے؟ کون فکر کرے؟ کسی نے گھر میں کتے پالنے ہیں، کسی نے آئندہ سات نسلوں کے لئے بینک اکاؤنٹ بھرنے ہیں، کسی نے اپنی عیاشیوں پر پانی کی طرح پیسہ بہانا ہے، کسی نے بنی ہوئی مساجد توڑ کر بار بار بنوانی ہیں، کسی نے اپنے ذوق کو پورا کرنے پر لاکھوں کروڑوں کے خرچے کرنے ہیں اور کسی نے نفل عبادت کی خاطر لاکھوں روپے بہانے ہیں۔

کاش! اسلامی حکومت ہوتی، جوان شہداء کے اہل خانہ کی قدر پہچانتی اور ان کی کفالت اپنا اولین فرض سمجھتی۔ کاش! مسلمانوں کے سینوں میں اس دین کی قدر ہوتی جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے، تب وہ جہاد کو سمجھتے اور شہادت پانے والوں کے مقام کو پہچانتے اور ان کے اہل خانہ کی کفالت کرتے۔ کاش! مالداروں کے سینوں میں مسلمان دل ہوتا تو ایک ایک شخص دس دس خاندانوں کی آسانی سے کفالت کرلیتا۔ کاش! جہاد کی اہمیت کو کما حقہ اجاگر کیا جاتا تو آج ان معاملات پر ترغیب دینے کی ضرورت بھی نہ پڑتی۔

کاش! مسلمان اس دور کی حقیقت کو سمجھیں اور اپنی جان اور مال کی قربانی کو سعادت جانیں کیونکہ

عنقریب خونریز جنگوں کا دور آنے والا ہے۔ ایسا دور جس میں موت عام ہوگی، قتل وغارت کا دامن ہر کسی کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا، فتنے رات کی تاریکی کی طرح چھا جائیں گے، اس وقت کا لڑنا اضطراری ہوگا اور ہر شخص کو مجبوراً نکلنا پڑے گا، جب کہ آج جہاد ایک اختیاری نعمت ہے اور اس جہاد میں اپنا سب کچھ لگانا خود ہمارے لئے مفید ہے۔ آگے بڑھئے! خود بھی میدان جہاد کے راہی بنئے اور شہداء کرام کے اہل خانہ کی کفالت کے لئے وہ سب کچھ کر گزریئے جو آپ کر سکتے ہوں۔

دو باتوں میں اختیار

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ آج کل دین کا کام کرنے کے لئے ذرائع ابلاغ یعنی پریس اور میڈیا کو راضی رکھنا ضروری ہے کیونکہ یہ زمانہ میڈیا کا زمانہ ہے اور ذرائع ابلاغ کے بغیر آگے چلنا ممکن نہیں ہے۔ جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشکیل کے بعد احباب کا یہ مطالبہ زور پکڑتا جارہا ہے کہ میڈیا کو راضی کیا جائے تاکہ جیش کی کارروائیاں اخبارات میں نمایاں مقام حاصل کر سکیں، جب کہ حالت یہ ہے کہ جیش کی وہ کارروائیاں جن سے انڈیا کا پریس کانپ اٹھتا ہے، پاکستانی اخبارات میں جگہ نہیں پاتیں، جس سے جیش کے لاکھوں محبین کو مایوسی ہوتی ہے۔ احباب کا یہ مشورہ اور ان کا مطالبہ برحق، لیکن سوال یہ ہے کہ میڈیا کو کیسے راضی کیا جائے؟

اگر میڈیا کا کام خبروں کی تلاش اور ان کی اشاعت ہوتا تو ہمارے لئے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ اگر میڈیا کا کام صاف ستھری صحافت کو فروغ دینا ہوتا تو ہمارے لئے کوئی الجھن نہیں تھی۔ اگر میڈیا کا کام حق اور سچ کی اشاعت ہوتا تو ہم اس میڈیا پر آنے کی ضرور کوشش کرتے، لیکن حالات بدل چکے ہیں اور اب تو (اِلّا ماشاء اللہ) صحافت ایک نفع بخش تجارت بن چکی ہے۔ ایسی تجارت جس میں لاٹری کی طرح بہت جلد اور بہت بڑا منافع ہاتھ لگتا ہے اور بلیک میلنگ کے ذریعے اکثر صحافی اپنی قیمت بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے اس زمانے میں میڈیا کو راضی کرنے کی پہلی شرط اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا ہے۔ چنانچہ وہ تنظیمیں جنھیں زندہ رہنے کے لئے میڈیا کے آکسیجن کی ضرورت پڑتی ہے، بے شمار سرمایہ صحافیوں کو خوش

کرنے پر خرچ کرتی ہیں۔ بڑے اخبارات میں بیانات لگوانے کے ریٹ مقرر ہیں اور اپنی پسند کے کالم لکھوانے کی قیمت بھی طے شدہ ہے۔

تجزیہ نگاری کا دعویٰ کرنے والے اکثر قلمکار مختلف اداروں، تنظیموں اور افراد کے بار احسان تلے دب کر تجزیے لکھتے ہیں اور بہت جلد ترقی کے زینے پر اونچی جگہ پالیتے ہیں۔ اکثر سیاسی جماعتوں نے اپنے اپنے میڈیا سیل قائم کررکھے ہیں جو بیش بہا سرمایہ خرچ کرکے اپنی پارٹی کو اخبارات میں زندہ رکھتے ہیں اور مختلف اخبارات اور صحافیوں کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کو ملک کے قومی اخبارات میں ان سیاستدانوں کے بیانات اہم مقامات پر نظر آئیں گے جن کا معاملہ میڈیا کے ساتھ فیاضانہ ہے، حالانکہ ملک کی زمین پر ان سیاستدانوں کے حامی بعض جنگلی جانوروں کی طرح نادر اور کمیاب یا بالکل نایاب ہوتے ہیں۔ یہ سیاستدان اگر کہیں دس آدمیوں کو جمع کرلیں تو اخبارات کے بڑے بڑے کالم ان کے لئے مختص ہوجاتے ہیں، جب کہ وہ افراد جو میڈیا کو خوش نہیں کرسکتے وہ اگر دو لاکھ افراد بھی جمع کرلیں تو ان کے اجتماع کا تذکرہ کسی اخبار میں نظر نہیں آتا۔

ان حالات میں بہت سارے افراد اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے میدان میں اتر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ جیب کو تھوڑا سا ہلکا کریں پھر دیکھیں اخبارات کا رنگ ہی بدل جائے گا۔ مثلاً فائیو اسٹار ہوٹلوں میں صحافیوں کو اچھا سا کھانا، یا ایک دفعہ چائے مع گلاب جامن کھلائیں، یا بعض کالم نگاروں سے نجی ملاقات کرکے ان کے ذاتی مسائل حل کریں، یا اور کچھ نہیں تو اخبارات کے دفاتر کے چکر کاٹیں اور ان کے نازنخرے برداشت کریں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے جہاد کا کام کرنے والے افراد سوچتے ہیں: ہم یہ سب کچھ کیوں کریں؟ کیا جہاد فنڈ کو ان مقاصد کے لئے استعمال کرنا جائز ہے؟ کیا صرف عوامی تشہیر کی خاطر رشوت جیسا گناہ کبیرہ کرنا جائز ہے؟ کیا بعض اخبارات کے منفی پروپیگنڈے اور شر سے بچنے کے لئے دوسرے اخبارات کو استعمال کرنا، اس پر اپنا وقت اور سرمایہ برباد کرنا جائز ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ملے گا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ دین کا کام میڈیا کا محتاج نہیں ہے، البتہ میڈیا بعض اوقات ان دینی کاموں کے تذکرے پر خود کو مجبور پاتا ہے۔

تبلیغی جماعت کا عالمی کام قومی میڈیا سے دور رہنے اور بعض اوقات میڈیا کی ناجائز مخالفت سہہ

کر بھی الحمدللہ روز افزوں ترقی پر ہے۔ دینی مدارس قومی میڈیا سے ہمیشہ غائب رہے ہیں (اِلّا ماشاء اللہ) مگر اس کے باوجود ان کی جڑیں زمین کی تہ تک اور شاخیں آسمان کی بلندیوں تک پہنچ چکی ہیں۔ تزکیۂ نفس کے خالص اسلامی مراکز کا نور میڈیا کا سہارا لئے بغیر چار دانگ عالم میں پھیل رہا ہے اور سب سے بڑھ کر جہاد کا کام میڈیا کی بھونڈی مخالفت کے باوجود ایک انمٹ حقیقت بن کر آسمان کے افق پر سورج کی طرح چمک رہا ہے۔

پھر یہ بھی قابل غور اور قابل شکر پہلو ہے کہ دین کا خالص کام کرنے والوں نے جب میڈیا کی خاطر اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کے اپنے ذرائع ابلاغ میں بے انتہا برکت ڈال دی اور انہیں وہ ترقی عطاء فرمائی جس کا چند سال پہلے تک وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ مثلاً ہفت روزہ ضرب مؤمن اور پندرہ روزہ جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قارئین کی تعداد الحمدللہ! لاکھوں کے عدد سے متجاوز ہورہی ہے اور اب یہ فضا بن چکی ہے کہ اگر یہی ادارے اپنا روزنامہ نکالیں تو مسلمان اسے بھی ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور بغیر کسی شرم اور بے غیرتی کے اپنے گھر بھی لے جاسکیں گے، جب کہ آج لاکھوں مسلمان ملک کے قومی اخبارات اپنے گھر لے جانا بے شرمی اور بے غیرتی محسوس کرتے ہیں، کیونکہ یہ اخبارات نازیبا تصاویر اور مواد سے پر ہوتے ہیں۔

پھر یہ بھی مقام شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قومی اخبارات اور عمومی صحافت کے کیچڑ میں بھی ایسے شفاف ذہن والے افراد پیدا فرمادیے ہیں جو حرص اور حب دنیا سے پاک ہیں اور صرف سچ لکھتے ہیں اور سچ ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ ان حالات کو دیکھ کر ہمارا یہ عقیدہ اور مستحکم ہوگیا ہے کہ ہم وقتی مجبوریوں اور عارضی خطرات کو خاطر میں نہ لائیں اور نہ ہی حالات سے گھبرا کر میڈیا کی سوراخ زدہ چھت کی پناہ لینے کے لئے اللہ تعالیٰ کی رسی کو چھوڑیں اور نہ ہی کسی کے منفی پروپیگنڈے سے گھبرا کر اپنے زرین اسلامی اصولوں سے انحراف کریں۔

اس موقع پر ہمارے لئے اپنی مقدس مائیں یعنی ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن بہترین مثال ہیں۔ انہیں ایک وقت میں یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ یا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرلیں یا دنیا کی زیب و زینت کو، تو ہماری ان پاک اور مقدس ماؤں نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اختیار فرمایا اور دنیا کی زیب و زینت کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھا، تب انہیں اللہ

بھی مل گیا، اس کا رسول بھی اور دنیا اور آخرت کی سرفرازیاں بھی ان کا مقدر بنیں۔

آج ہمارے سامنے بھی دو راستے ہیں کہ ہم یا تو اللہ کو راضی کرلیں یا میڈیا کو؟ ہم اس موقع پر یہی فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ کو راضی رکھیں گے اور میڈیا کی پروانہیں کریں گے اور جہادی اموال میں خیانت، رشوت بازی اور فوٹو بازی جیسے جرائم کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض اور میڈیا کو خوش نہیں کریں گے۔

ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سچے دل کے ساتھ اس موقف پر ڈٹے رہے تو ان شاء اللہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا بھی نصیب ہوگی اور جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے گھر سے معاونین ملے، اسی طرح ہمیں بھی ان شاء اللہ موجودہ میڈیا کی دلدل سے ایسے افراد اور ایسے اخبارات ملیں گے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقصود بنا کر آخرت کی فکر رکھتے ہوئے ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔

والسلام

میلہ ختم

بہت زور و شور سے شروع ہونے والا اقوام متحدہ کا اجلاس ختم ہوگیا۔ اس اجلاس کو ''ہزاری اجلاس'' کا نام دیا گیا تھا حالانکہ اقوام متحدہ کی عمر صدیوں پر نہیں چند دہائیوں پر محیط ہے، لیکن عیسائی آج کل ہر معاملے میں نئی ہزاری کا شوشہ چھوڑ کر اپنی طاقت، قوت اور حکومت کا سکہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ باور کراتے ہیں کہ ہم نے دنیا میں دو ہزار سال گذار لئے ہیں اور اب تیسری ہزاری میں تمام دنیا پر صلیب کو گاڑ دیں گے۔ حالانکہ یہ محض خام خیالی اور خود فریبی ہے لیکن صلیبی بہر حال اس خود فریبی ہی میں رہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اقوام متحدہ کے حسب روایت سالانہ اجلاس کو بڑا میلہ قرار دے کر دنیا بھر کے مداریوں کو اپنا اپنا تماشہ دکھانے کی دعوت دی گئی اور حسب توقع اکثر سربراہان مملکت نے اس موقع کو بہت بڑی غنیمت اور سعادت جانا اور وہ اپنے ممالک سے کروڑوں ڈالر کے تھیلے اور بڑے بڑے وفود لے کر بڑے مداری کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

اجلاس زور و شور سے شروع ہوا اور آنکھوں کو تھکا کر ختم ہوگیا، مگر کوئی بھی یہ بتانے کے لئے تیار نہیں ہے کہ اس اجلاس سے کسی مظلوم کو کیا فائدہ ملا؟ یا کسی غریب کو کیا راحت ملی؟ عراق کے بچے اقوام متحدہ کی چوکھٹ پر آج بھی ذبح ہو رہے ہیں، اس اجلاس نے انہیں کیا دیا؟ کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کی ظالمانہ پالیسیوں کی بدولت جوں کا توں ہے، وہاں اٹھنے والی روزانہ کی پچیس لاشوں کو اس اجلاس نے کیا دیا؟ افغانستان کے مسلمان اقوام متحدہ کی بے انصافی کی بدولت طرح طرح کی مشکلات کا شکار ہیں، جبکہ اقوام

متحدہ کے اونچے دفاتر میں انہیں پناہ دی جارہی ہے جو دن رات افغانستان کو تباہ کر رہے ہیں، اس اجلاس نے افغانستان کی بیواؤں کو کیا دیا؟ سوڈان اور لیبیا کے مسلمان اقوام متحدہ کی ناجائز اقتصادی پابندیوں کی وجہ سے بھوکے مر رہے ہیں، اس اجلاس نے ان مظلوموں کو کیا دیا؟ براعظم افریقہ جو اقوام متحدہ کی پالیسیوں کا شکار ہو کر بیمار، کمزور اور ہڈیوں کے ڈھانچے بنے انسانوں کا مسکن بنا ہوا ہے، اس اجلاس نے اسے کیا دیا؟ اقوام متحدہ کی امن فوج ہمارے مسلمان ملک صومالیہ کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل کر بھاگ گئی، اس اجلاس نے صومالیہ کے ان بچوں کو کیا دیا؟

ہر سوال کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ اقوام متحدہ وہ نہیں ہے جو نظر آتی ہے، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کا جو مرکز دور جدید میں بنایا گیا ہے، اقوام متحدہ اسی کا نام ہے۔ چنانچہ جن ملکوں میں اسلام کے خلاف کام کرنے کے لئے فوجی انقلاب کی ضرورت ہو، وہاں اقوام متحدہ خود جمہوریت کے گلے پر چھری چلاتی ہے اور جن ممالک میں جمہوریت کے ذریعے اسلام دشمنی کا کھیل کھیلا جارہا ہو، وہاں اقوام متحدہ جمہوریت کی محافظ بن کر ابھرتی ہے۔ انسانوں کے حقوق، عورتوں کے حقوق اور جمہوریت کی بحالی اقوام متحدہ کے وہ نعرے ہیں جن کے ذریعے وہ مسلمانوں کا شکار کرتی ہے۔ اقوام متحدہ کے کان مشرقی تیمور میں فوجی بوٹوں کی آواز سن لیتے ہیں، لیکن انہیں مقبوضہ کشمیر میں چلنے والی توپوں کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اقوام متحدہ کو افغانستان کی باپردہ خواتین کا پردہ اتارنے کی فکر تو ہے، لیکن اسے عراق کی بھوکی خواتین کی فکر نہیں۔

دنیا کے دانشور سوچ رہے تھے کہ شاید اقوام متحدہ کا ہزاری اجلاس کچھ تبدیلیاں لائے گا لیکن یہ اجلاس بھی قوالی کا مقابلہ ثابت ہوا اور ہر قوال نے دوسروں کی لکھی ہوئی قوالی پڑھی اور اس قوال کے ساتھ آنے والے تماش بینوں نے اس قوالی کی خوب داد دی اور پھر میڈیا پر نوٹوں کی بوچھاڑ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ فلاں کا دورہ کامیاب رہا اور فلاں کا ناکام، فلاں کی قوالی زیادہ اچھی تھی اور فلاں کی بالکل بے کار، فلاں کی فلاں سے ملاقات خوشگوار رہی اور فلاں کے ساتھ ناخوشگوار۔

عجیب بات یہ ہے کہ دنیا کی اقوام کے اس پلیٹ فارم پر دنیا کی سب سے طاقتور اور غیور افغان قوم کا کوئی نمائندہ موجود نہیں تھا اور نہ ہی اس پلیٹ فارم پر کسی مظلوم کی کوئی بات سنی گئی۔ بس ایک بڑا سا میلہ لگا، ایئر لائن کمپنیوں نے نوٹ کمائے، امریکی ہوٹلوں نے ڈالروں کے ڈھیر سمیٹے، پریس والوں کی

موج ہوئی، امریکی سیر گاہوں اور مارکیٹوں کے وارے نیارے ہوئے، حکمرانوں کے قریب رہنے والے سیکریٹریوں نے داد لی اور جھڑکیاں کھائیں، چند روز تک میڈیا پر اس میلے کے ڈھول ڈھمکے نشر ہوتے رہے، مگر کسی بھوکے کو روٹی نہ ملی اور نہ ان ماؤں کے کٹھن انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں جو ظالموں کی قید میں بند اپنے بیٹوں کے انتظار میں دن اور رات کی گھڑیاں گن رہی ہیں۔

بم دھماکہ یا جہاد کا زلزلہ

اسلام آباد میں ہونے والے حالیہ بم دھماکوں نے بزدل صحافیوں کے قلم کو ''بہادر'' بنا دیا ہے۔ چنانچہ وہ جہاد اور مجاہدین کے خلاف خوب لکھ رہے ہیں اور قوم کو اس بات سے ڈرا رہے ہیں کہ اگر پاکستان میں جہاد کے نعرے لگتے رہے تو اس کے ردعمل کے طور پر یہ دھماکے بھی ہو سکتے ہیں، اس لئے ہم جہاد سے توبہ کرلیں، مجاہدین پر پابندی لگا دیں اور کافروں کی بالادستی تسلیم کر کے ان سے امن کی بھیک مانگیں۔

دوسری طرف وہ صحافی جنہیں بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کا دور زیادہ سہانا لگتا تھا، اس دھماکے کا ذمہ دار موجودہ فوجی حکومت کو قرار دے رہے ہیں اور قوم کو بتا رہے ہیں کہ ماضی قریب کی مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کی حکومتوں کے زمانے میں پاکستان امن کا گہوارہ تھا جبکہ موجودہ حکومت کے زمانہ میں دھماکے ہو رہے ہیں۔

اس طرح قلمکاروں کا ایک طبقہ اس دھماکے کے بعد جمہوریت کا رونا رو رہا ہے اور قوم کو سمجھا رہا ہے کہ یہ ساری مصیبت جمہوریت کے ساتھ بے وفائی کرنے کی وجہ سے آئی ہے، چنانچہ بعض ممالک جنہیں پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کی فکر ہے، یہ دھماکے کرا رہے ہیں تاکہ موجودہ حکومت جمہوریت کو پھر بحال کر دے۔

یہ تینوں طبقے اس خوفناک بم دھماکے میں شہید اور زخمی ہونے والوں سے بے پرواہ ہو کر اس دھماکے کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں اور اسلام و پاکستان کے دشمنوں سے قوم کی توجہ ہٹا

رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ خوفناک دھماکے اسلام اور پاکستان کے خلاف کئی دشمنوں کے گٹھ جوڑ پر مشتمل ایک مسلسل سازش کا حصہ ہیں اور اس سازش کا مقصد پاکستانی حکومت کو اس بات پر آمادہ کرنا ہے کہ وہ جہاد اور مجاہدین کے خلاف صف آراء ہو جائے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے ملک کے اہم دفاعی ذریعے کا گلا گھونٹ دے۔

ماضی گواہ ہے کہ اسلام دشمن قوتوں نے یہی حربہ عراق میں بھی آزمایا، جب صدر صدام اور ان کی پارٹی ''حزب البعث العربی الاشتراکی'' کو اسلام کے ساتھ مخلص مجاہد طبقے کے خلاف صف آرا کیا گیا۔ حزب البعث نے عراق کو اسلام کے متوالوں سے خالی کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ جب یہ کام مکمل ہو گیا تو عراق کو ایک اور چکر میں پھنسا کر اس پر لوہے اور بارود کی بارش کر دی گئی اور پورے ملک کو ہر طرف سے خوب تباہ و برباد کر دیا گیا۔ یقینی بات ہے کہ جب کوئی ملک اللہ والے مجاہدین کے لئے تنگ پڑ جائے تو پھر اسے دشمن کا نوالہ بننا ہی پڑتا ہے۔ یہ وہ قانون فطرت ہے جسے نہ کوئی ٹال سکا ہے اور نہ کوئی اسے بدل سکے گا۔

آج پاکستان کی حکومت کے گرد ایسے افراد کا تانا بانا مضبوط تر ہو رہا ہے جنہیں اسلام یا ملک کے مفاد سے کچھ غرض نہیں ہے۔ ان لوگوں کو اگر بڑا عہدہ دے کر بٹھا دیا جائے تو یہ اپنے ملک پر غیروں کے احکامات جاری کرتے ہیں اور اگر انہیں عہدے سے ہٹایا جائے تو یہ ورلڈ بینک، اقوام متحدہ یا کسی اور بڑے ادارے میں اپنی پکی ملازمت پر واپس چلے جاتے ہیں۔ ملک میں جمہوریت ہو یا فوجی اقتدار، ہمارے ہر حکمران کو غیر ملکیوں کی طرف سے یہی اشارہ ملتا ہے کہ اگر آپ نے ملک چلانا ہے اور معیشت کو بچانا ہے تو آپ ہمارے ان کارندوں کی خدمات حاصل کریں۔

یہ غیر ملکی کارندے موجودہ حکومت پر بھی حاوی ہو رہے ہیں اور انہیں حکم دے رہے ہیں کہ اس ملک کو جہاد اور مجاہدین سے خالی کرا کر این جی اوز کے حوالے کرنا چاہئے، تب یہ ملک فوراً ترقی کر جائے گا۔ اس طبقے کے دباؤ کو طاقتور بنانے کے لئے اب دھمکیاں اور دھماکے بھی شروع ہو چکے ہیں۔ اس موقع پر ہمارے حکمرانوں نے اگر مسلمانوں والا موقف اختیار کیا اور دھمکیوں اور دھماکوں سے ڈرنے کی بجائے ان دھماکوں کے اصل مجرموں کو بے نقاب کیا اور اللہ کے حکم کے مطابق جہاد کے ساتھ مخلص رہے تو ان شاء اللہ یہ ملک اندرونی اور بیرونی ہر طرح کے دشمن سے محفوظ ہو جائے گا۔ ملک کے اندر مجاہدین اور فضاؤں میں

فرشتے اس کی حفاظت کے لئے قطار در قطار صف بستہ رہیں گے اور ان شاء اللہ اس ملک کے وہ حصے اسے واپس مل جائیں گے جو اس وقت ملک کے نقشے میں شامل نہیں ہیں۔

لیکن اگر حکمرانوں نے غلطی کی اور دھمکیوں اور دھماکوں سے مرعوب ہو کر غیروں کے اشاروں پر اپنوں کے گلے کاٹنے اور ہاتھ باندھنے لگے تو یقیناً یہ ان کے لئے بدقسمتی اور بدنامی کا مقام ہوگا۔ مؤرخ انہیں دھماکوں سے ڈر کر ایمان کا سودا کرنے والا بزدل لکھے گا، تاریخ ان پر مقدمہ قائم کرے گی اور خود ان کی نسلیں ان کا نام لینا گوارا نہیں کریں گی۔

باقی جہاں تک جہاد کا تعلق ہے تو یہ آسان فیصلہ ہے کہ اس نے ہر حال میں جاری رہنا ہے۔ عرب ممالک میں انور السادات، حافظ الاسد اور حزب البعث کے غنڈے جہاد کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے، البتہ خود ان کے دین و دنیا دونوں تباہ و برباد ہو گئے۔ تقریباً دس سال سے دنیا کے کئی بڑے ممالک کے جاسوسی ادارے اور ان کا بھاری بھرکم بجٹ جہاد کو نہیں روک سکا، بلکہ ہر آئے دن جہاد پہلے سے زیادہ طاقتور، مضبوط اور منظم ہو رہا ہے۔

آج کوئی بھی تجزیہ نگار اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ جب سے امریکا نے جہاد اور مجاہدین کی بھرپور مخالفت شروع کی ہے اور اس نے کئی اقوام عالم کو بھی اس کام میں اپنے ساتھ لگا لیا ہے، اس وقت سے جہاد کا غلغلہ اور زیادہ بلند ہو گیا ہے اور مجاہدین کی تعداد میں اس قدر اضافہ ہو گیا ہے کہ اب یہ دیوانے کسی شمار میں نہیں آتے۔ البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر کسی ملک میں کوئی شیطان کا پجاری حکمران جہاد اور مجاہدین کو وقتی طور پر دبانے میں کامیاب ہو جائے تو جہاد چند دن کے لئے زمین کے نیچے (زیر زمین) چلا جاتا ہے لیکن کچھ دن بعد جب وہ نکلتا ہے تو زمین پر جہاد کے مخالفین اور اسلام کے دشمنوں کے لئے زلزلہ برپا ہو جاتا ہے۔

والسلام

بڑھاپے کو پرسکون اور باعزت بنانے کا نسخہ

(۱)

تقریباً نو سال پرانی بات ہے، اللہ تعالیٰ نے ازبکستان کے سفر کا موقع عطاء فرمایا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ایک اعلیٰ وفد حضرت اقدس، شہید ملت، مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کی قیادت میں بخارا و سمرقند کے دورے پر تھا۔ پاکستان کے کئی مقتدر علماء کرام اس وفد میں شامل تھے، بندہ بھی مخمل میں ٹاٹ کا پیوند بن کر اس وفد کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ اس سفر کی مکمل روئیداد واپسی پر بندہ نے لکھی تھی، جو ماہنامہ صدائے مجاہد اور ہفت روزہ ختم نبوت میں شائع ہوئی تھی، ممکن ہے بعض قارئین کو یاد ہو۔ اس یادگار سفر کا ایک عجیب واقعہ اس وقت لکھنے سے رہ گیا تھا، اب وہ واقعہ بار بار یاد آتا ہے اور ایمان کو جلا بخشتا ہے۔

ہوا یوں کہ تاشقند کی ایک تاریخی مسجد کی زیارت کے لئے جانا ہوا، حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی طبیعت کچھ ناساز تھی، مسلسل سفر کی وجہ سے آپ کافی تھکاوٹ محسوس فرما رہے تھے، رفقاء سفر اس مسجد اور اس کی تاریخی یادگاروں کو دیکھنے میں منہمک تھے، حضرت تھکاوٹ کی وجہ سے ایک قالین بچھے اونچے تھلّے پر سب سے الگ تھلگ ہو کر لیٹ گئے۔ بندہ نے موقع غنیمت جانا اور حضرت کے پاؤں دبانے کے لئے ان کے پاس بیٹھ گیا۔ بندہ حضرت کے پاؤں دبا رہا تھا اور حضرت آنکھیں موند کر نہایت توجہ اور درد سے یہ دعاء پڑھ رہے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَیْرَ عُمُرِیْ آخِرَهٗ وَ خَیْرَ عَمَلِیْ خَوَاتِیْمَهٗ، وَخَیْرَ اَیَّامِیْ یَوْمَ اَلْقَاکَ فِیْهِ."

ترجمہ: "اے میرے پروردگار! میری عمر کا بہترین حصہ اس کے آخری پہر کو بنایئے اور میرے آخری اعمال کو بہترین بنایئے اور میری زندگی کے دنوں میں سب سے اچھا اور بہتر دن وہ بنایئے جس دن میں آپ سے ملوں۔"

حضرت آہستہ آہستہ یہ مسنون دعاء پڑھ رہے تھے اور یہ دعاء میرے دل و دماغ پر اپنی تمام تر جامعیت کے ساتھ نقش ہوتی جارہی تھی۔ انڈیا میں گرفتاری کے ایام میں میں نے یہ دعاء اپنے اکثر رفقاء کرام کو یاد کرائی اور خود بھی اسے اپنا معمول بنایا۔ میں اس دعاء کی جامعیت اور افادیت پر پہلے سے ہی الحمدللہ یقین رکھتا تھا لیکن جب حضرت اقدس شہید رحمہ اللہ کی زندگی کے آخری پہر کو اور پھر ان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کے منظر کو دیکھتا ہوں تو اس دعاء کی افادیت پر یقین اور بڑھ جاتا ہے۔ ویسے تو حضرت اقدس کی پوری زندگی ہی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہترین تھی، لیکن بلاشبہ ان کی زندگی کے آخری ایام بہت ہی زیادہ بہترین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قبولیت عامہ کا عظیم مقام، جہاد جیسے عظیم اور افضل ترین فریضے میں شرکت اور دین کے مختلف شعبوں کی قیادت کا شرف عطاء فرمایا۔ آپ کی اولاد آپ کی آنکھوں کے سامنے عالم، حافظ اور فاضل بنی، امت مسلمہ کی عظیم شخصیات نے آپ سے فیض حاصل کیا اور آپ اللہ تعالیٰ کے کرم سے شمع انجمن اور اہل حق کا ایک مرکز بنے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت جیسی میٹھی اور مقبول موت عطاء فرمائی جو حقیقت میں زندگی ہے، بلاشبہ تابندگی ہے۔

عام طور سے آج کل بڑھاپا ایک زحمت بن کر آتا ہے لیکن حضرت کا بڑھاپا جوانوں کے لئے بھی قابل رشک رحمت بنا۔ بڑھاپے میں مفلسی کے سائے انسان کی آنکھوں کی چمک چھین لیتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو بڑھاپے میں شہنشاہ بنایا اور آپ دونوں ہاتھوں سے بانٹتے تھے۔ بڑھاپے میں انسان ہر طرح کی تنہائی اور بے کسی محسوس کرتا ہے، جبکہ حضرت کا بڑھاپا سدابہار جوانی سے بھی زیادہ پُر لطف اور مصروف تھا۔ یہ سارے حالات ہمارے سامنے اس پیاری اور مسنون دعاء کی اہمیت اور افادیت اجاگر کرتے ہیں۔

آیئے! ذرا اپنے گرد و پیش پر ایک نظر ڈالئے! ہر طرف بوڑھوں کی آہ و زاری اور اُف اُف کی

آوازیں ماحول کو افسردہ بنارہی ہیں۔ عام لوگوں پر بڑھاپا ایک دیمک کی طرح آتا ہے جو سب کچھ کھا جاتی ہے۔ بڑھاپے میں بیماریاں، ناشکری، بے قدری اور مفلسی کا ہر طرف رونا ہے۔ ہر بوڑھا اپنی جوانی کو یاد کر کے آہیں بھرتا ہے اور حسرت کے ہاتھ ملتا ہے۔ گھروں میں بوڑھوں کے لئے تنہائی ہی تنہائی ہے۔ بیوی بات کرنا گوارا نہیں کرتی، جوان بچے بوجھ سمجھتے ہیں اور جدید تعلیم یافتہ رشتے دار بیوقوف بناتے ہیں۔ گھروں میں بوڑھوں سے زیادہ چھوٹے بچوں کو ترجیح دی جاتی ہے، چنانچہ بچے اگر کوئی بات پندرہ بار پوچھیں تو سارے گھر والے باچھیں کھول کر جواب دیتے ہیں، لیکن اگر بوڑھا بزرگ یا بوڑھی ماں دوبار کچھ پوچھ لے تو جوان بچوں کا پارہ چڑھ جاتا ہے، غصے اور حرارت کی وجہ سے رگیں پھولنا شروع ہوجاتی ہیں۔ اکثر بوڑھے مالی تنگدستی کی شکایت کرتے ہیں اور بعض کو تو (نعوذ باللہ) ہاتھ تک پھیلانا پڑتے ہیں۔

انگریزی نظام تو بوڑھوں کے لئے مستقل عذاب ہے۔ اس میں بوڑھوں کو عام معاشرے پر بوجھ سمجھ کر اولڈ ہاؤسز میں ڈال دیا جاتا ہے۔ نوکریوں سے نکال کر پنشنر بنادیا جاتا ہے اور ہر طرح کی ذلت کا سلوک ان کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ آج انگریز پرست گھرانوں میں کتوں کی عزت بوڑھوں سے زیادہ ہوتی ہے، جبکہ اسلامی تعلیمات میں بوڑھوں سے اللہ تعالیٰ بھی حیا فرماتا ہے، پس بندہ کو چاہئے کہ وہ بھی بوڑھوں کے بارے میں حیاء کرے اور ان کی عزت و توقیر میں کسی طرح کی کمی نہ آنے دے۔ اسلام ہمیں تنبیہ کرتا ہے کہ بوڑھوں اور بزرگوں کا اکرام نہ کرنے والوں کا اسلام سے تعلق سچا اور پکا نہیں رہتا۔

بوڑھوں کے بارے میں اسلام کی تعلیمات بہت اعلیٰ اور عظیم ہیں، لیکن ان تعلیمات کا فائدہ انہیں بوڑھوں کو زیادہ نصیب ہوتا ہے جو خود اسلام کے ساتھ وفاداری کرتے ہیں اور اپنی دنیا سے زیادہ اپنی آخرت کی فکر رکھتے ہیں۔ میں نے اخبارات اور ریڈیو میں کئی نامور شعراء، آفیسرز، کھلاڑیوں اور فنکاروں کے حالات پڑھے ہیں جو بڑھاپے میں اپنی ذلت، کسمپرسی، تنہائی اور مفلسی کا رونا روتے روتے مرگئے، زمین میں کھپ گئے۔ وہ افسانہ نگار جن کی جھوٹی، شہوت انگیز اور سنسنی خیز کتابیں بیچ بیچ کر کتب فروش کروڑ پتی بن گئے، خود ایک ایک ٹکے کے محتاج رہے اور لوگوں سے بھیک مانگتے رہے۔ وہ شعراء جن کی شاعری کا آج بڑا چرچہ ہے، ذلت کا بڑھاپا بھوگ کر بے بسی کی موت سے ہمکنار ہوگئے۔ وہ فنکار جن کی اداؤں اور باتوں پر لاکھوں لوگ کھلکھلا کر ہنستے تھے، بڑھاپے میں مسکراہٹ کے لئے ترستے رہے۔ وہ آفیسرز جن کے رعب و دبدبے سے دفاتر لرزتے تھے، اپنے کانپتے لرزتے ہاتھوں میں لاٹھیاں اٹھا کر بے نور آنکھوں

سے فضاؤں کو گھورتے ملے۔ سچ ہے کہ ان لوگوں کا خوفناک بڑھاپا کسی عذاب اور درد سے کم نہیں تھا۔ ایک قوم پرست شاعر اپنے بڑھاپے کی کسمپرسی کا حال ان الفاظ میں لکھتا ہے۔

خدایا پیری و آوارگی درد دگر دارد
چوں مرغ آشیاں گم کردہ وقت شام می لرزد

(اے اللہ! بڑھاپے اور وطن سے آوارگی کا درد بھی عجیب ہے، شام کے وقت جس پرندے کا آشیاں گم ہو چکا ہو، وہ جس طرح خوف، بے بسی اور تنہائی سے لرزتا ہے، یہی حالت بڑھاپے میں ہوتی ہے۔)

بے شک جب ساری زندگی بے وفاؤں سے یاری میں گذرے گی تو بڑھاپا تنہائی و بے بسی کا ضرور شکار ہوگا۔ بے شک جب ساری زندگی فانی دولت جمع کرنے کی حرص میں گذرے گی تو بڑھاپا ذلت کی مار ضرور کھائے گا۔ بے شک جب جوانی اللہ کی نافرمانی سے داغدار ہوگی تو بڑھاپا ندامت و حسرت کی خاک ضرور چاٹے گا۔

آیئے! عام ماحول میں ہانپتے، کانپتے، مفلوک الحال، ہر کسی سے شاکی، حسرت کی آہیں بھرنے والے بوڑھوں سے ایک نظر ہٹا کر کچھ اور بوڑھوں کو دیکھتے ہیں۔ ایسے بوڑھے جنہیں کسی ناقدری کا شکوہ نہیں، بلکہ وہ تو ہر آن شکر کے سجدے بجالاتے ہیں۔ ایسے بوڑھے جن کی آنکھیں بے نور نہیں بلکہ ایسی پُر نور ہو چکی ہیں کہ بھٹکے ہوئے لوگ ان آنکھوں کی روشنی سے راستے پا رہے ہیں۔ ایسے بوڑھے جنہیں اس بات کی حسرت نہیں ہے کہ کوئی ان کی بات سنے، ان کے سوالات کے جواب دے بلکہ وہ تو اپنے مالک کی یاد میں مخلوق سے ایسے مستغنی ہو چکے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ بات کرنے کے لئے ترستے ہیں اور ان کی جھلک دیکھنے کے لئے تڑپتے ہیں۔ ایسے بوڑھے جو اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں مانگتے بلکہ ہر وقت کچھ نہ کچھ بانٹتے ہیں۔ ایسے بوڑھے جن کو کمزور سمجھ کر ان کی تنخواہیں بند کر کے پنشن نہیں لگائی جاتی بلکہ ان کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے اور قدر و منزلت بھی۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بے وفا دنیا اور فانی دولت کی خاطر ربّ کو ناراض نہیں کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو دنیا کمانے والا جانور، انگریز کے طریقوں پر ناچنے والا بندر اور جدید فیشن پر مر مٹنے والا لفافہ بنانے کی بجائے مسلمان بنایا، اللہ تعالیٰ کے قرآن کا شیدائی بنایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے

اوقات کی حفاظت کی اور اپنے وقت کو اللہ کی نافرمانی کے کاموں میں ضائع نہیں کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود کو مخلوق کا محتاج اور نفس پرست نہیں بنایا بلکہ اللہ تعالیٰ سے دل لگایا، جو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا اور جس کی یاد کبھی بوسیدہ نہیں ہوتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خود کو اللہ کے سامنے مجبور سمجھتے ہیں، اوروں کے سامنے نہیں، وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے اولاد کو راضی نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کے عظمت والے علوم کو اپنے سینے میں سجا کر عظیم و بلند ہو جاتے ہیں، پھر کوئی ان کو نہیں جھکا سکتا، کوئی ان کو نہیں گرا سکتا۔

ہمارے اہل علم، اہل دل اکابر آج روئے زمین پر اسلام کی صداقتوں کے گواہ بنے بیٹھے ہیں۔ نور کے ان میناروں کو دیکھ کر بھٹکی کشتیوں کو اپنا رخ اور اپنے بادبان درست کر لینے چاہئیں۔ بڑھاپا ہمارے لئے زحمت اور ذلت نہ بنے اور زندگی کا آخری پہر غفلت، ناشکری اور سستی کی بھینٹ نہ چڑھ جائے، اس کے لئے ہمارے پیارے اور پاک نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ دعاء سکھائی ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر کروڑوں درود و سلام، آپ نے ہمیں کتنا بہترین تحفہ عطاء فرمایا ہے۔ بے شک اچھا انجام، اچھا خاتمہ اور اللہ تعالیٰ سے اچھی ملاقات ہی مؤمن کا سب کچھ ہے۔ ساری زندگی کی کوششیں اور کاوشیں اسی کے لئے ہیں، اس لئے ملعون شیطان آخری عمر میں زیادہ وار کرتا ہے تاکہ ساری زندگی عبادت و ریاضت کرنے والے آخر میں بے ایمان بنیں اور گمراہی و غفلت کی موت مریں۔ ہمارے پیارے نبی نے ہمیں دعاء سکھا دی ہے، ایک عظیم خزانہ دے دیا ہے۔ آیئے! ہم جھولیاں بھر کر اس عطر نبوی سے اپنے دامن کو مہکائیں، اپنے بڑھاپے کو سدا بہار جوانی بنائیں اور اپنی موت کو خوشیوں اور راحتوں کا دروازہ بنائیں۔

آیئے! ہم سب مل کر اس دعاء کو پڑھیں، پھر اسے اپنا معمول بنائیں اور اس دعاء میں چھپے ہوئے سبق کو سمجھ کر اپنی موت اور آخرت کی تیاری میں لگ جائیں:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِيْ آخِرَهٗ، وَ خَيْرَ عَمَلِيْ خَوَاتِيْمَهٗ، وَ خَيْرَ اَيَّامِيْ يَوْمَ اَلْقَاكَ فِيْهِ."

اللّٰهم صلِّ علىٰ سيدنا محمد و علىٰ آله واصحابه وسلّم.

بڑھاپے کو پرسکون اور باعزت بنانے کا نسخہ

(۲)

بڑھاپا..... بن بلائے آ ہی جاتا ہے..... تب..... جسم کمزور..... اور..... تمنائیں جوان ہو جاتی ہیں..... سوچنے کی بات یہ ہے کہ..... بڑھاپا..... اس دنیاوی زندگی کا..... انجام ہے..... اور سعادت کا مقام یہ ہے کہ..... انجام..... اچھا ہونا چاہئے..... خوبصورت، پرسکون، یادگار..... اور باوقار ہونا چاہئے..... پچھلے کالم میں..... ایک مسنون دعاء کا تذکرہ ہوا تھا..... امید ہے کہ..... بزرگوں..... اور تیزی سے..... بڑھاپے کی طرف..... بڑھنے والے جوانوں نے..... یاد کر لی ہوگی..... ماؤں بہنوں نے بھی..... اسے حرز جان بنا لیا ہوگا..... آیئے! آج مزید..... نسخوں پر..... نظر ڈالتے ہیں..... تاکہ..... بڑھاپا..... رحمت بن جائے..... سراپا رحمت..... سراپا نعمت۔

پہلا کام..... اس سلسلے میں..... یہ کرنا ہے..... اور ہر مسلمان کو ضرور کرنا ہے..... کہ..... بڑھاپے میں..... باوضو..... داخل ہوں..... یعنی..... توبہ اور استغفار کے پانی سے..... سارے گناہوں کو دھوکر..... چھوڑ کر..... نفرت سے پھینک کر بڑھاپے کی..... پُرنور دہلیز پر..... قدم رکھیں..... تاکہ..... حسرت و ندامت کا بوجھ..... کمر کو..... نہ توڑے..... قبر کو..... نہ پھوڑے..... ہم جب..... رب سے..... وفادار ہوں گے..... تبھی ہمیں..... اپنی اولاد اور اپنے چھوٹوں سے..... وفاداری کی..... توقع کرنا چاہئے۔

دوسرا کام..... یہ کرنا ہے کہ..... بڑھاپے کے آنے سے پہلے..... یا آتے ہی..... جوانی کا شکریہ.....

اور..... بڑھاپے کا صدقہ..... ادا کر دینا چاہیے..... مال کو دبا کر بیٹھنا..... آئندہ سات نسلوں کیلئے..... ہانپ ہانپ کر..... مال جمع کرنا..... اور..... پائی پائی کے غم میں گھلنا..... بڑھاپے کو..... ذلیل و ویران..... کر دیتا ہے..... بزرگ حضرات اگر..... مال کے بارے میں..... اپنا نظریہ..... درست کر لیں..... تو..... ان کی زندگی سکون سے..... بھر جائے گی..... اور..... ان کی عزت کو..... چار چاند لگ جائیں گے..... ضروری ہے کہ..... بزرگ حضرات..... اپنے مال کو..... اولاد کی ناجائز خواہش پر..... خرچ نہ ہونے دیں..... وہ..... اپنے مال کا ایک حصہ..... اپنے لئے..... آخرت میں..... محفوظ کر لیں..... انہوں نے..... یہ مال..... محنت سے کمایا ہے..... اور وہ خود..... اس کے سب سے زیادہ..... مستحق ہیں..... اس لئے..... انہیں چاہیے کہ وہ..... جائیدادوں پر جائیدادیں..... خریدنے کی بجائے..... اس مال کو..... دینی کاموں میں لگائیں..... اس سے..... ان کے دل کو قوت اور سکون..... اور ان کے مال کو..... برکت کی نعمت ملے گی۔

اسی طرح ..... اولاد کو ..... مال تب دیں ..... جب یقین ہو کہ ..... یہ مال ..... ناجائز کاموں میں..... خرچ نہیں ہوگا..... آخرت کا وبال نہیں بنے گا..... اور جو بزرگ..... غریب ہوں..... وہ غربت کو..... غیرت کا تاج سمجھیں..... اور اپنے فقر..... اور فخر پر..... آنچ نہ آنے دیں..... غربت مشکل سہی..... مگر ایک نعمت ہے..... مالداری سے بڑی نعمت..... قیامت کے دن کا حساب..... اس کی بدولت..... آسان ہوتا ہے..... جبکہ دنیا تو..... ہر حال میں..... گذر جاتی ہے..... نمٹ جاتی ہے..... پیٹ بھر کر بھی..... اور..... پیٹ پر پتھر باندھ کر بھی..... آسائش کی حالت میں بھی..... اور تکلیفوں کی دھوپ میں بھی..... زندگی کا حال..... ماضی کے نقوش کو..... بھلا دیتا ہے..... بڑھاپا..... زندگی کی آخری دہلیز..... اور..... قبر کا..... پہلا قدم ہے..... زیادہ مال..... بسا اوقات..... وبال بن جاتا ہے..... غربت..... اور قناعت..... بڑھاپے کو..... باوقار بناتے ہیں..... لیکن اگر..... بڑھاپے میں..... حرص اور اشراف (دوسروں کے مال پر نظر) نے..... گھیر لیا..... تو..... پھر..... شیطان بھی..... قہقہے لگائے گا..... اور انسان کے..... بدترین انجام پر..... خوشیاں منائے گا۔

بوڑھے ہاتھ..... اللہ کے سامنے اٹھیں تو..... اچھے لگتے ہیں..... اور..... خدانخواستہ لوگوں کے سامنے..... اٹھیں تو..... ذلیل ہو جاتے ہیں..... جبکہ..... یہ بات یقینی ہے کہ..... مقدر سے زائد..... کسی کو کچھ..... نہیں ملتا..... بڑھاپے میں..... حرص اور لالچ سے بچنا..... سانس لینے سے زیادہ..... ضروری ہے

......اور اس عمر میں.... حرص ولالچ سے بچنے کے لئے.... قرآن مجید کی بکثرت تلاوت.... مسلسل ذکر ....لوگوں کے ساتھ کم اختلاط.... اور دین کے کاموں میں.... مصروف رہنا.... بہترین نسخے ہیں.... ٹھنڈا خون.... بیمار پڑ جاتا ہے.... حرص اور لمبی امیدوں کے جراثیم.... اس خون کا حصہ بن جاتے ہیں .... بزرگوں کو چاہیے کہ.... جہاد کے ذریعے.... خون کو گرم رکھیں.... جہاد کی دعوت دیں.... حتی الوسع شرکت کریں.... لوگوں کو تیار کریں.... گھر کا ماحول بنائیں.... جہاد میں مال لٹائیں.... اور اپنی شفقت اور تجربے سے.... مجاہدین کی.... نصرت فرمائیں.... تب.... بڑھاپا.... ٹھاٹھ کا ہوگا....

تیسرا کام.... یہ ہے کہ.... بڑھاپے میں.... جسم کی ساری توانائیاں.... سمٹ کر.... زبان میں آجاتی ہیں.... تب انسان.... بہت بولتا ہے.... بولنے کو مجبوری سمجھتا ہے.... اسے.... ہر وقت.... سننے والوں کی.... اور.... سنانے والوں کی.... ضرورت پڑتی ہے، زیادہ بولنے کی وجہ سے لایعنی اور فضول باتیں .... اور دوسروں کے کاموں میں.... بے جا مداخلت بھی ہو جاتی ہے.... اور یہ سب کچھ.... سخت نقصان دہ ہے.... بزرگ حضرات کو چاہئے کہ.... خود کو زبان کا محتاج نہ بننے دیں.... ہمیشہ کم بولیں.... چہرے کا نور سلامت رہے گا.... ضرورت کی بات بولیں.... لوگ آپ کے محتاج رہیں گے.... کام کی بات.... بقدر کفایت بولیں.... تب آپ.... زبان کے شر سے.... بچے رہیں گے.... یاد رہنا چاہئے کہ.... اللہ تعالیٰ کے سوا.... اور لوگوں سے.... زیادہ باتیں کرنا.... اکثر ندامت اور ذلت کا.... باعث بنتا ہے.... اس لئے .... تلاوت، ذکر.... اور دینی گفتگو کے ذریعے.... اللہ تعالیٰ سے باتیں کیجئے.... اور مخلوق کے شر سے.... محفوظ رہیے.... مچھلی پانی سے سر نکال کر.... ہلاک ہوتی ہے.... اور انسان.... بلا ضرورت.... دانتوں سے زبان کو نکال کر.... ہلاک ہوتا ہے....

چوتھا کام.... یہ ہے کہ.... بڑھاپے کو خود پر.... غالب نہ ہونے دیں.... عام طور پر.... بڑھاپے میں.... بے کار بیٹھے رہنے.... خود کو بیمار ظاہر کرنے.... بیماریوں کے تفصیلی تذکرے کرنے.... اور اپنے ماضی پر.... فخر کر کے آہیں بھرنے کا.... شوق بلکہ مرض.... پیدا ہو جاتا ہے.... اس سے بچنا ضروری ہے .... خود کو.... کام کاج کے لئے.... جوان سمجھیں.... بیماریوں کے تذکرے کو.... عیب جان کر.... زبان پر.... شکر کو جاری رکھیں.... دوسروں پر.... بوجھ بننے کی بجائے.... اپنا کام خود کریں.... پھر دیکھیں کہ .... بڑھاپا.... کس طرح سے.... جوانی بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت.... اور.... گناہوں کے چھوڑنے کا کشتہ.... بنائیے اور کھائیے.... اور بڑھاپے میں.... جوانی کے مزے لوٹئے۔

محبت کی لذت بھی دو آتشی ہے
جوانوں کو پیری بوڑھوں کو جوانی

پانچواں کام.... یہ ہے کہ.... بڑھاپے میں.... اپنی تعریف، توصیف.... اور قدر و قیمت.... اپنی زبان سے.... نہ بتائیں.... اور نہ ہی.... ناقدری کا شکوہ.... زبان پر لائیں.... اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا وقت.... قریب ہو.... اور انسان.... ان فضول کاموں میں پڑے تو.... نقصان اور خسران.... کے سوا .... کچھ ہاتھ نہیں لگتا.... اور اپنی زبان سے.... کی جانے والی تعریف.... ہمیشہ تماشہ بنتی ہے.... اور انسان کو.... اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتی ہے.... بڑھاپے میں انسان.... اپنی تعریف کرنے کی بجائے اگر.... اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تعریف.... بیان کرے تو بہت اچھا لگتا ہے.... اور اس کا بڑھاپا.... اپنے وقار.... اور مقام کو.... پالیتا ہے۔

والسلام

طالب علم بھائیوں کے نام

گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی دینی مدارس سے سینکڑوں طلبۂ کرام فارغ ہوں گے، ان میں سے بعض اپنی تعلیم جاری رکھیں گے جبکہ دوسرے بعض میدان عمل میں مصروف کار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس سے کون سا کام لے گا؟

قسمت کیا ہر ایک کو قسّامِ ازل نے
جو شخص کہ جس کام کے قابل نظر آیا

صدیوں کا تجربہ بتاتا ہے کہ دنیا کو مقصود بنانے والے ہمیشہ ''کام'' کو ڈھونڈتے رہتے ہیں، جبکہ آخرت کو مقصود بنانے والوں کو خود ''کام'' ڈھونڈتا ہے۔ قسمت کی بات ہے کہ کچھ لوگ کام کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھکتے ہیں جبکہ بعض لوگ کام کر کے تھکاوٹ کا مزہ پاتے ہیں۔

من كان يتعب خيله في باطل

فخيولنا يوم الكريهة تتعب

(یعنی جو شخص اپنے گھوڑے کو فضول کاموں میں تھکاتا ہے، اس شخص کے برابر نہیں ہوسکتا جس کا گھوڑا میدان جہاد میں تھکتا ہو۔)

تھکاوٹ بھی عجیب چیز ہے، جب یہ اللہ کے راستے میں ہو تو اس کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ خود سوچئے کہ مجاہد کی تھکاوٹ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے اور اس پر اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ لوگ

جنہیں اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت عطاء فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عظیم راستے میں تھکتے ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، ورنہ سڑکوں پر بھیک مانگنے والے بھی تھکتے ہیں اور دن رات ایک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اس طرح کی تھکاوٹ سے بچا کر اپنی محبت والی تھکاوٹ نصیب فرمائی۔

اس سال فارغ التحصیل ہونے والے خوش قسمت طلبۂ کرام کو اپنے گرد و پیش پر ایک نظر دوڑانی چاہئے۔ جو قرآن مجید انہوں نے بار بار پڑھا ہے اس کی دعوت پر غور کرنا چاہئے اور یہ بات سوچنی چاہئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے وارث پر اس زمانے میں کون کون سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟

اے میرے طالب علم بھائیو! امت مسلمہ نے آپ حضرات سے بہت ساری توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔ آپ کا ایک طالب علم بھائی حضرت امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد آپ کے لئے کام کا راستہ اپنے عمل سے متعین فرما چکا ہے۔ آپ جو کچھ پڑھتے ہیں وہ اس سب کو نافذ کرتا ہے اور اسلام کے ہر حکم کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے ہمیشہ سر دھڑ کی بازی لگاتا ہے۔ کیا آپ ملا محمد عمر مجاہد نہیں بن سکتے؟ یقیناً بن سکتے ہیں، لیکن اس کے لئے آپ کو اپنی نگاہ بلند کرنا ہوگی اور اپنے دل پر قرآن مجید کو نافذ کرنا ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا پختہ وعدہ ہے کہ اگر زمین پر ایسے لوگ موجود ہوں گے جن کا ایمان کامل اور عمل صالح مکمل ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس زمین پر خلافت عطاء فرمائے گا اور ان کے دین کو زمین پر قدرت و طاقت سے نوازے گا اور ان کے خوف کو امن سے تبدیل فرما دے گا۔ حضرت امیر المؤمنین کا ایمان کامل اور عمل صالح مکمل تھا اور ان کے رفقاء نے ان کی اطاعت کی برکت سے یہ صفات حاصل کیں، تب سرزمین افغانستان پر اللہ کا حکم اونچا اور قرآن و سنت کی تازہ ہوائیں مردہ دلوں کو زندگی بخشنے لگیں۔ کیا ہمارے لئے یہ سب کچھ ضروری نہیں ہے؟ ہم کب تک کفر کے فرسودہ نظام میں رسوا ہوتے رہیں گے؟ ہم کب تک ایک دوسرے کے خلاف زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگاتے رہیں گے؟ ہم کب تک شریعت کے پاکیزہ نظام سے محروم رہیں گے؟ ہم کب تک قول و عمل کے تضاد کا شکار رہیں گے؟ ہم جانتے ہیں کہ جہاد و قتال کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی قتال فی سبیل اللہ کے بغیر عمل صالح مکمل ہوسکتا ہے، اس لئے لازم ہے کہ جب تک علماء کرام جہاد کو عملی طور پر اختیار نہیں فرمالیں گے اس وقت تک یہ زمین اللہ کے نظام کے لئے ترستی

رہے گی۔

میرے عزیز طالب علم بھائیو! آپ کا امتحان قریب ہے جبکہ مسجد اقصیٰ خون سے رنگین ہے۔ اللہ کرے آپ سالانہ امتحان میں بڑی کامیابی حاصل کریں اور پھر یہودیت کو یہ باور کرائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر اب بھی زندہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثاء اب بھی بازو میں جان رکھتے ہیں۔

میرے طالب علم ساتھیو! آپ نے جو قرآن پڑھا ہے اس میں جہاد و قتال کا حکم ہے۔ عام لوگوں کے لئے صرف لڑنے کا حکم ہے جبکہ آپ کے لئے لڑنے اور مسلمانوں کو اس کی دعوت دینے کا واضح حکم موجود ہے۔ کیا آپ قرآن کے اس حکم پر عمل کے لئے تیار ہیں؟

آپ نے جس پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پڑھی ہے وہاں بھی آپ کے لئے یہی پیغام ہے کہ عشق رسول کا اصل امتحان میدان قتال میں ہوتا ہے۔ کیا آپ اس امتحان میں سرفرازی کے لئے تیار ہیں؟

عزیز طالب علم ساتھیو! آپ کو علم کی نسبت مل چکی، اب آپ جہاد کی نسبت حاصل کر کے اپنی ذات کو جامع بنانے میں دیر نہ کیجئے۔ اللہ کے راستے میں جان دینے کا جذبہ رکھنے والا عالم عالم ربانی کہلاتا ہے اور موت سے ڈرنے والا بزدل، لاکھ کتابیں پڑھ لے، اسلام اسے عالم دنیا کہتا ہے، اور اس کی تشبیہ گدھے سے پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر طالب علم کو عالم ربانی بنائے اور ہمیں علم و جہاد کی نعمتیں عطاء فرما کر اسلام کا سچا خادم بنائے۔

والسلام

سجاد شہید رحمہ اللہ کی دُعاء

سالار حریت کانفرنس نے ایک بار پھر برادر محترم کمانڈر سجاد شہید کی یادوں کو مہکا دیا۔ یہ کانفرنس جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کارکنوں نے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں منعقد کی تھی۔ بندہ جب شورکوٹ میں جامعہ عثمانیہ کے سالانہ جلسے سے فارغ ہو کر ٹوبہ کے لئے روانہ ہوا تو راستے میں رفقاء کرام نے بتایا کہ ٹوبہ کی کانفرنس سجاد شہید رحمہ اللہ کے اسم گرامی سے موسوم کی گئی ہے۔ ٹوبہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی جگہ جگہ کانفرنس کے اشتہارات نظر آنے لگے۔ اس اشتہار میں سجاد خان شہید رحمہ اللہ کا نام اس طرح نمایاں طور پر چمک رہا تھا جس طرح وہ اپنے رفقاء میں چمکا کرتے تھے۔ اشتہار کو پڑھ کر میرا دل جذبات سے لبریز ہو گیا۔ آج جبکہ سجاد شہید رحمہ اللہ کو ہم سے جدا ہوئے ایک سال چار مہینے گذر چکے ہیں۔ ان کی یادیں اور تذکرہ ہمارے دل و زبان پر زندہ ہے اور جہاد کی کٹھن زندگی کے ہر موڑ پر ان کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

وہ میدانوں کے شیر تھے لیکن ان کی شہادت جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں آنے کا ایک بڑا ذریعہ بنی اور ہمیں تو کچھ بھی شک نہیں کہ جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجاد شہید رحمہ اللہ کی دعائیں، آہیں اور فکر مندی شامل ہے۔ جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ داروں اور کارکنوں کو چاہئے کہ وہ سجاد شہید کی فکر کو سمجھیں اور ان کی وہ توقعات پوری کرنے کی بھرپور کوشش کریں جن توقعات کا انہوں نے بار بار خون ہوتے دیکھا، یہاں تک کہ خود ان کا خون قید و بند کی حالت میں بہا دیا گیا۔ میں اس رات جلسہ گاہ پہنچنے سے پہلے سجاد شہید رحمہ اللہ کی باتیں یاد کرتا رہا اور انہیں کی یادوں میں کھویا رہا۔ جلسہ گاہ پہنچا تو عزیزم

عصمت اللہ معاویہ نے مجھے دعوت بیان دینے سے پہلے سجاد شہید رحمہ اللہ کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ اس مختصر مگر جامع تذکرے نے یادوں کے سمندر میں تلاطم برپا کر دیا اور پھر میرا پورا بیان سجاد شہید رحمہ اللہ کی یادوں کے بکھرے موتی سمیٹنے میں گذر گیا۔

ما و مجنون ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت وما در کوچہ ھا رسوا شدیم

بے شک ہم وہاں ایک ہی راستے کے مسافر تھے مگر وہ کامیابی کی بلند دیوار پھاند گئے اور میں ابھی تک اس کے لئے ہانپ رہا ہوں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں جب بھی انہیں کہتا تھا کہ ان شاء اللہ رہائی ہوگی اور ہم واپس جائیں گے تو وہ زیر لب مسکرا دیتے تھے اور مجھے یاد دلاتے تھے کہ انہوں نے پاکستان سے آتے وقت دعاء کی تھی کہ یا اللہ! مجھے اب یہاں واپس نہ لوٹانا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ دُعاء بہت سوچ سمجھ کر اور توجہ سے کی تھی اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعاء کو شرف قبولیت بخش دیا ہے اور اب میں کبھی بھی واپس لوٹ کر نہیں جاؤں گا۔ وہ جیل سے رہائی کی بے حد کوشش کرتے تھے اور ساتھ یہ شرط بھی لگاتے تھے کہ میں رہائی کے بعد کشمیر کے محاذ پر لڑتا رہوں گا اور پاکستان لوٹ کر نہیں جاؤں گا۔ صحابہ کرام کے حالات پڑھنے والے ہمارے قارئین کو یاد ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے بھی غزوۂ احد کے لئے جاتے وقت یہی دعاء فرمائی تھی اور ان کی دعاء اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی۔ بعینہ اسی طرح سجاد شہید رحمہ اللہ کی دعاء بھی قبول ہوگئی۔ وہ پاکستان سے محبت رکھتے تھے لیکن ان کا شکوہ تھا کہ یہاں پر موجود مجاہدین جہاد کے کاموں کے بارے میں سنجیدگی اور محنت سے کام نہیں لیتے اور محاذ جنگ پر برسر پیکار مجاہدین کے ساتھ کماحقہ محنت نہیں کرتے۔

انہیں پاکستان میں بیٹھے ہوئے مجاہدین سے یہ گلہ تھا کہ وہ محاذ جنگ کو مضبوط بنانے کے لئے پوری محنت نہیں کرتے۔ بس یہی شکوہ وہ بار بار کرتے رہے اور بالآخر اپنے واپس نہ آنے کی دعاء کر کے کشمیر کے محاذ جنگ کی طرف دوسری دفعہ روانہ ہوگئے۔ آج وہ جموں کے ایک قبرستان کو رونق بخش رہے ہیں اور ان شاء اللہ شہداء کی زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں لیکن ان کی دعاء اور پھر ان کی شہادت ہمارے لئے ایک بہت بڑا سبق ہے۔ کاش! ہم اسے سمجھیں، ورنہ معلوم نہیں کتنے جانباز غازی ہم سے دور شہید ہونے کی دعائیں کر کے ہماری سستی، کاہلی اور کم ہمتی کا رونا روئیں گے۔

جیش کے جانبازو! سجاد شہید کے جلسے ضرور کرو، ان کی یاد میں رسالے کے خصوصی نمبر بھی نکالو، لیکن یہ بات مت بھولو کہ اتنا کر لینا کافی نہیں ہوگا۔ تمہیں اس ملعون دنیا کی محبت اور عہدوں کو لات مار کر جہاد کے ساتھ مخلص ہونا پڑے گا اور تمہیں سستی اور کاہلی چھوڑ کر محاذ جنگ کو مضبوط بنانا پڑے گا، تب تم قیامت کے دن اپنے اللہ کو منہ دکھا سکو گے۔

اے اہل پاکستان! اللہ کے لئے اپنے پاک وطن کے ماحول کو مجاہدین کے لئے سازگار بنایئے اور یہاں نصرت جہاد کا ایسا سلسلہ قائم کیجئے کہ مجاہدین کو آپ سے قوت اور راحت ملے اور اس کے بدلے آپ اللہ تعالیٰ کی رضا اور قیامت کے دن شہداء کرام کے ساتھ حشر کی نعمتوں سے مالامال ہوں۔

والسلام

آہ! یہ جانباز

مجھے وہ منظر اچھی طرح یاد ہے جب میرے سامنے خیمے کے فرش پر تین نوجوان بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اصلاحی اور جہادی بیعت کے لئے بے قرار تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ تینوں ساتھی عنقریب مقبوضہ کشمیر کے محاذ جنگ پر جانے والے ہیں اور جانے سے پہلے آخری ملاقات کیلئے آئے ہیں۔ محاذ جنگ پر جانے کا تذکرہ سنتے ہی میرا دل عقیدت، محبت اور رشک سے بھر گیا۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ لوگ بلاشبہ خوش نصیب ہیں، میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور آپ کو یہ بتاتا ہوں کہ مجھے آپ پر رشک آرہا ہے، کاش! میں آپ کی جگہ ہوتا۔ اس کے بعد میں نے انہیں تنظیم کے بعض حالات بتائے اور مقبوضہ کشمیر میں کام کرنے کے سلسلے میں کچھ گذارشات کیں۔ جو انہوں نے نہایت توجہ اور انہماک سے سنیں پھر بیعت کا مصافحہ ہوا اور میں انہیں رخصت کرنے کیلئے کھڑا ہو گیا۔ وہ ڈبڈباتی آنکھوں کے ساتھ نہایت تپاک سے ملے، میں خیمے کے دروازے تک ان کے ساتھ چلا اور ہماری یہ یادگار ملاقات ماضی کا حصہ بن گئی۔

دورۂ تفسیر کے سلسلے میں تین دن پہلے جب میں کراچی پہنچا تو جہاد کے راستے میں آنے والی کئی عجیب رکاوٹوں اور مقبوضہ کشمیر سے آنے والی خون میں ڈوبی ہوئی خبروں نے میرا استقبال کیا۔ پونچھ میں جیش کے ضلعی کمانڈر بھائی عمیر شہید کی خبر تو کراچی آنے سے پہلے ہی مل چکی تھی جبکہ کراچی پہنچتے ہی جیش کے ضلع بارہ مولا کے کمانڈر بھائی انصار (ڈیرہ اسمٰعیل خان) کی شہادت کی خبر نے دل و جان کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس خبر کے فوراً بعد بڈگام سے مزید پانچ ساتھیوں کی شہادت کی خبر ملی کہ ہمارے بھائی بابر (ایبٹ

آباد)، بھائی عبداللہ (صوابی)، حافظ طارق (اٹک)، بھائی خالد (سوات)، بھائی حارث (کراچی) اور بھائی زبیر (سوپور) جام شہادت نوش فرما گئے ہیں۔ اسی طرح کشمیر کے مزید دو مقامی ساتھیوں کے شہید ہونے کی خبر بھی موصول ہوئی۔ المناک خبروں کا یہ سلسلہ کل رات بھی جاری رہا اور مجھے بتایا گیا کہ خیمے میں مجھ سے آخری ملاقات کر کے جانے والے تین جانبازوں میں سے دو بھائی کلیم اللہ اور بھائی نورالحق بھی جام شہادت نوش فرما گئے ہیں۔

شہید ہونے والے ان تمام سرفروش جانبازوں نے زندگی کے آخری لمحات تک دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور آفیسروں سمیت انڈین آرمی کے کئی فوجیوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے ابدی زندگی پالی۔ باوثوق خبروں کے مطابق اسلام کے ان قابل فخر سپوتوں نے نہ تو بزدلی دکھائی اور نہ دشمن کے سامنے ہتھیار پھینکے بلکہ خون کے آخری قطرے تک انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی لاج رکھی اور اپنی جان اللہ تعالیٰ پر فدا کرنے میں کسی طرح کی کوئی کمزوری نہیں دکھائی۔ اپنے ان مخلص، وفاشعار، بہادر اور محبوب ساتھیوں کی جدائی ہمارے لئے ایک صدمہ ہے۔ وہ حضرات تو اس چیز کو پاگئے جس کی تمنا ہر سچے مؤمن کے دل میں ہوتی ہے لیکن ہم ان کی کمی کو شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں۔

شہادتوں کے پے در پے قافلے زبانِ حال سے بتا رہے ہیں کہ رُت بدل رہی ہے اور خزاں کے بعد بہار کی آمد آمد ہے۔ مسلمانوں پر ایک اُمت ہونے کے ناطے لازم ہے کہ وہ ان شہداء کے خون کا بدلہ لیں اور ان کے مشن کو جاری رکھنے کیلئے تن اور دھن کی قربانی کو سعادت سمجھیں کیونکہ اگر تن اسلام پر قربان نہ ہوا تب بھی مٹی کا لقمہ بننے سے نہیں بچ سکے گا اور دھن اگر دین کی خاطر نہ لٹایا تب وہ خوفناک سانپ بننے سے دریغ نہیں کرے گا۔ شہداء کے نورانی چہرے اور ان کا معطر خون، ہمیں ایک ایسا راستہ دکھلا رہا ہے جسمیں کامیابی، بھلائی اور سعادت کے حسین تاج ان سروں کا انتظار کر رہے ہیں جو سر صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتے ہیں اور اسی کی راہ میں کٹتے ہیں۔

بولتے نقشے

ہم کمرے میں داخل ہوئے تو وہاں موجود ہر شہ پارہ نظروں کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ جی ہاں! اس وسیع وعریض کمرے کے ہر طرف دعوت جہاد، ایمانی جذبات اور بلند عزائم سے بھرپور طرح طرح کے فنی نمونے نہایت سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ ہم کسی ایک خاکے کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے تو اچانک نگاہیں کسی دوسرے خاکے کی طرف پھسل جاتیں، اسی طرح میزوں پر رکھے ہوئے کسی دستی ماڈل سے ہم ابھی لطف اندوز ہو رہے ہوتے تھے کہ دوسرا ماڈل ہمیں اپنی طرف گھسیٹ لیتا۔ ہمارے پاس وقت کم تھا جبکہ دل کو موہ لینے والے ان شہ پاروں کی تعداد ڈیڑھ سو سے بھی زائد تھی۔ بے جان تصاویر اور نقشوں پر مشتمل معنی خیز شاہکار اپنے اندر جذبات آفرین اور دردانگیز داستانیں لئے ہوئے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ یہ سارے نقشے اور ماڈل بول رہے ہیں اور اُمّت مسلمہ کے مسائل کی طرف چیخ چیخ کر متوجہ کر رہے ہیں۔ ہاتھ سے بنائے گئے ان نقشوں میں ایمانی جذبات کی زندگی صاف نظر آ رہی تھی جبکہ بعض نقشے اور ماڈل ان اُمیدوں کا نظارہ پیش کر رہے تھے جو اُمّت مسلمہ نے مجاہدین سے وابستہ کر رکھی ہیں۔

ظاہری طور پر یہ خاکے اور ماڈل اس انعامی مقابلے کا حصہ ہیں جس کا اعلان کچھ عرصہ پہلے ہفت روزہ ضرب مؤمن نے کیا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ضرب مؤمن نے اپنے قارئین کے ایمانی جذبات کو دستک دی تو کئی دلوں کا جوش اور درد بے ساختہ اُبل کر ان نقشوں اور ماڈلوں کے ذریعے باہر آ گیا۔ آج ضرب مؤمن کا ایک بڑا کمرہ ان دردانگیز شہ پاروں سے بھرا پڑا ہے اور ڈیزائن سازی، خطاطی اور معنی

شناسی کے ماہرین کے لئے یہ بات پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے کہ وہ مجوزہ انعامات کے لئے کون کون سے نقشے اور ماڈل کا انتخاب کریں کیونکہ ان نقشوں میں جن جذبات وعزائم کی ترجمانی کی گئی ہے انہیں نظر انداز کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ ضرب مؤمن کے اس انعامی مقابلے میں شریک یہ خاکے اور ماڈل کچھ تو مسجد اقصیٰ کا رونا رو رہے ہیں اور کہیں بیت اللہ شریف کے گرد غاصب وظالم فوجوں کی موجودگی کا دلخراش منظر دکھا کر مسلمانوں کو بیدار کر رہے ہیں۔ بعض ماڈلوں اور نقشوں میں بابری مسجد، کشمیر اور ہندوستان کی آزادی کے عزم کو دُہرایا گیا ہے جبکہ بعض نقشوں میں انڈیا کی شرمناک ہزیمت کی تمثیل پیش کی گئی ہے۔ کچھ ماڈلوں اور نقشوں کا موضوع امارتِ اسلامیہ افغانستان ہے جبکہ بعض خاکوں اور ماڈلوں میں اسیر مجاہدین کی یادوں کو تازہ کیا گیا ہے۔ کچھ ماڈل ایسے بھی ہیں جن میں اسلام اور جہاد کے جھنڈوں کو بلند ہوتے اور کفر کے بیڑوں کے غرق ہونے کا مسحور کن منظر دکھایا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نقشوں اور ماڈلوں کا یہ پورا جذباتی بیڑا مسلمانوں کے شعور کی بیداری کی خبر دے رہا ہے۔ میں الرشید ٹرسٹ اور ضرب مؤمن کی انتظامیہ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اُنہوں نے اس انوکھے اور اپنے انداز میں منفرد انعامی مقابلے کا انعقاد کیا۔ یقیناً ان کا یہ اقدام اُمّت مسلمہ کی بصیرت کو زندہ کرنے والا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ کچھ ہی دن قبل الرشید ٹرسٹ نے آنکھوں کے مفت علاج کا کیمپ لگا کر مسلمانوں کی کمزور بصارت کا علاج کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی تھی۔ بصارت کے بعد نور بصیرت کو بڑھانے کے لئے یہ منفرد مقابلہ مستقبل میں ان شاء اللہ دور رس نتائج کا حامل ہوگا۔ میں ان تمام غیور مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں جنہوں نے اس مقابلہ میں حصہ لے کر اپنے ایمانی شعور کا ثبوت دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان خاکوں اور ماڈلوں کو دیکھ کر ایسا لگ رہا ہے کہ ان شاء اللہ عنقریب زمین پر بڑی بڑی تبدیلیاں آنے والی ہیں۔ کل تک اگر اسلام دُشمن عناصر نے مسلمانوں کی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر دنیا کے ہر خطے میں انہیں غلام بنایا ہے تو اب انہیں جان لینا چاہئے کہ مسلمان قوم بیدار ہو رہی ہے۔ اور ان کی بیداری کے اثرات کفر کی بربادی کی صورت میں جگہ جگہ نظر آ رہے ہیں اور تو اور اب تو بے جان کاغذ اور مٹی کے بنے ہوئے ماڈل تک اس حقیقت کی گواہی دے رہے ہیں۔

والسلام

مکتوبِ خادم

میرے محترم وعزیز بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم سب کو جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سپاہی بنایا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اندر وہ صفات پیدا کریں جو ایک مجاہد کے لئے لازمی حیثیت رکھتی ہیں۔ بعض چیزیں دیکھنے میں چھوٹی نظر آتی ہیں لیکن وہ حقیقت میں بہت بڑی ہوتی ہیں۔ اسلامی احکام پر عمل، مضبوط نظم وضبط اور مقصد کے ساتھ وفاداری ہمارے جہاد کو ثمرآور بنائے گی۔ اسی بات کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے یہ مستقل کالم شروع کیا جارہا ہے۔ جیش کا ہر کارکن اس میں بیان کردہ گذارشات کو اپنے لئے مرکز کی طرف سے تنظیمی ہدایت سمجھ کر عمل کرے۔ آج کے اس کالم میں تین امور کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

(۱) مجاہدین امت مسلمہ کے خادم ہیں۔ بس ہمارے ہر عمل سے یہ ثابت ہونا چاہئے کہ ہم مسلمانوں کے لئے رحمدل اور اسلام کے دشمنوں کے لئے بے حد سخت ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ جیش کے مرکزی قائدین کی کسی شہر میں آمد کے موقع پر بعض احباب موٹر سائیکلوں پر سوار ہوکر سامنے سے آنے والے ٹریفک کو دائیں بائیں ہٹا کر راستہ بناتے ہیں۔ بندہ کے خیال میں یہ عمل مسلمانوں کے لئے بے حد غیر منصفانہ اور تکلیف دہ ہے۔ ہر شخص کو راستے پر مساوی حق حاصل ہے۔ ہم تو حکمرانوں کے اس طرز عمل سے شاکی تھے، چہ جائیکہ قوم کے غمگسار خادم حضرات مجاہدین یہ کام شروع کردیں۔ ممکن ہے مجبوری کے بعض حالات میں شرعاً اس کا کچھ جواز نکلتا ہو لیکن موجودہ عام حالات میں ایسا کرنا مجاہدین کی شان کے

خلاف ہے۔

جیش کے تمام منتظمین حضرات کارکنوں سے اس گذارش پر اہتمام سے عمل درآمد کرائیں۔

(۲) بعض غیر ذمہ دار افراد کو دیکھا گیا ہے کہ وہ جلسوں میں (لائسنس والے) اسلحے کی نمائش کرتے ہیں اور اس پر بہت خوش ہوتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک چھوٹے سے پستول کو کئی افراد شوقیہ طور پر ہاتھ میں لے کر لہراتے ہیں۔ اس چیز کا جہاد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آج ہمارے دشمنوں نے اس پستول سے زیادہ خطرناک اسلحہ بنایا ہے، اس لئے محض ایک پستول لہرانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس طرح کے عمل سے کارکنوں میں دکھلاوا، ریاکاری اور اپنے مسلمان بھائیوں پر رعب ڈالنے جیسی موذی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اسلحہ دکھانے کی نہیں چلانے کی چیز ہے اور اسے مسلمانوں پر نہیں اسلام کے دشمنوں پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ اللہ کے لئے اپنے اندر سنجیدگی اور گہرائی پیدا کیجئے۔ ہمارا دشمن ہمارے خلاف سنجیدہ ہے جبکہ ہم بچگانہ چیزوں میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور یہ چیز ہمیں عمل سے کوسوں دور کردیتی ہے۔ جیش کے جلسوں اور اجتماعات میں اسلحہ کی نمائش پر پابندی لگادی گئی ہے۔ آپ حضرات اس کا اہتمام فرمائیں، جہاد اور اسلحے سے محبت کا تقاضا یہی ہے۔ ان شاء اللہ اس سے جہاد کو وقار اور رعب نصیب ہوگا۔

(۳) آج کل اس بات کا رواج بن چکا ہے کہ دینی جلسے رات گئے تک جاری رہتے ہیں۔ ان کے منتظمین حضرات کے ذہن میں اس کی ضرور کوئی حکمت ہوگی، لیکن جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جلسوں کی حد تک اس بات کا اہتمام چاہتی ہے کہ یہ جلسے زیادہ سے زیادہ رات کے گیارہ بجے تک ختم ہوجائیں تاکہ بیمار وکمزور افراد بھی ایمانی محفلوں میں شریک ہوسکیں، شرکاء جلسہ کی نماز فجر سستی کا شکار نہ ہو اور جن جلسوں میں خواتین کی شرکت ہوتی ہے، وہ بسہولت گھروں کو واپس جاسکیں۔ اس اعلان کے بعد جیش کے تمام ذمہ دار اور کارکن جلسوں کے بروقت ختم ہونے کو یقینی بنانے کی کوشش کریں۔ چونکہ یہ معاملہ محنت طلب ہے، اس لئے اس پر حتمی عمل کے لئے آج سے دو ماہ کا وقت دیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا نصیب فرمائے۔

والسلام

مشاہدۂ نصرت

(۱)

اللہ تعالیٰ کی واضح ''نصرت'' کا مشاہدہ ایک عظیم نعمت ہے۔ اس کے ذریعے تندرست دلوں کو مزید قوت اور بیمار دلوں کو شفاء ملتی ہے۔ کم ہمتی، احساس کمزوری اور مایوسی کے امراض کا علاج بھی ''مشاہدۂ نصرت'' میں پوشیدہ ہے، کیونکہ انسان جب اپنی آنکھوں سے ناممکن کو ممکن ہوتا دیکھتا ہے تو اس کے حوصلے ثریا کے عروج کو مات کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت نام ہی اس چیز کا ہے کہ جہاں ظاہری اسباب آخری ہچکی لیتے ہیں، وہیں سے اللہ تعالیٰ کی غیبی طاقت اپنا آغاز کرتی ہے۔ صرف ایک نظر قرآن مجید کے ذکر فرمودہ واقعات پر ڈالیے، اللہ تعالیٰ کی نصرت کے عجیب وغریب مشاہدے آپ کو قعر مایوسی سے اٹھا کر میدان عمل میں لا کھڑا کریں گے۔

یہ دیکھیے غار ثور میں کیا ہو رہا ہے؟ کیا عقل اسے ممکن بتاتی ہے؟ ہرگز نہیں! کیونکہ عرب کے بدو دنیا کے نامور اور ماہر ترین کھوجی تھے۔ لیکن کس نے ان کی آنکھوں کو اندھا اور عقل کو ماؤف کیا؟ وہ غار کے منہ پر حیران پریشان کھڑے ہیں اور ان کی نگاہیں اپنے قدموں کے نیچے دیکھنے سے عاجز ہیں۔ غار کے چاروں طرف کی خوفناک گھیرے بندی اور اس سے پہلے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک کی زبردست گھیرے بندی کے باوجود ''نصرت'' اپنا کام دکھاتی گئی اور کافروں کو بھی کہنا پڑا کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طاقت ناقابل تسخیر ہے۔

اب اگر کوئی پھبتی کسے کہ یہ سب کچھ ملی بھگت سے ہوا، یہ اہل مدینہ کے خلاف ایک سازش تھی، ورنہ چھوٹے سے مکان کے گرد ایک سو بہادر، تجربہ کار اور خونخوار جنگجوؤں کی موجودگی میں اس طرح باہر آنا کہ انہیں خبر تک نہ ہو، کس طرح ممکن ہے؟ پھر اہل مکہ کے کریک ڈاؤن کو توڑ کر غار ثور سے مدینہ منورہ تک کا طویل سفر طے کر لینا یہ بھی شبہ میں ڈالتا ہے۔

یقیناً اس طرح کی ظالمانہ پھبتیاں کسنے والے سے کہا جائے گا کہ خدارا! اپنی زبان کو قابو میں رکھو، جس رب نے تمہیں پانی کے ایک قطرے سے اتنا خوبصورت انسان بنایا، وہ اس پر قادر ہے کہ حقیر و ذلیل مشرکوں کے درمیان سے اپنے پاک نبی کو بچا کر لے جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ جو گوبر اور خون کے درمیان سے سفید، پاک صاف دودھ نکال سکتا ہے، وہ اس پر بھی قادر ہے کہ دشمن کی گھیرے بندی کے درمیان سے کسی فرد یا چیز کو حفاظت کے ساتھ نکال دے۔

اس عظیم الشان واقعے کے علاوہ قرآن مجید نے اور بھی بہت سارے ایسے واقعات ہمیں سنائے ہیں جن میں خود کو ناقابل تسخیر سمجھنے والے کفر کو کمزور اور نہتے اہل ایمان کے ہاتھوں نصرت الٰہی کی بدولت ذلیل ہوتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کی آگ سے بچ نکلنا، جالوت جیسے طاقت کے نشے میں دھت حکمران کی شکست، فرعون کا غرق ہونا، غزوۂ بدر میں کفر کے عسکری سیلاب کا چند نہتے مسلمانوں کے ہاتھوں برباد ہونا، مدینہ منورہ کے طاقتور یہودیوں کا کمزور لوگوں کے ہاتھوں قتل اور جلاوطن ہونا۔ بلکہ قرآن مجید تو ہمیں بے شمار سچے واقعات کے تناظر میں یہ بات سمجھاتا ہے کہ اللہ کے دشمن کبھی بھی ناقابل تسخیر یا ناقابل شکست نہیں ہیں، بلکہ اگر مسلمان عزم کر لیں تو اسلام کے ہر دشمن کو زیر کر سکتے ہیں اور اس کی ہر تدبیر اور سازش کا قلع قمع کر سکتے ہیں، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر قرآن ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ جو مسلمان کافروں کی طاقت کو ناقابل شکست سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور ان کی یہ غلطی انہیں گمراہی اور نفاق کے شرمناک گڑھوں میں دھکیل سکتی ہے۔ پس مسلمان کی نظر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور طاقت پر ہونی چاہئے کہ وہ اعلیٰ نیت اور اعمال کے ذریعے اس نصرت کو اپنے ساتھ لے کر دنیا کے ہر کفر کو شکست دے، اسلام کے دشمنوں کی ہر پابندی کو توڑے اور اسلام کے خلاف اٹھنے والی ہر طاقت کو پاش پاش کرے۔

اس بات کو سمجھانے کے لئے قرآن اپنے ہر پارے میں ہمیں نصرت الٰہی کے عجیب وغریب اور ایمان افروز مشاہدے کراتا ہے اور ہمیں بتاتا ہے کہ ہم کسی بھی کفر کے سامنے ہتھیار نہ ڈالیں اور نہ کبھی اس

کے مقابلے سے پیٹھ پھیریں اور نہ اس کی طاقت سے مرعوب ہو کر اس کی حاکمیت کو تسلیم کریں، بلکہ ہمیں ہمیشہ کفر کی طاقت سے ٹکرانا ہے اور اس کی ہر چال کو توڑنا ہے۔ پس جن مسلمانوں نے قرآن کے اس پیغام کو سمجھ لیا ہے وہ کبھی بھی کفر کے سامنے نہیں جھکتے، وہ اکیلے ہوں یا بہت سارے، مسلح ہوں یا نہتے، کفر کی طاقت کو توڑنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگاتے رہتے ہیں اور کسی حال میں بھی اس نامبارک بات کا اظہار نہیں ہونے دیتے کہ کفر نے اسلام یا مسلمانوں کو دبا لیا ہے۔

آج سے تقریباً سات سال پہلے جب میں انڈیا کے مشرکین کے ہاتھوں قید ہو گیا تو جس چیز نے مجھے اس اذیت ناک قید میں سب سے پہلے سہارا دیا وہ قرآن تھا اور خصوصی طور پر قرآن مجید کے مقدس الفاظ میں نصرت الٰہی کے جا بجا مشاہدے میرے زخموں کے لئے مرہم اور میرے عزائم کے لئے آکسیجن کا کام دیتے رہے۔ اس قید کے دوران جسم و ذہن پر جو کچھ بیتا اس کا تذکرہ تو فضول ہے، البتہ دین کے کام سے محرومی کا شدید احساس اس قابل ہے کہ اسے یاد رکھا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کے کام کے بغیر انسانی زندگی زمین پر ایک بوجھ ہے اور اگر طبیعت حساس ہو تو انسان کو اس وقت اپنے آپ سے شدید نفرت ہونے لگتی ہے جب وہ دین کے کام اور جہاد کی محنت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ گرفتاری کے چند دن بعد مجھ پر یہی کیفیت سوار ہو گئی اور میں اس سوچ میں ہر وقت کڑھنے لگا کہ میں اب جہاد کے کام اور دین کی محنت سے محروم کر دیا گیا ہوں۔ عقوبت خانے کی تنگ کوٹھڑی نے میرے جسم کو اور احساس محرومی نے میرے دل کو اندھیروں کا مسکن بنا دیا۔

گرفتاری سے پہلے قرآن مجید کے ساتھ آشنائی تو تھی مگر قرآن مجید کا قرب اور اس کی خاص رفاقت جیل ہی میں نصیب ہوئی۔ عقوبت خانے میں میرے پاس کوئی مشغولیت نہیں تھی اور اپنے رفقاء سے ملاقات پر بھی پابندی تھی، اس لئے قرآن مجید کے ساتھ شب و روز گزرنے لگے تو تاریکی و مایوسی کے جالے اپنی موت آپ مرنے لگے۔ قرآن مجید نے مجھے پابندیاں توڑنے اور حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی بار بار ترغیب دی اور مجھے بے شمار نئے مضامین بھی سکھائے، اس وقت مجھے کاغذ اور قلم کی قدر معلوم ہوئی۔ میرے ذہن میں کئی کتابوں کے خاکے مچل رہے تھے اور میرے دل پر مضامین کی بارش ہو رہی تھی لیکن میں قلم اور کاغذ سے محروم تھا۔ اس وقت میری خواہش بس اس قدر تھی کہ کوئی چھوٹا سا کاغذ مل جائے جس پر میں کچھ اشارے لکھ لوں تا کہ جب اللہ تعالیٰ موقع عطاء فرمائے تو ان

اشاروں کو زبان دی جا سکے، مگر اس وقت کاغذ کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی میسر نہیں تھا۔ حالات آئے دن بد سے بدترین ہوتے جا رہے تھے، جب کہ قرآن مجید مجھے تسلی دے رہا تھا کہ دشمن جتنا بھی گھیرا تنگ کر لیں، اگر تم ایمان پر رہے تو یہ گھیرا ٹوٹے گا اور بار بار ٹوٹے گا اور مشرکوں کو سوائے پچھتانے اور حسرت کے کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔

عقوبت خانے میں گذارے گئے ان سات مہینوں کے دوران صفحہ تخیل پر کئی نظمیں، کئی اشعار اور کئی مضامین ابھرے اور گم ہو گئے اور سوائے دو چار خطوط کے مجھے اور کچھ لکھنے کا موقع نہیں ملا لیکن مجاہدین کے نام لکھے گئے ان دو چار رہنما خطوط کے باہر باحفاظت پہنچ جانے سے نصرت الٰہی کا کچھ کچھ مشاہدہ شروع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بھی مشکل نہیں تھا کہ ان سات ماہ میں بھی وہ مجھے کتابیں اور مضامین لکھنے اور بھجوانے کے مواقع عطاء فرما دیتا لیکن وہ حکیم ہے اور اس بات کا موقع عطاء فرما رہا تھا کہ میں سات ماہ کے اس عرصے میں قرآن مجید کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گذار کر سکون حاصل کر سکوں اور اس دوری اور غفلت کا تدارک بھی کر لوں جو قرآن مجید کے ساتھ چند سالوں سے ہو رہی تھی۔ عقوبت خانے کی تاریکیوں میں اگر چہ زیادہ کچھ لکھنے اور بھجوانے کی سہولت نہیں ملی لیکن مشاہدۂ نصرت اور کئی طریقوں سے ہوتا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تاریکیوں میں جو چیز ہمیں صاف نظر آتی تھی وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی جب کہ اس کے علاوہ باقی چیزیں دھندلی اور مٹی مٹی سی نظر آتی تھیں۔ نصرت الٰہی کے ان مناظر کا تذکرہ اگر یہاں چھیڑ گیا تو اصل موضوع سے انحراف ہو جائے گا، اس لئے اسے کسی اور موقع کے لئے چھوڑ کر بات آگے بڑھاتے ہیں۔

اسلام آباد (اننت ناگ)، بڈگام اور سرینگر کے فوجی عقوبت خانوں میں سات ماہ کا عرصہ گزار کر ہم جموں کے مضافات میں واقع کوٹ بھلوال جیل منتقل کر دیے گئے۔ اس جیل کا ماحول عقوبت خانے کے ماحول سے بہت مختلف تھا۔ یہاں درس و تدریس کی سہولت اور کاغذ و قلم جیسی نعمتیں میسر تھیں، لیکن وہاں جاتے ہی درس و تدریس کے حلقے ایسے جمے کہ قریب ہونے کے باوجود کاغذ قلم سے رشتہ نہ جڑ سکا۔ جیل میں مجاہدین کا ہجوم تھا۔ ایک ہزار سے زائد مجاہدین کو پڑھانے کے علاوہ ان کے انتظامی معاملات کی وجہ سے زندگی کو پھر مصروفیت نصیب ہو گئی اور سونے کھانے کے لئے وقت تنگ پڑ گیا۔ بہت کوشش کر کے تھوڑا سا وقت کاغذ قلم کے لئے نکالا ہی تھا کہ اچانک جیل کے حالات خراب ہو گئے اور حالتِ جنگ جیسی

کیفیت نے ہمیں سرنگ کھودنے، پہرے لگانے اور رات دن چوکس رہنے پر مجبور کردیا۔ ایک ماہ سے زائد کا عرصہ ان ایمانی محنتوں میں سخت کشمکش کی حالت میں گزر گیا۔

نومبر کے ٹھنڈے مہینے کی ایک صبح ہمارے لئے ایک نئے ''امتحانِ محبت'' کا پیغام لے کر آئی۔ جیل حکام نے سی آر پی ایف کی سات کمپنیوں اور اپنی آرمڈ فورس کے تعاون سے جیل پر حملہ کردیا۔ اتوار کی ہفتہ واری چھٹی کی وجہ سے اسیرانِ راہ حق کو بروقت خبر نہ ہوسکی۔ پھر بھی جو سنبھل سکتے تھے سنبھل گئے اور تقریباً دو گھنٹے تک جیل کی بارکیں اور گلیاں فلسطین کا منظر پیش کرتی رہیں۔ (جاری ہے)

مشاہدۂ نصرت

(۲)

مگر تھوڑی دیر کے بعد جیل کا منظر نامہ بدل گیا۔ اب مجاہدین پر ہر طرف سے فائر ہو رہے تھے، دیواروں پر بنے بنکرز سے گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی، جبکہ آنسو گیس کا استعمال بھی بے دریغانہ کیا جارہا تھا۔ ہمارے مجاہد رفقاء میں سے بھائی نوید انجم حکیم رحمہ اللہ پتھروں کے ساتھ گولیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئے جبکہ ہم سب پاکستانی مجاہدین اور کچھ سرکردہ کشمیری مجاہدین کو جیل میں دوبارہ گرفتار کرلیا گیا۔

جیل حکام زخمی بھی تھے اور غیظ وغضب کی آگ میں جل بھن بھی رہے تھے۔ انہوں نے ایک ماہ تک بے بس قیدیوں پر اپنی فطری بزدلی کا خوب مظاہرہ کیا۔ بے شک مشرک میدان جنگ میں انتہائی کمزور ہوتا ہے، لیکن جب کسی نہتے اور بے بس شخص پر ان کا بس چلے تو پھر وہ سنبھالے نہیں سنبھلتا۔ یہ بات ہمیں قرآن مجید نے سکھائی تھی اور ہم نے انڈیا کی جیلوں میں اس کا بھرپور مظاہرہ اپنی آنکھوں سے بار بار دیکھا۔ اب دوبارہ ہم سب قیدی ہر طرح کی سہولت اور کاغذ وقلم سے محروم کردیے گئے۔ ویسے اگر ان دنوں کاغذ قلم مل بھی جاتے تو یقیناً ہمارے ہاتھ قلم تھامنے سے انکار کردیتے اور ہمارے سر کی ٹیسیں ہمیں کاغذ پر نظر تک نہ جمانے دیتیں۔ انہی دنوں صفحۂ ذہن پر ایک نئی نظم ابھری جس کے چند اشعار اب یاد رہ گئے ہیں۔

غم دل کو چھپانا آگیا ہے
ہمیں جو مسکرانا آگیا ہے
بدن زخمی، کڑی ہاتھوں میں ہر دم
محبت کا زمانہ آگیا ہے
مرے دشمن کے ہاتھوں میں اچانک
خوشی کا اک بہانہ آگیا ہے

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ ہر تنگی کے بعد وسعت آتی ہے۔ ہندوستان کے حکمران ہمارے بارے میں پریشان تھے کہ انہیں اب کہاں رکھا جائے؟ کوٹ بھلوال جیسی جیل اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلے چند خاک نشینوں کو نہ سنبھال سکی۔ جیل حکام اور انڈیا کے عسکری ماہرین اس ساٹھ فٹ لمبی سرنگ کو دیکھ کر حیران وششدر تھے جو ہمارے مجاہد ساتھیوں نے عمدہ مہارت اور مثالی جانفشانی کا ثبوت دے کر کھودی تھی۔ تشدد کے دوران وہ ہم سے کہتے تھے کہ اگر ہم کئی سو افراد کو دن رات اس کام پر لگا دیں اور طرح طرح کے آلات انہیں دے دیں تو وہ بھی ایسی پتھریلی زمین میں اس طرح کی سرنگ نہیں کھود سکیں گے۔ حیرانی اور پریشانی کے عالم میں انڈین حکمرانوں نے اپنے گمان میں ہمارے لئے بہت سخت فیصلہ کیا اور ہمیں دہلی کی بدنام زمانہ تہاڑ جیل میں منتقل کر دیا۔

آپ یقین جانئے کہ ہمیں جب اس فیصلے کا علم ہوا تو ہم بے حد پریشان ہوئے۔ تہاڑ جیل کے متعلق ہم نے بہت کچھ سن رکھا تھا، چنانچہ جس رات ہمیں معلوم ہوا کہ صبح ہمیں دہلی بھیجا جائے گا وہ رات ہم سب پر بے حد گراں گذری۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آدھی رات گذرنے کے باوجود مجھے نیند نہیں آرہی تھی اور بار بار میرا یہ ارادہ بنتا تھا کہ میں سجدہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعاء کروں کہ وہ ہم سب کو تہاڑ جیل منتقل ہونے سے بچالے، خواہ اس کے بدلے ہمیں دو سال تک مزید جموں کے اس عقوبت خانے میں رہنا پڑے، لیکن میں نے سخت مجاہدہ کر کے خود پر قابو پایا اور اپنے آپ کو یہ دعاء مانگنے سے یہ سوچ کر روکے رکھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے خود ہی بہتر معاملہ فرمائے گا۔ صبح کے وقت ہم سب ساتھیوں کو دہلی کی طرف روانہ کر دیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت ہم سے پہلے تہاڑ جیل پہنچ کر راہ حق کے لئے ماریں کھائے ہوئے مسافروں کا انتظار کر رہی تھی۔ تہاڑ جیل پہنچ کر معلوم ہوا کہ واقعی وہ بہت سخت جگہ ہے لیکن وہاں دو

سال تک جس طرح سے نصرت الٰہی کا مشاہدہ ہوتا رہا، اس نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کو اور بڑھا دیا۔

جس صبح ہم نے تہاڑ جیل کے کالے دروازے میں قدم رکھا، اس دن کے بعد سے لے کر رہائی کے دن تک اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل متوجہ رہا کہ چند گنے چنے دنوں کے علاوہ ہمیشہ لکھنے پڑھنے کی سہولت کسی نہ کسی طرح میسر رہی اور اکثر اوقات لکھے ہوئے مضامین ومقالات کو بھجوانے کے مواقع بھی ملتے رہے۔

احادیث وروایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے کا خوف بھی بہت بڑی نعمت ہے اور اکثر اوقات اس نعمت کے بعد امن وسکون کی نعمت نصیب ہوتی ہے۔ تہاڑ جیل منتقل ہونے سے پہلے والی رات تمام رفقاء کے لئے سخت کرب، بے چینی اور خوف کی رات تھی اور اس رات زندگی سے زیادہ موت عزیز لگ رہی تھی، مگر سب رفقاء کرام نے نہایت صبر وتحمل کے ساتھ اس رات کے خوف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ بس اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی اور تہاڑ جیل پہنچتے ہی قید وبند کی صعوبتوں میں کسی قدر کمی آگئی۔ تہاڑ جیل میں دو سالہ قیام کے دوران اللہ تعالیٰ نے بعض کتابیں اور ستر کے قریب مضامین لکھنے کی توفیق عطاء فرمائی۔ ایک کتاب جو دو سو بڑے صفحات پر مشتمل تھی، جیل حکام کی سختیوں کی وجہ سے ضائع ہوگئی۔ جبکہ باقی کتابیں اور مضامین باحفاظت پاکستان پہنچ گئے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بندہ نے جیل میں جو کچھ لکھا اسے بھجوانے میں کچھ نہ کچھ مشقت اور مجاہدہ ضرور آیا، لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی اور ہر بار نئے طریقے سے اس نصرت کا مشاہدہ ہوا۔ چنانچہ ہر کتاب کے جیل سے باہر نکلنے اور پاکستان تک پہنچانے کی عجیب داستان ہے۔ ایسی داستان جو ایمان بھی بڑھانے والی ہے اور حوصلہ بھی۔ لیکن چونکہ کشمیر کی تحریک جاری ہے اس لئے ان داستانوں کا تذکرہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ خلاصہ بس اس قدر ہے کہ جیل میں ان مضامین وکتب کا لکھا جانا اور پھر ان کا باحفاظت پاکستان پہنچ جانا جہاد کی زندہ کرامت اور اللہ تعالیٰ کی واضح نصرت ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ انڈیا کے مشرکوں کو آخری دن تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ جیل میں اس قدر کام ہو رہا ہے اور مختلف طریقوں سے یہ سب کچھ باہر بھی جا رہا ہے۔

مضامین اور کتابوں کو باہر بھجوانے میں جس قدر محنت اور پریشانی ہوتی تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ بندہ نے کتاب ''فضائل جہاد'' کی قسطوں میں ایک اور ملک کے راستے بذریعہ ڈاک پاکستان بھجوادی، مگر کئی ماہ گذرنے کے باوجود کتاب کے پاکستان پہنچنے کی خبر نہ آئی۔ انتظار کے یہ

دن بے حد بے چینی میں گذرے اور غیر یقینی صورتحال ہونے کی وجہ سے مزید کچھ لکھنے کی ہمت بھی نہ ہوئی۔ وہ ذریعہ جو ہم نے کتاب بھجوانے کے لئے استعمال کیا تھا کافی معتبر تھا، لیکن کئی ماہ تک جب کتاب کے پہنچنے کی اطلاع نہ آئی تو یہ ذریعہ بھی مشکوک ہو گیا اور ہم نے احتیاطاً اس ذریعے کا استعمال محدود کر دیا۔ اسی دوران وہ معتبر اور قیمتی ذریعہ ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا۔ انہی ایام میں ایک دن میں عصر کی نماز کے بعد چہل قدمی کے دوران دو ساتھیوں کو سبق پڑھا رہا تھا کہ مجھے ایک کاغذ موصول ہوا۔ میں نے چلتے چلتے اس کا مطالعہ شروع کر دیا جب میری نظر اس خبر پر پڑی کہ ''فضائل جہاد'' کا مسودہ باحفاظت پہنچ چکا ہے تو میں خوشی سے چیخ مار کر بے ساختہ زمین پر گر پڑا۔ میرے ساتھیوں نے مجھے اٹھایا اور جب انہوں نے یہ خبر سنی تو ہم سب کی آنکھیں اظہار تشکر سے بھیگ گئیں۔ آج جبکہ مجھے یہ سہولت میسر ہے کہ مضامین لکھ کر فوراً اشاعت کے لئے بھجوا دیتا ہوں اور منٹوں کے اندر ان کے پہنچنے کی خبر بھی آ جاتی ہے تو مجھے وہ دن یاد آتے ہیں جب ایک ایک مضمون کو بھجوانے کے لئے سخت محنت کرنی پڑتی تھی اور بہت ساری خلاف طبع ناگوار باتوں کو برداشت کرنا پڑتا تھا۔ میں ان حالات پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور موجودہ حالات پر بھی۔

ادھر تہاڑ جیل پہنچنے کے بعد لکھنے کی سہولت ملی اور ادھر پاکستان میں ہفت روزہ ''ضرب مؤمن'' کا اجراء ہو گیا اور یوں میری تحریروں کا بہترین مصرف مجھے بغیر کسی محنت کے محض اللہ تعالیٰ کی نصرت سے نصیب ہو گیا۔ جیل میں لکھے جانے والے میرے اکثر مضامین ''ضرب مؤمن'' میں شائع ہوئے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ کے ساتھ براہ راست رابطے کی یہ سہولت مہیا فرما دی۔ تہاڑ جیل میں قیام کے آخری ایام سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ میری رہائی کے دن تک جاری رہا۔ میں وقتاً فوقتاً مضامین لکھ کر بھجواتا رہا اور ''ضرب مؤمن'' کے منتظمین حضرات نہایت اہتمام کے ساتھ انہیں شائع کرتے رہے۔ بعض اوقات مستقل کتابوں کی تصنیف، حفظ قرآن اور درس و تدریس میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے مضامین کا سلسلہ منقطع ہو جاتا تھا تو ''ضرب مؤمن'' میں ان نئی تصنیف شدہ کتابوں کے اقتباسات یا بندہ کے بعض خط شائع کر کے خالی جگہ پر کر لی جاتی تھی اور یوں میری اسارت کے زمانے میں ''ضرب مؤمن'' میرے ٹوٹے پھوٹے خیالات کا ترجمان بنا رہا۔ رہائی کے بعد ''معرکہ'' نامی کالم کے ذریعے ''ضرب مؤمن'' کے ساتھ رشتہ قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رشتے کو قبول فرمائے اور اسے میرے لئے ذخیرۂ

آخرت اور سبب مغفرت بنائے۔

کچھ دن پہلے معلوم ہوا کہ برادر محترم مفتی ابولبابہ صاحب زید مجدہ بندہ کے ان مضامین کو ایک کتاب میں مرتب فرما رہے ہیں جو اسارت کے زمانے میں لکھے گئے اور ''ضرب مؤمن'' میں شائع ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ خود ایک صاحب طرز ادیب اور امت مسلمہ کے مسائل کا درد رکھنے والے ایک پرسوز مفکر ہیں۔ آپ ''ضرب مؤمن'' کی فکری اور صحافتی عمارت کے ایک مضبوط ستون بن کر کافی عرصہ سے امت مسلمہ کی رہنمائی کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ ان کا مجھ جیسے چھوٹے اور ناچیز آدمی کے مضامین کو جمع کرنا عجیب ہی نہیں، عجیب تر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میری طرف منسوب یہ مضامین صرف اور صرف نصرت الٰہی کے سہارے اُمت مسلمہ تک پہنچے ہیں، چنانچہ مفتی صاحب موصوف کا اس کام کی طرف متوجہ ہونا بھی میرے لئے نصرت الٰہی کا ایک ایمان افروز مشاہدہ ہے۔

''روزن زنداں سے'' کے عنوان سے مضامین و مقالات کا یہ مجموعہ اب آپ کے ہاتھوں میں ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت کا کھلا مشاہدہ ہے جو کفر کی طاقت سے مرعوب ہو کر ہمت ہار رہے ہیں۔ دیکھئے! یہ تمام مضامین دشمن کے گھیرے سے نکل کر پاکستان کس طرح پہنچے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ کی نصرت ہی کے ذریعے یہ سب کچھ ممکن ہوا۔ ان مضامین کا لکھنا، انہیں سنبھال کر دشمنوں سے بچا کر رکھنا اور پھر دشمنوں کے درمیان میں سے انہیں پاکستان بھجوانا یہ سب اللہ تعالیٰ کی نصرت کے واضح کرشمے ہیں۔ آپ اس کتاب کو دیکھئے اور پھر اس بات کا یقین اپنے دل میں بٹھائیے کہ اللہ تعالیٰ واقعی ایمان والوں کے ساتھ ہے اور کفر کی بڑی سے بڑی طاقت اس کی نصرت کو اس کے بندوں تک پہنچنے سے نہیں روک سکتی اور اللہ تعالیٰ کی نصرت جب چاہے اور جہاں چاہے آسانی کے ساتھ پہنچ کر دشمنوں کے گھیرے توڑ دیتی ہے۔ بس یہ کتاب مسلمانوں کے لئے اس انداز میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کا واضح مشاہدہ ہے۔ اللہ کرے یہ مشاہدہ تمام مسلمانوں کے لئے سرمۂ بصیرت بنے تاکہ ان کی آنکھوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ایسی بیٹھ جائے کہ کفر کی طاقتیں انہیں مکڑی کا جالا نظر آنے لگیں۔

آخر میں تمام قارئین کرام سے عاجزانہ درخواست ہے کہ بندہ کو اپنی کم علمی اور بے علمی کا مکمل اعتراف ہے، اس لئے اگر آپ کو اس کتاب میں کوئی کوتاہی نظر آئے تو آپ خیر خواہی کے جذبے کے

تحت ضرور آگاہ فرمائیں اور اگر آپ کو اس کتاب سے کچھ فائدہ پہنچے تو بندہ کی بخشش اور اخروی کامیابی کے لئے دعا فرمادیں۔ وأجركم على الله.

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين.

آزادی کا پہلا رمضان

اللہ تعالیٰ کے مبارک راستے جہاد فی سبیل اللہ میں میری گرفتاری ۱۴۱۴ھ کے سال اٹھائیس شعبان کو ہوئی تھی اور یوں گرفتاری کے دو دن بعد ہی رمضان المبارک کا مقدس مہینہ شروع ہو گیا۔ جیل کی عجیب و غریب زندگی میں میں نے چھ رمضان مکمل اور ساتویں رمضان المبارک کے ساڑھے اکیس دن دیکھے اور الحمدللہ! بائیس رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بحالت آزادی امارت اسلامیہ افغانستان کے شہر قندھار پہنچا دیا۔ جیل کا رمضان بہت عجیب ہوتا تھا۔ آخری تین رمضان تو تراویح میں قرآن سنانے کی محنت میں گذر گئے۔ اب جبکہ میرے بہت سارے عزیز ساتھی ابھی تک جیل میں ہیں، مجھے جیل کا رمضان یاد آتا رہتا ہے۔ رمضان المبارک میں ہم تمام قیدی باہمی مشورے سے خصوصی ترتیب بنایا کرتے تھے تاکہ ہم میں سے ہر فرد کا وقت قیمتی بن جائے۔

رمضان المبارک کی آمد سے کچھ پہلے ہمارے دو اہم اجلاس ہوتے تھے، ایک اجلاس میں تو رمضان المبارک کی اہمیت، فضیلت اور آداب کے بیان کے بعد عبادات کی ترتیب بنائی جاتی تھی اور یہ طے کیا جاتا تھا کہ کون ساتھی کسے قرآن مجید سنائے گا؟ اجتماعی تراویح کون پڑھائے گا؟ روزانہ کی تلاوت کا معمول کیا ہوگا؟ زبان کی حفاظت اور دیگر گناہوں سے حفاظت کیلئے کس قدر اہتمام کیا جائے گا؟ اس مجلس یا اجلاس میں ساتھیوں کو تہجد کی پابندی، تلاوت کی کثرت، دعاؤں کے اہتمام اور زبان کی حفاظت جیسے اہم معاملات سمجھائے جاتے تھے، جبکہ ہمارا دوسرا اجلاس انتظامات سے متعلق ہوتا تھا کہ سحری کون

پکائے گا؟ افطار کے وقت کا کھانا تیار کرنا کس کے ذمے ہوگا؟ برتن دھونے اور صفائی کرنے کے معاملات کون سنبھالے گا اور افطار کیلئے ساتھیوں کی طرف سے دوسرے ساتھیوں کیلئے منگوائے جانے والے خور دونوش کے سامان کا نگران کون ہوگا؟

جیل کی محدودسی زندگی میں ہمارا باہمی نظام کسی بڑی اور منظم حکومت کی طرح طے کیا جاتا تھا اور اس کے نفاذ کیلئے بھرپور کوشش کی جاتی تھی، مثلاً ہم نے یہ قانون باہمی طور پر طے کرلیا تھا کہ کوئی ساتھی رزق کو ضائع نہیں کرے گا۔ روٹی ہو یا چاول، چائے ہو یا سالن، ہر چیز کو ضائع ہونے سے بچایا جائے گا۔ ابتدائی طور پر ساتھیوں کیلئے یہ کام کافی مشکل تھا، کیونکہ ماضی میں انہیں اس کی ضرورت اور اہمیت سے ناآشنا رکھا گیا تھا۔ چنانچہ اس موضوع پر جیل میں خوب بیان ہوئے، روز روز کی ترغیب وتاکید سے ساتھیوں کے مزاج میں بہتر تبدیلی آگئی، لیکن کچھ ساتھی پھر بھی اہتمام سے قاصر رہے۔ چنانچہ نظام کے مضبوطی کے لئے اس شعبے کا ایک نگران مقرر کیا گیا اور بے احتیاطی کرنے پر قدرے تادیب کا سلسلہ بھی شروع کردیا گیا۔ اس اہتمام کے بے شمار فوائد دیکھنے کو ملے۔ خصوصی طور پر یہ ہوا کہ روزی میں خوب برکت ہوگئی اور جیل میں وہ نعمتیں بھی میسر آنے لگیں جن کا وہاں تک پہنچنا کافی مشکل ہوتا ہے۔

رمضان المبارک میں عبادات اور انتظامات دونوں کا نظام بنا کر اس کی سختی سے نگرانی کی جاتی تھی، چنانچہ رمضان المبارک میں گپ شپ کی محفلوں اور باہمی اختلافات کی سخت حوصلہ شکنی کی جاتی، جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ہمارے ایک وارڈ میں روزانہ درجنوں قرآن مجید ختم ہوتے تھے اور کئی ساتھی روزانہ دس پاروں سے بھی زیادہ تلاوت کا اہتمام کرتے تھے۔ ابتداء میں کچھ ساتھی تراویح کے بارے میں سستی کا شکار تھے لیکن مناسب نظام کی وجہ سے یہ سستی دور ہوگئی اور ساتھی بہت اہتمام سے تراویح پڑھنے لگے۔ اسی ذوق وشوق کو دیکھ کر تراویح کے بعد خلاصہ قرآن کا سلسلہ بھی شروع کردیا گیا جس میں پڑھی گئی منزل کا مختصر اور جامع خلاصہ بیان کیا جاتا تھا۔ تراویح کے علاوہ بھی دو دو چار چار ساتھی ایک دوسرے کو قرآن سناتے رہتے تھے، اور یوں رمضان کی راتیں قرآن کی تلاوت سے منور رہتی تھیں۔ آخری عشرے میں نمازوں کا اہتمام بڑھ جاتا تھا اور ساتھی تراویح کی اجتماعی نماز میں سے اپنی چند رکعتیں بچالیتے اور پھر ان رکعتوں میں، خوب قرآن پڑھ کے اپنی راتوں کو حسین بناتے۔ رمضان المبارک میں فجر کی نماز میں قنوت نازلہ کا بھی اہتمام کیا جاتا اور بعض اوقات آدھے سے پونے گھنٹے کی دعاء مانگی جاتی، جس میں ساتھی بے

ساختہ روتے تھے اور بعض اوقات ان کی آہ وزاری سے جیل کی دیواریں تک ہلتی معلوم ہوتی تھیں۔

رمضان المبارک کے اہم معمولات میں افطار سے بیس منٹ قبل ہونے والی تعلیم تھی۔ اس تعلیم کے دوران فضائل جہاد (کامل) کا مسودہ بھی طباعت سے پہلے پڑھا گیا۔ یقیناً یہ اس کتاب کیلئے شرف کی بات ہے کہ اس کی اشاعت سے پہلے راہ حق کے اسیروں کے درمیان اس کی تعلیم ہوئی اور کمانڈر سجاد افغانی شہید رحمہ اللہ جیسے عملی مجاہدین نے اس تعلیم میں نہایت رغبت اور اہتمام سے شرکت کی۔ فضائل جہاد کے علاوہ اور بھی کئی کتابوں کی تعلیم اس مجلس میں ہوتی رہی، جن میں فضائل اعمال، انوار الرشید، فضائل صدقات اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی آپ بیتی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ بعض دنوں میں تعلیم کی جگہ اجتماعی دُعاء کی جاتی تھی جس میں بعض اوقات مجاہدین کرام روتے روتے بے حال ہوجاتے تھے۔

رمضان المبارک میں عربی اسباق کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ آخری رمضان المبارک میں جن کتابوں کے اسباق پڑھائے جارہے تھے ان میں بخاری شریف، اصول الشاشی، ہدایۃ النحو اور مختصر القدوری خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

رمضان المبارک میں مجاہدین ایک دوسرے کو افطار کی دعوت بھی دیتے تھے اور بعض ماہر ساتھی طرح طرح کے پکوڑے، سموسے، جلیبیاں اور دوسری مٹھائیاں بھی تیار کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ بڑی جیلوں میں مجاہدین کو یہ بعض سہولتیں نصیب ہوجاتی ہیں، لیکن انڈیا کے عقوبت خانوں اور چھوٹی جیلوں میں مجاہدین کرام کا رمضان بہت تکلیف اور مشقت میں گذرتا ہے۔ ہم نے خود پہلا رمضان دو مختلف عقوبت خانوں میں گذار(ا) رمضان المبارک کے مہینے میں جنگ بندی کا جھانسہ دینے والے مشرک رمضان المبارک میں بھی قیدیوں پہ ظلم وبربریت کا خوفناک سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ ہمارے کئی مسلمان مجاہد ساتھی یہ رمضان بھی عقوبت خانوں اور جیلوں میں گذار رہے ہیں۔ یہ ہماری دینی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے ان جانباز بھائیوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور ان کی رہائی کیلئے ہر طرح کی جانی اور مالی قربانی پیش کرنے کو سعادت سمجھتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سات سال کے بعد میں نے رہائی کی حالت میں رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ میں اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کروں وہ کم ہے۔ مجھے رمضان المبارک میں حرمین شریفین کی زیارت کا بے حد اشتیاق تھا اور ظاہری طور پر کئی احباب کی طرف سے اس کے اسباب کی مخلصانہ

پیشکش بھی موجود تھی، اسی طرح کسی ایک جگہ بیٹھ کر رمضان کے روحانی مزے لوٹنے کا خیال بھی دل میں آتا، لیکن جس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے رہائی کی نعمت عطاء فرمائی اور جس عمل (یعنی جہاد فی سبیل اللہ) کی آج ہر مظلوم اور ہر مامون مسلمان کو سانس سے زیادہ ضرورت ہے، وہ عمل مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ ہم رمضان میں جہاد کی خوب محنت کریں تا کہ آئندہ مہینوں میں اس جہاد کے کام کو زیادہ منظم، مضبوط اور مؤثر بنایا جاسکے۔ جہاد کے اسی مطالبے پر لبیک کہتے ہوئے جیش کے تمام ذمہ دار ملک بھر میں جہاد کی دعوت اور وسائل جہاد کی فراہمی کیلئے گلی گلی خاک چھانتے پھر رہے ہیں اور وہ رمضان المبارک کے افضل ترین مہینے میں جہاد جیسی افضل ترین محنت میں کھپائے جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے ہیں۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام سے محبت کرنے والا ہر شخص جہاد کے ان دیوانوں کا بھرپور ساتھ دے جو اپنی ذات کو بھول کر اسلام کی سربلندی کیلئے در در کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔

والسلام

جب سارے قانون ٹوٹ گئے

آج کے انسان کو اپنے گھڑے ہوئے قوانین پر بہت فخر ہے اور وہ اپنی ایجادات کی خوشی میں ایسا پھولا ہوا ہے کہ اب انسان کی بجائے غبارہ بنتا جا رہا ہے۔ موجودہ دور کی ایجادات کی حقیقت پر پھر کبھی کسی مجلس میں گفتگو کریں گے، آج کی مجلس میں دل چاہتا ہے کہ اپنے محترم اور محبوب قارئین کو ایک سچا قصہ سنایا جائے، وہ قصہ جس میں دنیا کے درجنوں قانون خود اپنی موت آپ مر گئے۔

آپ حضرات جانتے ہیں کہ اس زمانے کے ظالم انسان نے انسانوں کے درمیان تفریق کے لئے طرح طرح کے فضول قوانین بنالئے ہیں۔ ان قوانین کی رُو سے ایک ملک کا رہنے والا شخص اگر دوسرے ملک میں جانا چاہے تو اسے بہت سارے پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں۔ مثلاً سب سے پہلے تو اسے اپنے ملک کا پاسپورٹ بنوانا پڑتا ہے۔ (یہاں جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بعض قارئین یہ اشکال فرما سکتے ہیں کہ پاسپورٹ وغیرہ بنوانے اور ویزے لینے جیسے قوانین تو بہت ضروری اور مفید معلوم ہوتے ہیں، تو ان ضروری قوانین کو فضول کیوں کہا جا رہا ہے؟ تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ آپ اگر غور فرمائیں اور دُنیا میں جاری نظام کا باریکی سے مطالعہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان قوانین کا اصل مقصد مسلمانوں کی اجتماعیت کو توڑنا اور ان کے اجتماعی فرائض [جہاد، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون، خلافت وغیرہ] کا راستہ روکنا ہے۔ خیر چھوڑیئے اس داستان درد کو) پاسپورٹ بنوانے کے بعد جس ملک میں جانا ہو اس کا ویزا لینا پڑتا ہے، پھر کسی عالمی ہوائی کمپنی کا ٹکٹ خریدتے ہیں، اس کے بعد ایئرپورٹ پہنچ کر بہت

سارے پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں، کئی فارم پُر ہوتے ہیں، کئی ٹھپے لگتے ہیں۔ پھر اگلے ملک پہنچ کر وہاں کے ایئرپورٹ پر بھی بہت سارے قوانین کا جال بچھا ہوتا ہے، ان قوانین کو پورا کرتے کرتے انسان کی ٹانگیں تھک جاتی ہیں، پاسپورٹ کے کئی صفحات کا منہ کالا ہو جاتا ہے اور جیب بھی نوٹ خرچ کر کر کے ہلکی پڑ جاتی ہے۔ یہ وہ قوانین ہیں جن سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہوتا یہاں تک کہ کسی ملک کا صدر اور وزیر اعظم بھی سفر کرتا ہے تو اسے ان قوانین میں سے بیشتر کے نیچے سے گزرنا پڑتا ہے، البتہ یہ بات الگ ہے کہ ان کو خود اس سلسلے میں کوئی مشقت نہیں کرنا پڑتی۔

لیکن پچھلے سال رمضان المبارک کی ۲۲ تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے بندہ کو جس سفر کی توفیق عطاء فرمائی، اس میں قانون بنانے والوں نے بے بس ہو کر خود سارے قانون توڑ دیے۔ میرے پاس نہ پاسپورٹ تھا اور نہ کسی ملک کا ویزا، مجھے نہ تو ٹکٹ خریدنے کی زحمت ہوئی اور نہ امیگریشن کے مراحل سے گزرنے کی۔ پھر جس ملک میں مجھے جہاز پر سوار ہونا تھا میں اس ملک کا قیدی تھا۔ جس ملک میں مجھے اُترنا تھا اس ملک میں انٹرنیشنل پروازوں کے اُترنے پر پابندی تھی۔ گویا کہ قانونی طور پر میرا سفر کرنا ناممکن تھا اور کم از کم بیس ایسے انٹرنیشنل قوانین موجود تھے جن کی رُو سے میرا بھارت سے قندھار پہنچنا ممکن نہیں تھا، لیکن ۲۲ رمضان المبارک جمعہ کے دن سارے قوانین خود بخود ٹوٹتے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کا قانونِ نصرت بلند ہوتا چلا گیا۔ سبحان اللہ و بحمدہ! سبحان اللہ العظیم! جمعہ کے دن گیارہ بجے عدالت کے حکم کے بغیر جیل کا دروازہ کھل گیا، پھر جموں ایئرپورٹ پر ایک فوجی جہاز انڈین فوج کے ایک دُشمن کو دہلی لے جانے کے لئے اُڑنے پر مجبور ہوا۔ دہلی ایئرپورٹ پر پاسپورٹ، ویزا، امیگریشن، بورڈنگ کارڈ اور دیگر سفری کاغذات کے بغیر ایک بڑے جہاز میں سیٹ مل گئی اور یہ بڑا جہاز زمین سے اُڑا ہی اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قید ہونے والے چند فقیروں کو قندھار چھوڑ آئے۔ پھر یہ جہاز قندھار پر اس وقت اُترا جب وہاں امن کے عالمی ٹھیکیداروں نے غیر ملکی پروازوں کے اُترنے پر پابندی لگائی ہوئی تھی، پھر قندھار میں بغیر سفری کاغذات کے داخلہ مل گیا اور پھر ایک فقیر شخص جس کی جیب میں ایک روپیہ بھی نہیں تھا، دو ملکوں سے گزر کر اپنے ملک میں داخل ہو گیا۔

اے دُنیا میں بسنے والے مسلمانو! کیا یہ واقعہ تمہاری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں ہے؟ کیا یہ واقعہ ہمیں یہ بات یاد نہیں دلا رہا کہ اللہ تعالیٰ بے شک مسلمانوں کے ساتھ ہے؟ کیا یہ واقعہ ہمیں دُنیا کے

مضبوط نظر آنے والے قوانین کے لچر اور کمزور ہونے کو نہیں سمجھا رہا؟ کیا یہ واقعہ یہ نہیں بتا رہا کہ اگر ہم موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جہاد کے راستے کو اختیار کریں تو دُنیا کا کافرانہ نظام خود اپنی موت آپ مرجائے گا۔

والسلام

عید کے نعرے

مسلمانوں میں جدائیاں ڈال کر، اُنہیں آپس میں لڑا کر اور انہیں ایک دوسرے کا دُشمن بنا کر کافروں کو خوشی محسوس ہوتی ہے، بلکہ ان کاموں کو وہ اپنی زندگی کا اہم ترین مشن سمجھتے ہیں، لیکن اسلام ہر موقع پر مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ جماعت کی نماز، رمضان المبارک کی اجتماعی عبادات، حج کے ایام اور میدان جہاد میں ایک امیر، یہ سارے اسلامی احکام مسلمانوں کو ایک دوسرے کی لازمی ضرورت بنا دیتے ہیں، جبکہ عید کی خوشیاں مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ احسان و مٹھاس بھرے تعلق میں گوندھ دیتی ہیں۔ اب پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایک اور عید عطاء فرما رہا ہے، لیکن اس عید کے پُرمسرت موقع پر کافروں نے مسلمانوں کے رشتوں کو کڑوا کرنے کے لئے کئی طرح کے اقدامات کر لئے ہیں، مثلاً:

(۱) امریکا کی لونڈی اقوام متحدہ نے امارت اسلامی افغانستان پر نئی پابندیوں کا اعلان کر دیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ طالبان انتظامیہ اپنے مسلمان مہمان شیخ اُسامہ بن لادن کو کافروں کے حوالے کر دے۔ اس مطالبے کے پیچھے مسلمانوں کے درمیان دراڑیں ڈالنے اور اسلامی امارت کو کمزور کرنے کے جو ہتھکنڈے چھپے ہوئے ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں ہیں۔

(۲) بھارت کے وزیر اعظم نے جھوٹ، فریب اور مکاری پر مشتمل اپنی جنگ بندی میں ایک ماہ کی توسیع کر دی ہے، تاکہ حریت کانفرنس کے مسلمان لیڈر ایک دوسرے سے لڑیں اور مجاہدین کے درمیان

اختلافات کی دیواریں حائل ہوں اور حکومت پاکستان کے مجاہدین کے ساتھ تعلقات ترشی اور تلخی کا شکار ہو جائیں۔

(۳) مشرق وسطیٰ میں پھر نام نہاد امن کی تحریک کا اعلان کیا گیا ہے، تاکہ فلسطین کے مسلمانوں میں اختلافات کی خلیج اور زیادہ گہری ہو جائے اور اسرائیل کے متعصب طبقے آئندہ انتخابات میں اس کا فائدہ اُٹھا سکیں۔

کافروں کی طرف سے مسلمانوں کے درمیان تفریق کی یہ منحوس کوششیں دیکھ کر مجھے جیل میں گذری ہوئی ایک عید کے وہ نعرے یاد آ رہے ہیں جن نعروں نے کفر کی سازشوں کو مکڑی کے جالے کی طرح توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس تفصیلی واقعے کا اختصار یہ ہے کہ کوٹ بھلوال جیل کی انتظامیہ نے ہم پاکستانی، افغانی، تاجکستانی اور لبنانی مجاہدین کو کشمیر کے مقامی مجاہدین سے بالکل الگ تھلگ رکھا ہوا تھا اور تو اور ہسپتال آتے جاتے وقت بھی اس بات پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی کہ ہم میں سے کوئی کسی بھی کشمیری مجاہد سے ملاقات نہ کر سکے، اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے بارے میں اختلافات اور غلط فہمیاں ڈالنے کی کوششیں بھی جاری رہتی تھیں، لیکن الحمدللہ! مجاہدین کے درمیان محبت کا اسلامی رشتہ موجود تھا اور طرح طرح کی تدابیر اختیار کر کے باہمی ملاقاتوں کی کوئی نہ کوئی خفیہ صورت بھی نکل آتی تھی۔

رمضان المبارک کے آخری ایام میں تمام اسیرانِ راہ حق (مقامی وغیر مقامی) نے جیل حکام سے مطالبہ کیا کہ عید کے دن ہمیں آپس میں ملنے دیا جائے۔ مطالبے کی شدت دیکھتے ہوئے جیل حکام نے حامی بھر لی، لیکن جب عید کا دن آیا تو انہوں نے ملاقات کرانے سے صاف انکار کر دیا۔ عید کی صبح جیل حکام کو جب ان کا وعدہ یاد دلایا گیا تو انہوں نے مکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ دیا کہ ہم تو آپ لوگوں کو ملانا چاہتے تھے، لیکن کشمیری خود آپ سے ملنا نہیں چاہتے۔ جیل حکام کا یہ رویہ دیکھ کر ہم نے باہمی مشاورت بٹھائی اور اس میں اس بات کا فیصلہ کر لیا گیا کہ ان شاءاللہ آج ہر حال میں ملاقات لینی ہے۔ بس پھر کیا تھا، سارے مجاہدین چھتوں پر چڑھ گئے اور دل ہلا دینے والی نعرہ بازی شروع کر دی۔ کشمیری مجاہدین نے جب مہمان مجاہدین کو نعرے لگاتے دیکھا تو وہ بھی اپنی بارکوں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور انہوں نے بھی زبردست نعرے بازی شروع کر دی۔ مجاہدین عجیب وغریب والہانہ اور جذباتی نعرے لگا رہے تھے اور لوہے کے دروازوں اور ٹنکیوں کو پتھروں سے کوٹ بھی رہے تھے۔ پھر جیسے جیسے وقت گذرتا گیا یہ احتجاج شدت پکڑتا چلا گیا اور مجاہدین نے

کمبلوں اور دوسری چیزوں کو آگ لگانا شروع کردی اور نعروں میں اس بات کا اعلان بھی کردیا کہ تھوڑی دیر بعد ہم مزید کچھ کرنے والے ہیں۔ یہ حالات دیکھ کر جیل حکام کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور کچھ دیر کے مذاکرات کے بعد آسمان نے یہ منظر دیکھا کہ مجاہدین روتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ بغلگیر ہو رہے تھے اور ایک دوسرے کے مُنہ میں مٹھائیاں دے رہے تھے۔

بے بس قیدیوں کا یہ واقعہ ہمیں یہ بات سمجھاتا ہے کہ اگر ہم مسلمان آپس میں ملنے کا عزم کرلیں تو پھر کوئی بھی ہمیں نہیں توڑ سکتا۔

والسلام

جنگ بندی میں توسیع

مشرکینِ ہند کو یہ بات اچھی طرح سے سمجھ آچکی ہے کہ مسلمانوں کو طاقت کے زور پر نہیں دبایا جاسکتا اور نہ ہی میدانِ جنگ میں مجاہدین کو شکست دی جاسکتی ہے۔ اسی لئے اب ''طاقت کی دھمکیاں'' دینے والا مشرک بار بار ''جنگ بندیاں'' کر رہا ہے اور میدانِ جنگ سے کھسک کر مذاکرات کی میز پر جا رہا ہے۔ ہمارے باشعور قارئین کو یاد ہوگا کہ رمضان کے شروع میں بھارتی وزیراعظم ''واجپائی'' نے یکطرفہ طور پر ''اکرامِ رمضان'' کا جھانسہ دے کر ایک ماہ کی جنگ بندی کا اعلان کیا تھا۔ میدانِ عمل کے مجاہدین نے اس پُرفریب پیشکش کو بیک آواز ٹھکرا دیا اور اپنی عسکری کارروائیوں کو تیز تر کردیا، لیکن آزادیٔ کشمیر کے سیاسی پلیٹ فارم ''حریت کانفرنس'' میں واجپائی کے اس اعلان کو لے کر دو دھڑے ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا اور کچھ تھکے ہارے سیاستدانوں نے واجپائی کی پیشکش کو سراہنا شروع کردیا۔ شکست خوردہ انڈین حکمرانوں کے لئے یہ صورتحال کسی قدر تسلی بخش تھی، چنانچہ اُنہوں نے کشمیریوں کے درمیان اختلافات کی خلیج کو مزید گہرا کرنے کیلئے مزید ایک ماہ کی جنگ بندی کا اعلان کردیا ہے اور اب یہ بات اچھی طرح سے واضح ہوچکی ہے کہ اس نام نہاد پُرفریب جنگ بندی کے تین مقاصد ہیں:

(۱) کشمیر کی سیاسی اور عسکری قیادت کے درمیان اختلافات پیدا کرنا۔

(۲) کشمیر میں برسرِپیکار مجاہدین کی تنظیموں کے درمیان مقامی اور غیر مقامی کے نام سے دراڑ ڈالنا۔

(۳) بین الاقوامی غنڈوں کے عالمی فورم میں اپنی امن پسندی کا ڈنکا بجا کر پاکستان کو الگ تھلگ

کرنا۔

اور یہاں یہ بات بھی اب صیغۂ راز میں نہیں رہی کہ برصغیر میں مجاہدین کے ریلے دیکھ کر امریکا اور اس کے اتحادیوں کے ہوش بھی اُڑے ہوئے ہیں اور وہ جلد از جلد کوئی سودا کروا کے جہادِ کشمیر کو مطلوبہ نتائج حاصل ہونے سے پہلے بند کرانا چاہتے ہیں، چنانچہ حریت کانفرنس کے لیڈروں کو پاکستان کے سفر کے لئے پاسپورٹ بھی جاری کردیے گئے ہیں۔ اس موقع پر ہم اپنے مسلمان کشمیری بھائیوں کو پاکستان آنے پر خوش آمدید کہتے ہیں اور اس بات کی توقع رکھتے ہیں کہ کشمیر کی عسکری اور سیاسی قیادت مل بیٹھ کر اس سازش کا قلع قمع کرے گی جو بنیا قاتل صلیبی ڈاکوؤں کے اشارے پر کھیل رہا ہے، لیکن اگر انڈیا کی توقعات کے عین مطابق حریت کانفرنس کے لیڈروں اور کشمیر کی عسکری قیادت میں اختلافات اُبھر کر سامنے آگئے یا حریت کانفرنس کے لیڈروں نے کشمیر کی زمینی حقیقت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے عسکری تنظیموں کے درمیان مقامی اور غیر مقامی کے فرق کو ہوا دے دی تو بھی انڈیا کو عارضی خوشی سے زیادہ اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

جہاد سے محبت اور تعلق رکھنے والے مسلمان اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ میدانِ جہاد میں مختلف مراحل آتے رہتے ہیں، افغانستان کی مبارک تحریک کے دوران جو نشیب و فراز آئے وہ تمام مسلمانوں کے سامنے ہیں، لیکن بالآخر شہداء کرام کا خون اپنا رنگ دکھاتا ہے اور تمام سازشیں سازشیوں کی موت سمیت ختم ہوجاتی ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح کشمیر کی تحریک پر ایک نیا مرحلہ آئندہ چند روز میں آنے والا ہے، اس مرحلے میں کشمیر کی قیادت اور عسکری تنظیموں کے درمیان اختلاف رائے کا چرچا ہوگا، جنگ بندی اور سیاسی حل کی باتیں ہوں گی، کچھ نقاب پوش چہروں پر سے نقاب اُتریں گے، مسلمانوں کو پریشان کرنے والی کئی خبریں اخبارات کی زینت بنیں گی اور ہمارے کئی پھیکے دانشور اپنے قلموں سے مجاہدین پر تیر برسائیں گے، لیکن کچھ ہی دن میں ان شاء اللہ! مجاہدین کی یلغار اور شہداء کا معطر خون اس پوری گرد کو بٹھا دے گا۔ اس لئے بندہ کی تمام مسلمانوں سے درخواست ہے کہ وہ اخباری سرخیوں اور کچھ لوگوں کی سرگرمیوں سے پریشان نہ ہوں، کشمیر کے محاذِ جنگ سے دور بیٹھے دو لیڈروں کے بچوں کی شادی کشمیر کی صورتحال پر اتنی اثر انداز نہیں ہوتی جتنی غیرت مند ماؤں کے غیور بچوں کی شہادت اثر انداز ہوتی ہے۔

بلال شہید رحمہ اللہ نے سرینگر کے آرمی ہیڈکوارٹر پر عظیم الشان قربانی پیش کر کے واجپائی کی جنگ

بندی کو ڈھائی من بارود سے اُڑا دیا ہے۔ اخباروں میں ہزار بیانات آتے رہیں اور لیڈر آپس میں لاکھ زبانی جنگیں لڑتے رہیں، کپواڑہ سے لے کر ہندواڑہ تک پہاڑوں میں مورچہ زن مجاہدین پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اللہ کے شیر جنگ بندی کے لئے نہیں آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں اور جب تک منزل مل نہ جائے پیچھے ہٹنے یا مڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

والسلام

جو ٹھکرا دے صراحی کو.....

اس نے ظاہری طور پر...... وہ سب کچھ کھو دیا..... جسے پانے کے لئے..... کئی انسان..... ہانپ رہے ہیں..... اور پھر اس نے...... وہ چیز پالی...... جسے پانے کی تمنا...... سب سے بڑے انسان..... نے فرمائی تھی...... جی ہاں!..... میری آنکھوں کے سامنے...... بلال شہید کا دھندلا سا...... سراپا..... اور اُجلا سا کارنامہ ہے..... خاموش مزاج..... خوش شکل...... متبع سنت...... قدرے نحیف مگر مضبوط..... چہرے پر خوبصورت ڈاڑھی کے باوجود...... معصومیت مگر آنکھوں میں بلا کی گہرائی..... دل مضبوط..... اور اپنی تمناؤں کے لئے..... بالکل محفوظ...... شکل و شباہت پر...... ناز پروری...... مگر..... طرزِ زندگی میں سادگی بلکہ جفاکشی..... وفا کا خوگر..... مگر اس میں...... شرعی ترتیب کا پابند...... یاروں کا یار مگر..... اس میں بھی مالکِ حقیقی کا..... پکا وفادار..... اس نے..... برطانیہ کی پُرتعیش زندگی...... چھوڑ دی..... بدمست یاروں کی یاری..... یورپ کی بے مزہ رنگینی..... دُنیا کا کھوکھلا شور...... تصنع اور بناوٹ کی..... سنہری زنجیریں اس کے گلے کا..... زیادہ عرصہ..... طوق نہ بن سکیں.....

برطانیہ کا..... سرخ پاسپورٹ..... جس کی خاطر..... رالیں ٹپکتی ہیں..... اور..... زمینیں..... اور بعض اوقات ضمیر..... فروخت کئے جاتے ہیں..... جی ہاں! وہ پاسپورٹ..... جس کی چاہت میں..... بعض لوگ ..... جنت کی راہیں..... چھوڑ دیتے ہیں..... اور جسے حاصل کرنے کے لئے...... نقلی شادیوں..... اور جعلی کاغذات کے سہارے..... لئے جاتے ہیں..... جی ہاں! وہی پاسپورٹ جو انگریزی استعمار کو..... جاری

رکھنے کا..... ایک نیا..... اور مفید طریقہ ہے..... جو..... غلامی کی..... سنہری زنجیر ہے..... جی ہاں! وہ پاسپورٹ..... جسے پانے کے بعد..... کئی انسان اپنے حسین ماضی سے..... کٹ جاتے ہیں..... اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی..... پاکیزہ تہذیب کے..... دُشمن بن جاتے ہیں..... انہیں پھر..... نہ اپنی..... زبان اچھی لگتی ہے..... اور نہ اپنی شکل..... جی ہاں!..... وہ پاسپورٹ..... جسے پانے کے بعد کئی لوگ اپنی مٹی پر چلنے کا طریقہ..... بھول جاتے ہیں..... اور تکلفات کی اس کھائی میں..... جا گرتے ہیں..... جہاں وہ خود کو..... بھلا دیتے ہیں..... اور خود فراموشی کی پھسلن..... انہیں خدا فراموشی کے گڑھے میں..... گرا دیتی ہے..... جی ہاں! وہ پاسپورٹ..... جس کی قدر و منزلت کرنے والے..... اسے پانے کے لئے..... جگہ جگہ بے قدر ہوتے ہیں..... مگر بلال شہید..... اس پاسپورٹ کی..... بے رونق رنگینی میں نہیں کھویا..... اس نے اسے ..... قابل استعمال..... بے قدر پونجی سمجھا..... اور میدانِ جہاد کی لذت پا کر..... اس بات کو بھول گیا کہ..... اس کے پاس..... پاسپورٹ ہے یا نہیں..... اور یوں..... دُنیا کو یہ سبق ملا کہ..... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا..... ہر سچا اُمتی..... پہلے مسلمان ہوتا ہے..... اس کے بعد..... کچھ اور.....

پھر بلال شہید کو..... تنظیمی ذمہ داری..... اور لانچنگ جیسے اہم کام کا..... تجربہ ملا..... مگر وہ جس چیز کو ..... پانا چاہتا تھا..... اس کی خاطر..... سب کچھ کھونے کی ہمت بھی..... رکھتا تھا اور..... جذبہ بھی..... چنانچہ ..... حکم دینے کا نشہ..... اور دل بہلانے والی تاویلیں..... اس کے پاؤں کی..... بیڑی نہ بن سکیں..... پھر اسے..... میدانِ جہاد کی..... مرکزی کمان کے ساتھ..... کام کرنے کا موقع ملا..... لیکن اس کا آشیانہ اس سے بھی..... زیادہ بلند تھا..... میدانِ جہاد میں..... گزرنے والے رات دن..... اور ان کی ایمانی چاشنی ..... اسے ان بلندیوں تک..... پہنچنے سے نہ روک سکیں..... جن کے لئے..... اس کے پر مچل رہے تھے ..... فنائی کے جنون نے..... اسے فدائی بنایا..... جی ہاں! فنا..... جس پر بقا قربان..... اور نچھاور ہوتی ہے۔

رمضان المبارک کی..... حسین..... البیلی اور دلکش..... راتوں میں..... اس نے وہ خاص..... عہد و پیمان باندھ لیا..... جو ہر کوئی نہیں..... باندھ سکتا..... معلوم نہیں..... کتنی آہیں..... کس قدر دُعائیں..... کتنی سرگوشیاں..... اور کس قدر سرکوبیاں..... کرنے کے بعد..... وہ دن آ پہنچا..... جب سری نگر کے..... آرمی ہیڈ کوارٹر میں..... اس مست نوجوان نے..... عشق و محبت کی..... ایسی جست لگائی کہ..... مقربین میں جا پہنچا..... وہ ایک آن میں..... علیین کا باسی..... اور تاریخ اسلام کا..... روشن ستارہ بن گیا..... اور یوں

سب کچھ..... ٹھکراتے ٹھکراتے..... ہر چیز..... کھوتے کھوتے..... اس نے..... عاشقوں کے..... اس بلند ..... آشیانے کو..... پالیا..... جسے کہتے بہت ہیں..... مگر پاتے کم ہیں..... بلال کے..... ایک غمزدہ دوست نے..... ایک شعر سنایا..... اور بلال کی..... دھندلی تصویر..... واضح ہو کر..... آنکھوں کو پُرنم کرنے لگی.....

مقام کرگس و شاہین ہے اپنے ظرف کی بازی
جو ٹھکرا دے صراحی کو اسے پیمانہ ملتا ہے

والسلام

یا اللہ! رحم فرما

جب دُنیا کی حکومت ظالموں کے پاس ہوگی تو یقیناً..... ظلم پھیلے گا..... اندھیروں کے تاجر..... روشنیاں کس طرح سے بانٹ سکتے ہیں؟..... نام نہاد ترقی کی چکا چوند میں..... اب بھی..... انسان بھوکے مر رہے ہیں..... کچھ لوگ گندگی اور مردار کھانے پر..... مجبور ہیں..... اور کئی انسان..... اپنا خون اور اپنے جسم کے اعضاء بیچ کر..... پیٹ پال رہے ہیں..... مگر پھر بھی ہر طرف..... ایک ہی شور ہے کہ..... ترقی آ گئی..... معلوم نہیں کتنے لوگ..... یہی شور سنتے ہوئے..... خودکشی جیسے بھیانک گناہ پر..... مجبور کر دیے گئے..... اور کئی افراد..... برصغیر میں..... اپنے بچے فروخت کر رہے ہیں تا کہ..... اس ظالم معاشرے کے ..... تقاضے پورے کر سکیں.....

غذائیں مہنگی..... سکون ناپید..... انسانی محبتیں مفقود..... ایثار و وفا کالعدم..... اور بیماریاں عام..... ہر طرف گندگی اور غلاظت کے ڈھیر..... کہیں کوڑا کرکٹ کی صورت میں..... اور کہیں..... شراب خانوں، نائٹ کلبوں اور قحبہ خانوں کی شکل میں..... یا اللہ!..... انسان کہاں جائے؟..... پینے کے لئے صاف پانی..... اور سانس لینے کے لئے..... تازہ ہوا تک نہیں ملتی..... نوٹوں کے حریص ہر طرف..... آلودگی اور گند پھیلا رہے ہیں..... پہلے انسان طاقتور تھا..... اب لفافے کی طرح کمزور ہے..... پہلے بیماری عجیب چیز..... سمجھی جاتی تھی..... اب صحت کو..... عجیب اور اجنبی..... سمجھا جاتا ہے..... جس طرح گاڑی..... بغیر پیٹرول کے..... ایک قدم نہیں چل سکتی..... اس طرح انسان..... بغیر دواؤں کے..... ایک قدم نہیں

اُٹھا سکتا..... بیمار ذہن ڈاکٹر..... مضر دواؤں کے ذریعے..... مزید امراض پھیلاتے ہیں..... پہلے سکون ..... انسان کو ڈھونڈتا تھا..... اب انسان..... سکون کو..... تلاش کرتا پھر رہا ہے۔

اس وقت دُنیا..... عجیب تضادات کا شکار ہے..... کچھ لوگ..... معدہ پھٹنے سے..... مر رہے ہیں..... جبکہ کچھ..... معدہ خالی ہونے کی وجہ سے..... کسی کو اپنی دولت کی مقدار..... یاد نہیں..... تو کسی کو ..... اپنے فاقے کی راتیں..... گننا دشوار ہیں..... ایک طرف میک اپ اور غازے میں لتھڑے..... خود فریبی میں مبتلا چہرے ہیں تو دوسری طرف..... میلی آنکھیں، پیلے زرد چہرے..... اور ٹھنڈے ہاتھ..... ایک طرف چربی کے انبار اور وزن کم کرنے کے تفکرات ہیں تو دوسری طرف..... دعوت شمار دیتی ہوئی کمزور پسلیاں..... ان تمام..... تضادات کے باوجود محلات اور جھونپڑیوں میں..... ایک بات مشترک ہے..... اور وہ ہے..... بے سکونی..... بے چینی..... اور مسلسل خوف اور پریشانی..... یقیناً کفر و نفس پرستی کا نظام..... انسانیت کو اس کے سوا..... اور کیا دے سکتا ہے؟..... اسلام نے..... مالداروں کو..... سخاوت ..... اور غریبوں کو..... قناعت دے کر..... دُنیا کے نظام کو..... پرسکون بنا دیا تھا..... مگر..... مسلمان کے ہاتھ..... اس مقدس نظام کی..... حفاظت نہ کر سکے..... لیکن اب بھی..... مسائل کا حل..... اسلام کے نظام ہی میں ہے..... ورنہ ظلم بڑھتا جائے گا..... اندھیرا پھیلتا جائے گا..... اور اُمت مسلمہ پر..... محرومی کے بھیانک سائے لمبے ہوتے جائیں گے..... ظالموں نے..... بداعمالیوں کے ذریعے..... بیماریوں کو پھیلا دیا..... اور ڈاکٹر کی فیس..... اور دوائیوں کو مہنگا کر دیا.....۔

اب غریب کہاں جائیں؟..... سسکتے رہیں یا..... مجرم بن جائیں؟..... کون سوچے؟..... کون سمجھے؟ ..... ظالموں نے..... گناہ سستے کر دیئے..... شادیوں کو مہنگا کر دیا..... غیر تمند..... باحیا بچیاں کہاں جائیں؟ جہیز..... اور رسومات کا ناگ..... ان کی زندگی کو..... تاریک کر رہا ہے..... ماں باپ اور برادری کے ناک کا اژدھا..... جوانیوں کو..... ڈس رہا ہے..... پامال کر رہا ہے..... ظالموں نے..... انسان کی..... ضروریات زندگی کو بڑھا دیا..... اور بیچارے کو..... سیم وزر کا غلام بے دام..... بنا دیا..... لائٹ..... پنکھا..... گیس..... گاڑی..... ائیر کنڈیشنر..... کپڑوں کے ڈھیر..... شیمپو، کریمیں..... سنگ مرمر کے بنے گھر..... نرم بستر..... طرح طرح کی دوائیاں..... ہسپتال..... چیک اپ..... اور معلوم نہیں..... کیا کیا..... انسان ان سب کا غلام بن گیا..... سارا دن کماتا ہے..... دن رات ہانپتا ہے..... مگر کچھ پورا نہیں پڑتا..... پہلے چند

روپے..... خرچ ہوتے تھے..... بچہ پیدا ہو جاتا تھا..... اب ہزاروں لاکھوں لگتے ہیں..... پھر بھی..... صحت مند پیدا نہیں ہوتا..... ظالموں نے..... زمین کو کھاد کا..... اور جانوروں کو..... انجکشنوں کا..... نشئی بنا دیا..... ظالموں نے..... اُونچے محلات کے لئے..... پہاڑوں کا حسن..... اور آبشاروں کا جمال..... چھین لیا..... ظالموں کی..... دُنیاوی ہوس نے..... درختوں، پودوں..... دریاؤں..... اور چشموں کو اجاڑ دیا..... آخر یہ کیسی ترقی ہے کہ..... انسان کو..... تازہ ہوا کا سانس..... اور صاف پانی کا گھونٹ نصیب نہ ہو؟

مگر..... ان واضح دلائل کے باوجود..... ہر انسان..... آگ کی طرف..... تباہی کی طرف..... اندھا دھند دوڑ رہا ہے..... ہر شخص..... نوٹ چاہتا ہے..... اور زیادہ سے زیادہ..... زمین..... اور سامان کا حریص ہے..... وہ بیمار..... جس کا معدہ..... روٹی کے دو لقمے برداشت نہیں کر سکتا..... وہ بھی..... نوٹوں کے انبار..... جمع کرنے کا شوقین ہے..... دُنیا کی..... گھٹیا سے گھٹیا چیز کی خاطر..... دین اور انسانیت کو..... ہر قدم پر بھینٹ چڑھایا جاتا ہے..... ذبح کیا جاتا ہے..... یہ سب کچھ ہوتا رہے گا..... لوگ جسم کے گردے..... اور قبرستان کے مردے بیچ بیچ کر..... ترقی کے مزے لوٹنے کی کوشش کرتے رہیں گے..... جب تک..... امین ہاتھوں میں..... دُنیا کا نظام نہیں آجاتا..... اور اس بڑے مرحلے تک پہنچنے کے لئے جہاد ہی ذریعہ بنے گا..... شرعی..... اور مضبوط بنیادوں پر..... ہونے والا جہاد..... بلکہ..... جہاد کی صاف..... واضح..... اور ہمہ گیر تحریک..... لیکن..... یہ بات یقینی ہے کہ..... وہی درخت..... سایہ دے سکتا ہے جو خود..... دھوپ میں جلتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ..... آج اُمت مسلمہ کا غریب طبقہ..... جہاد کی طرف..... زیادہ آ رہا ہے..... یہ طبقہ..... دُنیا پرستی کے سانپ سے..... کسی قدر بچا رہا..... تو اللہ تعالیٰ نے..... اس کے کچے گھر میں..... دین اور جہاد کی شمعیں..... روشن فرما دیں..... تاکہ غریب مسلمان..... سمجھ سکے کہ..... غربت عار نہیں سعادت اور فخر ہے..... یہ عارضی دُنیا..... یہ فانی پونجی..... جس کے پاس کم ہو..... یقیناً وہ خوش نصیب ہے..... لیکن..... معاشرے کی گندی ناک..... خاندانوں کی انسانیت کش رسومات..... اور دُنیاداری کی ناپاک ہوا..... بعض مجاہدین کو..... اپنے چنگل میں..... لے لیتی ہے..... تب وہ..... مجاہد نہیں رہتے بلکہ جہاد جیسے عمل کے نام کو..... غلیظ اور ناپاک دُنیا کے حصول کے لئے استعمال کرتے ہیں..... شہادت کے بلند آشیانے سے..... نگاہیں ہٹا کر دُنیا کے گھروں..... اور گاڑیوں کی پستی کو دیکھتے ہیں..... شادی اور

دیگر.....شرعی معاملات میں.....اسراف کرتے ہیں.....یہ وہ لوگ ہیں.....جنہوں نے.....دُنیا کے بدلے دین کو..... بیچنے کا سلسلہ.....شروع کرکے.....خودکو.....گھاٹے میں ڈالا.....

حالانکہ.....جہاد.....جان اور مال.....دونوں کی قربانی کا نام ہے.....یہ وہ عمل نہیں ہے.....جو دُنیا کے بدلے میں کیا جائے.....جہاد کی دعوت دینے والے.....اور تنظیمیں چلانے والے.....احتیاط سے کام لیں.....آج غلط طرز عمل کی وجہ سے.....بعض مجاہدین نے.....دُنیاوی آسائشوں کو.....اپنا حق سمجھ لیا ہے.....اور ان کی سوچ اور فکر.....بے حد محدود ہو چکی ہے.....خدارا!.....دعوت دینے.....اور تنظیمیں چلانے کا انداز بدلئے.....ورنہ.....جہاد جیسا مقدس عمل.....بدنام ہوگا.....اور مسلمانوں کی منزل دور ہو جائے گی.....اسی طرح.....جہاد میں آنے والے.....تمام مسلمان.....اس بات کے عزم کو پختہ رکھیں کہ.....ہم جہاد کے بدلے.....گندی دُنیا کی تمنا نہیں کریں گے.....بلکہ خود کما کر.....خواہ پتھر ہی کیوں نہ.....ڈھونے پڑیں.....اپنی جان.....اور مال سے.....جہاد کریں گے.....تا کہ رب راضی ہو.....اور دُنیا کے ظالمانہ نظام کو.....تبدیل کیا جاسکے.....یاد رکھئے!.....دُنیا میں.....اتنی بڑی اور عظیم تبدیلی.....وہی لوگ لاسکتے ہیں.....جو خود.....سچے.....کھرے.....مخلص.....اور دیانتدار ہوں اور جن کے دل.....ملعون دُنیا کی محبت سے پاک ہوں.....

اے مجاہدو!.....اس دُنیا کو دل سے نکال پھینکو.....اور اس کی خاطر.....کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ.........اور نہ اپنے دل میں اس کی حرص لاؤ.....یہ دُنیا خود بخود.....تمہارے قدموں میں آپڑے گی.....یہ وہ پھل ہے.....جو استغناء، بے قدری اور بے وقعتی کے.....پتھر سے.....گرتا ہے.....اگر تمہارے دل میں.....دُنیا کے مکانات.....اور گاڑیوں کی.....قدر رہی.....تو یہ تمہیں ذلیل کریں گے.....لیکن اگر تم نے.....ان کو دل سے نکال دیا.....تو یہ تمہارے قدموں میں گریں گے.....اور تم ان کی بے قدری دیکھ کر.....لطف حاصل کرو گے.....اے مجاہد دوستو!.....اس میں شک نہیں کہ.....ظالم ماحول کے شکنجوں میں.....سادگی، استغناء.....اور غیرت کی زندگی مشکل بنادی گئی ہے.....لیکن اگر انسان.....ہمت کرلے.....تو کچھ بھی مشکل نہیں رہتا.....میری.....مالدار مسلمانوں سے.....دردمندانہ درخواست ہے کہ.....وہ اپنے طرز زندگی کو.....تبدیل کریں.....تا کہ غریب آدمی.........دُنیا میں عزت سے.....جی سکے.....

دُنیا کی زیادہ نمائش.....غریبوں کو.....مجرم بناتی ہے.....یاد رکھئے! آپ کی بیٹیاں.....حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ.....لاڈلی نہیں ہیں.....خدارا!.....سادگی سے شادی کیجئے.....اور زندگی کے طور طریقوں میں.....شریعت کی پاسداری کیجئے.....آپ کے وہ لقمے.....جو گندگی کے ڈھیروں میں..........ڈالے جاتے ہیں.....اگر ضائع ہونے سے.....بچالئے جائیں.....تو معلوم نہیں.....کتنے خاندان.....بھوک سے بچ سکتے ہیں.....کیا آپ.....چند مجاہد خاندانوں.....اور چند شہداء کرام کے وارثوں کی کفالت.....نہیں کرسکتے.....؟

کاش! آپ ایسا کریں.....یقین جانئے!.....جب کوئی غریب مجاہد.....مالی تنگی کی وجہ سے.....جہاد چھوڑتا ہے تو آپ کو کیا خبر.....کون کون.....روتا ہے.....تڑپتا ہے؟.....

یا اللہ!.....اُمت مسلمہ کے غریبوں.....اور مالداروں پر رحم فرما.....یا ارحم الراحمین!.....اُمت کے مالداروں کو.....سخاوت اور انسانیت.....عطاء فرما.....اور اُمت کے غریبوں کو.....قناعت اور غیرت.....عطاء فرما.....یا اللہ!.....حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے کسی مرد کو.....معاشی تنگی میں.....مبتلا نہ فرما.....یا اللہ!.....ہر مجاہد کی کفالت فرما.....اور جہاد کے راستے کو اختیار کرنے والے.....ہر مخلص مسلمان پر سے.....روزی کی تنگی کو.....ہمیشہ کے لئے دور فرما.....یا اللہ!.....تیرے کئی غریب بندے.....غربت کی وجہ سے.....جہاد چھوڑنے پر مجبور ہیں.....ان کی اس حالت کو دیکھ کر.....دل بے چین ہے.....غمگین ہے.....اے زمین و آسمان کے خزانوں کے مالک!.....اُمت مسلمہ پر وسعت فرما.....اور خصوصاً.....مجاہدین پر رحم فرما.....رحم فرما.....رحم فرما.....

جیش کے مرکزی دفتر کی ترتیب

آج کا معرکہ محترم ومحبوب قارئین کیلئے ایک اہم اور مفید اطلاع پر مشتمل ہے۔ پہلے ارادہ تھا کہ کسی تازہ اور ضروری موضوع پر کچھ گذارشات پیش خدمت کی جائیں، لیکن جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مرکزی دفتر کی اسلام آباد سے بہاولپور منتقلی کافی مصروفیت بخش ثابت ہوئی۔ چنانچہ کوئی مضمون لکھنے کا وقت نہ مل سکا، البتہ اس نئے مرکزی دفتر کے متعلق ضروری معلومات حاضر خدمت ہیں۔

آپ حضرات جانتے ہیں کہ جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہوتے ہی مجاہدین کا جم غفیر اس میں شامل ہوگیا تھا۔ چنانچہ کام کو جاری رکھنے کیلئے بہت سارے ہنگامی اور فوری اقدامات کئے گئے اور ساتھ ساتھ اس بات کا عزم بھی کیا گیا کہ ان شاء اللہ جہاد کے کام کو شرعی خطوط پر اعلیٰ نظم وضبط سے ہمکنار کیا جائے گا۔ ابتدائی طور پر شعبۂ مالیات کو شرعی ترتیب پر منظم کیا گیا جس کے مفید ثمرات آج الحمدللہ کھلی آنکھوں سے نظر آرہے ہیں۔ اسی طرح آہستہ آہستہ دیگر شعبوں میں بھی صالح تبدیلیاں لائی گئیں اور کئی انقلابی اقدامات کئے گئے۔ حال ہی میں مدرسہ احمد شہید رحمہ اللہ میں تعلیم وتربیت کے ایک بہترین نظام کا اعلان کیا گیا ہے جس کے تحت جہادی تربیت حاصل کرنیوالوں کو خاطر خواہ دینی اور علمی فوائد حاصل ہونے کا امکان ہے۔

پورے ملک میں جیش کے طوفانی رفتار سے پھیلتے ہوئے کام کو مزید منظم اور مضبوط کرنے کیلئے اب صوبائی سطح پر تشکیلات کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس کے تحت صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب کی تشکیلات مکمل

ہو چکی ہیں جبکہ چار دن بعد ان شاء اللہ صوبہ سندھ اور صوبہ بلوچستان کی تشکیلات کا اعلان کر دیا جائے گا۔ اور اس ماہ کے آخر تک آزاد کشمیر میں بھی کام کی منظم ترتیب ان شاء اللہ شروع ہو جائے گی۔ حسب وعدہ جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ توجہ عسکری شعبے کی طرف ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ شعبۂ کفالت شہداء اور بعض دیگر شعبوں کی طرف بھی خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی اصلاحی اقدامات میں سے ایک اہم قدم مرکزی دفتر کی ترتیب نو ہے۔ یہ دفتر اب تک اسلام آباد میں اپنا کام کر رہا تھا، لیکن کام کے ہجوم، عملے کی کمی اور صرف ایک ٹیلیفون لائن ہونے کی وجہ سے رابطہ کرنیوالے حضرات کو کافی ساری پریشانیوں کا سامنا تھا۔ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جیش کا مرکزی دفتر اپنے تمام تر شعبوں سمیت کسی مسجد میں منتقل کر دیا جائے، کیونکہ مسجد ہی جہاد کا اصل مرکز ہے اور دفاتر کیلئے مسجد کے ساتھ ملحقہ حجروں کو استعمال کیا جائے۔

گذشتہ نو ماہ میں مخلص احباب کی طرف سے جیش کو کئی بڑی بڑی جگہیں بطور عطیہ دی گئی ہیں اور ان کے علاوہ بعض احباب نے مزید جگہوں کی پیش کش بھی فرمائی ہے، لیکن مرکزی دفتر کے لئے کوئی بھی جگہ زیادہ موزوں ثابت نہ ہو سکی۔ چنانچہ موزوں جگہ پر مسجد اور حجرے ملنے تک ہم نے مسلمانوں کی سہولت اور جہاد کے کام کی ترقی کیلئے مرکزی دفتر بہاولپور میں منتقل کر دیا ہے اور اب الحمدللہ کرائے کے ایک بڑے مکان میں اس دفتر نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ اس دفتر میں سردست مندرجہ ذیل شعبے اپنا کام شروع کر چکے ہیں:

(۱) مکتب الامیر
(۲) مرکزی شعبۂ بیت المال
(۳) مرکزی شعبۂ احتساب
(۴) مرکزی شعبۂ تشکیلات
(۵) شعبۂ کمپیوٹر وانٹرنیٹ

باہر سے آنے والے مہمانوں کی سہولت کیلئے دو کمرے بطور مہمان خانہ مختص کئے گئے ہیں۔ اس دفتر میں فی الحال تین ٹیلیفون لائنیں ہیں، جن میں سے ایک لائن فیکس کیلئے مختص کر دی گئی ہے۔ ذیل میں دفتر کے نظام کا مختصر خاکہ پیش خدمت ہے:

استقبالیہ:

دفتر استقبالیہ چوبیس گھنٹے اپنا کام کرے گا۔ استقبالیہ پر ٹیلی فون ایکسچینج کا نظام بھی موجود ہے تاکہ باہر سے آنے والے ٹیلی فون متعلقہ شعبوں تک پہنچائے جاسکیں۔ استقبالیہ پر کام کرنیوالے مجاہدین بہت سارے امور میں آپ کی خود رہنمائی کرسکتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر آپ کو مکتب الامیر، شعبۂ مالیات اور شعبۂ احتساب وغیرہ میں بھی بات کرواسکتے ہیں۔

استقبالیہ پر موجودہ ٹیلی فون نمبرات یہ ہیں:

۸۸۴۹۳۲۔۸۸۸۶۲۷

یہ دونوں نمبر بہاولپور کے ہیں اور بہاولپور کا کوڈ نمبر ۰۶۲۱ ہے۔

فیکس:

مرکزی دفتر کا فیکس چوبیس گھنٹے کھلا رہے گا۔ آپ فیکس پر متعلقہ شعبے کا نام لکھ کر بھجوادیجئے، ان شاء اللہ آپ کا مراسلہ اس شعبے تک پہنچادیا جائے گا۔

فیکس نمبر یہ ہے: ۸۸۸۶۲۵۔۰۶۲۱

کمپیوٹر و انٹرنیٹ:

مرکزی دفتر میں انٹرنیٹ کا نظام بھی موجود ہے جس کے ذریعے سے آپ ای میل بھجواسکتے ہیں۔ ای میل کا پتہ عنقریب شائع کردیا جائے گا نیز جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ویب سائٹ پر آپ جہادی لٹریچر پڑھ سکیں گے اور جہادی تقاریر سن سکیں گے۔

شعبۂ مرکزی بیت المال:

مرکزی دفتر میں مرکزی شعبۂ بیت المال بھی قائم ہے۔ اس شعبے کا دفتر صبح آٹھ بجے سے رات آٹھ بجے تک عمومی کام کاج نمٹائے گا۔ ان اوقات میں تشریف لاکر کوئی بھی صاحب براہ راست مرکزی شعبے میں رقوم جمع کرواسکتے ہیں، اسی طرح مجاہدین کرام بھی اپنے مالی معاملات کے سلسلے میں رجوع کرسکتے ہیں۔ اگر آپ نے اس شعبے کے افراد سے ٹیلی فون پر بات کرنی ہے تو آپ استقبالیہ پر مرکزی

شعبۂ بیت المال یا ۱۰۶ نمبر مانگ کر بات کرسکتے ہیں۔

شعبۂ احتساب:

جیش کا شعبۂ احتساب بھی اسی مرکزی دفتر میں منتقل کردیا گیا ہے۔ اس شعبے کے اوقات کار صبح دس بجے سے رات بارہ بجے تک ہیں۔ آپ براہ راست یا ٹیلی فون کے ذریعے اپنی شکایات، تجاویز اور مشورے پہنچاسکتے ہیں۔ اس شعبے کا ایکسٹینشن نمبر ۱۰۸ ہے۔

مکتب الامیر:

مرکزی دفتر میں مکتب الامیر بھی منتقل کردیا گیا ہے۔ آپ نے خادم جیش تک جو بات پہنچانی ہو، آپ دوپہر دو بجے سے لے کر رات گیارہ بجے تک بذریعہ ٹیلی فون یا فیکس رابطہ فرماسکتے ہیں۔ ہر مہینے میں چند روز ان شاء اللہ بندہ خود بھی اسی دفتر میں بیٹھا کرے گا۔ ان دنوں کا اعلان ان شاء اللہ پہلے کردیا جائے گا۔ مکتب الامیر کا ایکسٹینشن نمبر ۱۱۱ ہے۔

ڈاک کا نظام:

مرکزی دفتر میں قائم کسی بھی شعبے میں خط بھجوانے کیلئے آپ درج ذیل پتوں میں سے کوئی بھی استعمال فرماسکتے ہیں:

(۱) مرکزی دفتر جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پوسٹ بکس نمبر ۷، جی پی او، بہاولپور۔

(۲) مرکزی دفتر جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مکان نمبر ایف۔۱۶، احسان کالونی۔

ڈرافٹ اور منی آرڈر بھی انہی دونوں پتوں پر بھجوائے جاسکتے ہیں۔

ایک ضروری گذارش:

بعض حضرات نے زبانی اور تحریری طور پر یہ شکوہ فرمایا کہ بندہ (خادم جیش) کے ساتھ رابطہ یا ملاقات کافی مشکل ہوچکی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بندہ پابندی کے ساتھ ہر مہینے کے پہلے پانچ دن مدرسہ احمد شہید رحمہ اللہ بالاکوٹ میں گذارتا ہے، جہاں روزانہ صبح دس بجے سے بارہ بجے تک عمومی ملاقات ہوتی ہے اور وہاں پر روزانہ بیان کے علاوہ عصر کے بعد اصلاحی مجلس اور آخری دن عمومی مصافحہ بھی ہوتا ہے۔ پھر بندہ

جن دنوں بہاولپور میں ہوتا ہے، یہاں بھی عصر تا مغرب عمومی اور کھلی ملاقات ہوتی ہے۔اس کے علاوہ آپ ان تین موبائل نمبرات پر کوئی بھی پیغام پہنچا سکتے ہیں:

۰۳۰۰_۲۵۹۷۵۴

۰۳۰۰_۶۸۰۳۸۲

۰۳۰۰_۶۸۰۳۳۸

ان میں سے پہلے دو نمبر ناظم مکتب الامیر کے پاس ہوتے ہیں جبکہ تیسرا نمبر بندہ کے حارس دستے کے نگران کے پاس ہوتا ہے جو اکثر سفر میں ساتھ ہوتے ہیں۔اسی طرح آپ مکتب الامیر میں فون کر کے پیغام لکھوا سکتے ہیں۔ان شاء اللہ! آپ کا ہر پیغام مجھ تک پہنچے گا اور آپ کو اس کا بروقت جواب ملے گا۔اس کے علاوہ خط و کتابت کی صورت میں نصف ملاقات کا سلسلہ بھی قائم ہے اور بندہ خود روزانہ درجنوں خطوط پڑھتا ہے اور ان کے جوابات لکھتا یا لکھواتا ہے۔پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ ٹیلی فون پر ملاقات کا وقت طے کر کے نہایت سہولت کے ساتھ ملاقات ہو جاتی ہے۔

الحمدللہ! اس پوری منظم ترتیب کی وجہ سے مسلمانوں کو کافی سہولت ہو چکی ہے۔موبائل فون پر ایک ایک دن میں بعض اوقات سینکڑوں افراد بات کرتے ہیں۔خطوط کے ذریعے بھی بے شمار افراد رابطہ کرتے ہیں۔جبکہ ملاقات کے اوقات میں بھی بڑی سہولت کے ساتھ بہت سارے مخلص بھائیوں کی زیارت بندہ کو نصیب ہو جاتی ہے،البتہ چوبیس گھنٹے ملاقات کو کھلا رکھنا، ہر ٹیلی فون کو خود سننا اور ہر جگہ مصافحہ کیلئے رک جانا نہ تو ممکن ہے اور نہ دین کے کاموں کیلئے مفید۔ایک جگہ کے بعد دوسری جگہ اپنے وقت پر تبھی پہنچا جا سکتا ہے جب مصافحہ کرنیوالوں سے معذرت کر لی جائے۔ملاقات کرنیوالے حضرات کی مزید سہولت کیلئے ان شاء اللہ کچھ عرصہ بعد روزانہ کوئی ایسا مخصوص وقت رکھا جائے گا جس میں ہر کوئی ٹیلی فون پر بندہ سے براہ راست بات کر سکے۔

نظام تربیت:

مرکزی دفتر میں آنیوالے حضرات اس بات کا خیال رکھیں کہ یہ مرکز اسلام کے ایک اہم ترین فریضے جہاد فی سبیل اللہ کے امور کو چلانے کیلئے ہے، اسلئے دفتر کے دینی ماحول کو برقرار رکھنے میں تعاون

کریں۔باجماعت نماز، اجتماعی ورزش، فجر کے بعد تلاوت، ظہر کے بعد تعلیم اور عصر کے بعد تسبیحات کا اہتمام کریں۔دفتر کے فون یا کسی بھی اجتماعی چیز کو ذاتی طور پر استعمال نہ کریں اور نہ ہی دفتر کے نظام میں کسی طرح کی خلل اندازی فرمائیں۔ہم آپ کے تعاون کے ممنون ہوں گے۔

والسلام

جامعہ فاروقیہ کے اساتذۂ کرام کی شہادت

جامعہ فارقیہ.....اہل حق کا مضبوط قلعہ.....اور علوم دینیہ کی معیاری درسگاہ ہے.....جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ.....متبحر عالم، بے باک مجاہد، پرسوز مفکر اور..... بلاشبہ بقیۃ السلف ہیں.....جامعہ فاروقیہ.....جہاں اپنوں کی آنکھ کا تارہ.....اور دینی مدارس کے اتحاد کا مرکز ہے..... وہاں.....یہ ادارہ اسلام دُشمن عناصر کی آنکھوں میں.....ہمیشہ سے کھٹکتا ہے.....ماضی میں.....ادارے کے خلاف کئی.....طوفان آئے.....مگر مضبوط عقیدے اور اعلیٰ اعمال کے آہن میں گُندھے ہوئے.....مولانا سلیم اللہ خان صاحب.....اخلاص واستقامت کے پہاڑ.....ثابت ہوئے.....چنانچہ.....ہر طوفان کو منہ کی کھانا پڑی.....حکومتی ایوانوں میں.....پلنے والے.....کئی فرعونوں نے.....جامعہ فارقیہ کو للکارا.....مگر..... ذلت کے سوا.....ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ لگا.....اور دیکھتے ہی دیکھتے.....جامعہ فاروقیہ.....ایک ہمہ گیر عالمی ادارہ بن گیا.....گذشتہ دنوں.....جامعہ اور اس کے صاحب دل بانی پر.....آزمائش کا ایک اور طوفان.....آیا ہے.....بلاشبہ یہ بہت بڑا طوفان.....اور بہت سخت آزمائش ہے۔

جامعہ کے کئی اساتذۂ کرام.....دہشت گردی کے ایک خوفناک حملے کا.....شکار ہوگئے.....شیخ الحدیث حضرت مولانا عنایت اللہ صاحب.....حضرت مولانا حمید الرحمٰن.....اور ہمارے دیرینہ رفیق کار.....مجاہد اسلام مفتی محمد اقبال صاحب.....ان کا مجاہدزادہ.....اور جامعہ کے ڈرائیور.....جام شہادت نوش فرماگئے.....شہداء کرام کے حالات زندگی.....بتاتے ہیں کہ.....وہ یقیناً.....اس نعمت عظمیٰ کے مستحق تھے.....

جسے انہوں نے.....بالآخر پالیا.....اور اولُ الذکر دونوں شہداء کرام.....کے حالات وواقعات.....بندہ کے شنیدی.....لیکن مفتی اقبال صاحب کے حالات دیدنی ہیں.....وہ ایک عرصہ تک.....مجاہدین کی شبانہ روز خدمت کرتے رہے.....ٹریننگ سے لے کر.....محاذوں تک.....جہاد کے مزے لوٹتے رہے.....ان کی مسجد اور گھر مجاہدین کا مرکز.....اور مہمان خانہ بنا رہا.....کچھ عرصہ.....وہ دعوتِ جہاد کے سلسلے میں.....بیرون ملک بھی.....بھیجے گئے.....ان کے ساتھ..... بندہ کا تعلق.....محبت اور بے تکلفی والا تھا.....ان کے تیز جملے.....اور خوبصورت چٹکلے میری یادوں کا حصہ ہیں.....رہائی کے بعد.....میری کراچی سے دوری.....اور بے ہنگم مصروفیات.....ماضی کے بے تکلف روحانی تعلق کو.....جوڑے رکھنے میں.....آڑے بن گئی.....مگر پھر بھی.....کئی ملاقاتیں.....ہوئیں.....ٹیلیفون پر.....تفصیلی گفتگو بھی ہوئی.....کراچی کے دورۂ تفسیر کے ایام میں.....وہ ملاقات کیلئے تشریف لائے.....مگر عذر آڑے آیا.....اس لئے ملاقات کے نہ ہونے کا.....بے حد دُکھ ہے.....کیونکہ اسی ملاقات میں.....مفتی صاحب نے.....اپنے جہادی مستقبل کا فیصلہ فرمانے کا.....وعدہ کر رکھا تھا.....اللہ تعالیٰ.....ان کے درجات بلند فرمائے.....اور شہداء کے ساتھ کئے گئے..... بخشش کے وعدے کو انہیں.....نصیب فرمائے.....اور جنت کی.....خوشگوار مجالس میں.....ہم سب کو جمع فرمائے.....

شہداء کرام تو.....شہادت کا تاج.....سر پر سجاتے.....خون میں غسل کر کے.....مہکتے دمکتے .....ہنستے مسکراتے.....چلے گئے.....مگر جامعہ فاروقیہ.....بے حد غمگین لگ رہا ہے.....اور پہلی بار.....جبل استقامت حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب.....تھکے تھکے.....رنجیدہ اور افسردہ نظر آرہے ہیں.....اپنے جامعہ کے.....اساتذہ کی.....خون میں لت پت لاشیں.....جامعہ کے بالمقابل.....بیٹھے ہوئے.....شریر عناصر کی.....جامعہ پر فائرنگ.....جامعہ کے طلبہ کے زخمی جسم.....انتظامیہ کی بے اعتنائی .....بلکہ بے پروائی.....اپنے منتظم مزاج بیٹے.....مولانا عادل خان کی.....اس موقع پر.....وطن سے دوری.....غالباً ان تمام چیزوں نے.....حضرت مولانا پر.....کافی اثر ڈالا ہے.....اور پھر.....علماء کرام کے تحفظ کا احساس.....اور ملک میں بڑھتی ہوئی.....دہشت گردی.....یقیناً حضرت مولانا کیلئے.....غمناک ہے.....اللہ تعالیٰ.....مولانا کو.....صبر جمیل عطاء فرمائے.....اور ان کیلئے.....تسلی اور ترقی کے.....مزید مواقع پیدا فرمائے۔

انگریز اس ملک سے چلا گیا.....مگر اپنے دشمنوں.....علماء، مساجد اور مدارس کیلئے.....مستقل کانٹے

ہوگیا..... ہمارے حکمران..... انگریز کی..... بولی بولتے ہیں.....اور دن رات علماء کرام کے خلاف..... بیانات دے کر..... دہشت گردوں کو شہہ دیتے ہیں..... اور حکومت کے وہ عہدیدار..... جن کے ذمے..... علماء کرام کا تحفظ ہے..... علماء کرام کے خلاف..... نفرت کے بیج بوتے ہیں..... جامعہ فاروقیہ کا سانحہ..... علماء کرام کے خلاف..... چلائی جانے والی..... مردود تحریک کا حصہ ہے..... یہ تحریک پاکستان کو..... تباہ کرنا چاہتی ہے..... اگر حکمرانوں نے..... علماء کرام کے خون کی..... قیمت کو نہ سمجھا.....اور قاتلوں کے ہاتھ نہ کاٹے تو پھر..... حالات کے دھارے..... طوفان بن کر چنگھاڑیں گے.....اور..... نبی السیف صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث..... سیف کو تھام کر..... اپنے تحفظ کی ذمہ داری خود نبھائیں گے.....اور قاتلوں کو ان کے..... بدترین انجام تک..... پہنچائیں گے..... کیونکہ..... اپنا دفاع..... وہ شرعی، اخلاقی اور انسانی حق ہے..... جو کسی سے نہیں چھینا جاسکتا..... لیکن افسوس!..... آج ہم سے..... یہ حق چھینا جارہا ہے.....اور ہر دن ہمیں..... اپنے پیاروں کی لاشیں..... دی جارہی ہیں.....

والسلام

سانحۂ بہاولپور

گذشتہ دنوں پیش آنے والے حالات وواقعات نے اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا ہے کہ دشمن کی زرخرید ایک مخصوص لابی، جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پوری تندہی کے ساتھ سرگرم ہے اور گذشتہ ایک سال کی محنت کے بعد اب یہ منحوس لابی اپنے ہاتھ کچھ اوپر تک پہنچا چکی ہے۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ دار حضرات، کارکن اور مخلصین مندرجہ ذیل امور کا اہتمام فرمائیں:

(۱) کفر اور نفاق کے پجاری ہمیشہ سے مجاہدین کے خلاف اس طرح کی سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہیں۔ ہمارے خلاف ہونے والی سازشیں نئی نہیں ہیں بلکہ یہ بھی تاریخ کا تسلسل ہیں، اس لئے گھبرانے، ڈرنے یا مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ اس میں خوشی اور شکر کا پہلو یہ ہے کہ ہماری جدوجہد نے الحمدللہ! دشمنان اسلام کو شدید تکلیف پہنچائی ہے اور اسی کے ردعمل کے طور پر اب دشمنوں نے ہمارے خلاف منافقین کو کھڑا کیا ہے، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہمارے تیر الحمدللہ! نشانے پر لگ رہے ہیں اور ہمارا دشمن میدان میں خود کو ہمارے مقابلے میں بے بس سمجھ رہا ہے۔ باقی شہادت، زخم، جیلیں، تھانے اور ہتھکڑیاں جہاد کے راستے کی رکاوٹ نہیں، مہمیز ہیں اور ان چیزوں سے جہاد کو مزید قوت اور ترقی ملتی ہے، اس لئے اہل جیش خاطر جمع رکھیں۔

(۲) ان حالات میں ہم سب پر لازم ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں اور اس سے مدد مانگیں کیونکہ وہی ہمارا یار بھی ہے اور مددگار بھی، اگر ہم نے اسے راضی رکھا تو دشمن ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے

اور اگر خدانخواستہ ہم نے اس کی نافرمانی پر کمر باندھی تو پھر منافقین کو ہم پر غالب ہونے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ اس لئے تمام ساتھی صلوٰۃ الحاجۃ، صلوٰۃ الاستغفار اور محاسبہ نفس کا اہتمام کریں۔ صلوٰۃ استغفار کی دو رکعت پڑھ کر اپنے گناہوں سے توبہ کیا کریں اور صلوٰۃ الحاجۃ کی دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مدد اور قوت مانگا کریں اور اپنے نفس کا محاسبہ کر کے اپنی نگرانی کیا کریں کہ ہمارا کوئی عمل شریعت مطہرہ کے خلاف نہ ہو۔

(۳) ان مشکل حالات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں کا اتباع ہمیں نصرت الٰہی کا مستحق بنا سکتا ہے۔ تمام ساتھی مسواک سے لے کر لباس تک کی سنتوں کا خوب خوب اہتمام کریں، حتی الامکان عمامہ باندھنے کی کوشش کریں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو زندہ کرنے کی کوشش کریں۔

(۴) عام طور سے اس طرح کے حالات کا فائدہ اٹھا کر بعض شرارتی عناصر مجاہدین کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کوششیں دو طرح کی ہوتی ہیں: ایک تو یہ کہ زیادہ مصلحت پسند افراد کو یہ باور کرایا جائے کہ اب تو جیش کے لوگ گرفتار ہونا شروع ہو گئے ہیں اور اب عنقریب حکومت انہیں کھا جائے گی، اور ان کے لیڈر جذباتی ہیں وغیرہ وغیرہ، اس طرح کی خوف دلانے والی باتیں سنا کر مصلحت پسند افراد کو بدظن کرنے کی کوشش کی جائے گی جبکہ جذباتی طبیعت رکھنے والے کارکنوں کو کہا جائے گا کہ جیش والے بزدل ہیں، حکومت سے دب گئے ہیں، مظاہرے کا اعلان کر کے پیچھے ہٹ گئے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ کارکنوں سے گذارش ہے کہ ان حالات میں اس طرح کے شرارتی عناصر کی باتوں پر کان نہ دھریں بلکہ اپنے مرکز کی پالیسیوں پر مطمئن رہیں۔ ان شاء اللہ! آپ حضرات کو نہ تو مایوس کیا جائے گا اور نہ ہی آپ کا غلط استعمال کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

(۵) بہاولپور کے واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے آخری اور ضروری گذارش یہ ہے کہ جیش کے تمام کارکن اپنے معاملات میں مکمل صبر و تحمل کا مظاہرہ کریں اور اپنے کسی بھی زیادہ جذباتی اقدام سے شرارتی عناصر کو اپنے خلاف کسی مضبوط کارروائی کا موقع نہ دیں۔ آج پورا پاکستان ظلم و فساد اور فسق و فجور سے بھرا پڑا ہے، جہاد کی مسلسل محنت اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی قوت ہی حالات کو درست کر سکتی ہے، اس لئے خود کو جہادی محنت میں کھپائے رکھیں، جذباتی اقدامات سے گریز کریں اور ان اچھے حالات کا انتظار کریں، جو ان شاء اللہ! آئیں گے اور ضرور آئیں گے۔

شعبۂ احیاءِ سنت کا قیام

حضرات اکابر علماء کرام اور مجاہدین کی طرف سے چلائی جانے والی ''تحریک اصلاح'' اور ہفت روزہ ضرب مؤمن و پندرہ روزہ جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی مضامین سے متاثر ہو کر بہت سارے مسلمانوں نے ہمیں سنت کے مطابق نکاح کے لئے خطوط لکھے ہیں۔ سکھر کے ایک صاحب نے اپنی دو بچیوں کے سادگی کے ساتھ نکاح کی پیشکش فرمائی ہے، ان کی تمنا ہے کہ ان کی بچیوں کی شادی مجاہدین کے ساتھ ہو جائے۔ کراچی کی ایک خاتون نے دینی جذبے کے تحت اپنی ہمشیرہ کے لئے ایسی ہی پیشکش فرمائی ہے۔ حیدر آباد سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان نے خط لکھ کر اطلاع دی ہے کہ وہ کسی دیندار لڑکی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں اور جہیز اور دیگر غیر شرعی رسومات سے مکمل اجتناب کا عہد کرتے ہیں۔ اس طرح کے خطوط کی ایک قابل قدر تعداد بندہ کے پاس موجود ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ الحمد للہ! بہت سارے مسلمان نکاح کے اصل مفہوم اور مقصد کو سمجھ چکے ہیں اور وہ اپنی گردن سے ان ظالمانہ اور جاہلانہ رسومات کا طوق اتارنا چاہتے ہیں، جنہوں نے ہمارے معاشرے کی خوشیوں کو غم میں اور ہماری نیکیوں کو برائیوں میں بدل رکھا ہے۔

نکاح اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور انسان کی ایک اہم ضرورت ہے۔ دین اسلام نے انسانی معاشرے کو محفوظ اور پاک بنانے کے لئے نکاح کا بہترین، آسان اور سادہ طریقہ انسانیت کو عطاء فرمایا ہے، لیکن آج اکثر مسلمانوں نے نکاح کو ایک وبال، مصیبت اور

تجارت بنالیا ہے اور نکاح کے پاکیزہ چشمے میں گندی رسومات کی غلاظت کو ڈال دیا ہے، چنانچہ آج ہر طرف بے حیائی کے وہ دلسوز مناظر نظر آرہے ہیں جنہیں دیکھ کر جانور بھی شرم محسوس کرتے ہوں گے۔ معلوم نہیں کتنی بچیاں شادی کے انتظار میں بوڑھی ہورہی ہیں اور ان کی پاکیزہ آہیں گھروں کے سکون کو برباد کررہی ہیں؟ معلوم نہیں کتنے نوجوان اس خوبصورت اور پاکیزہ بندھن کے انتظار میں غلط اور بے حیا معاشرے کے ہاتھوں اپنا بہت کچھ گنوا بیٹھے ہیں؟ معلوم نہیں کتنے والدین اپنی بچیوں کو جوان ہوتا دیکھ کر راتوں کو روتے ہیں یا مسجدوں میں بھیک مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں یا کافروں کے ملکوں میں جاکر اپنا ایمان خطرے میں ڈال کر مزدوریاں کرتے ہیں؟ یہ سب کچھ کھلی آنکھوں سے دیکھنے اور صبح شام جھیلنے کے باوجود کوئی یہ نہیں سوچتا:

(۱) آخر نکاح کے لئے کارڈ چھپوانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا مسجد کا اعلان کافی نہیں؟

(۲) آخر بھاری بھرکم جہیز ہی کو نکاح کی شرط کیوں قرار دے دیا گیا ہے؟ کیا پاک دامن مسلمان بچی بغیر جہیز کی رشوت کے کسی گھر کو آباد نہیں کرسکتی؟

(۳) اگر استطاعت نہیں ہے تو پھر زور دار ولیمے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بکری اور بعض اوقات صرف دودھ اور بعض اوقات مہمانوں کے اپنے گھروں سے لائے ہوئے کھانے سے ولیمہ نہیں فرمایا؟

(۴) لڑکی کے گھر لڑکے والوں کا پورا میلہ لگا کر جانے اور وہاں کھانا کھانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا سنت کے مطابق لڑکی کا والد خود اپنی بچی کو دولہا کے گھر نہیں پہنچا سکتا؟

(۵) کیا ہماری رشتہ داریاں اتنی کمزور ہیں کہ اگر شادی کے موقع پر قرضے لے کر پوری برادری کا پیٹ نہ بھرا جائے تو رشتہ داریاں خطرے میں پڑ جاتی ہیں؟ کیا رشتہ داریاں رحمت ہیں یا وبال؟

(۶) شادی کے موقع پر تمام رشتہ داروں کا جمع ہونا، دور دراز علاقوں سے آنا، آخر کیوں ضروری ہے؟ کیا اس کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا؟ کیا اس کے بغیر خوشی حاصل نہیں کی جاسکتی؟ کیا ان مواقع کے علاوہ رشتہ دار ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے؟

کاش! مسلمان ان امور پر غور کریں تو انہیں بہت ساری مصیبتوں سے چھٹکارا مل جائے اور سینماؤں، دواخانوں اور سڑکوں پر درندوں کی طرح آنکھیں پھاڑ کر پھرنے والے کتنے نوجوان سکون کی

زندگی گذارنے لگیں، لیکن آج تو پورا ماحول ہی بدل چکا ہے، جہیز کے سانپ نے لاکھوں جوانیوں کو نگل لیا ہے اور رشتے داروں کی ناک نے لاکھوں بچیوں کے مستقبل کو تاریک کردیا ہے۔ ان حالات میں اگر نکاح کے اصل مفہوم کو سمجھانے کی کوشش کی جائے اور لوگوں کو بتایا جائے کہ:

(۱) نکاح کے لئے یہ تمام پاپڑ بیلنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) اور بہترین نکاح وہ ہوتا ہے، جس میں خرچ کم کیا گیا ہو۔

(۳) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس مبارک میں بیٹھے بیٹھے غریب صحابہ کا نکاح کرادیتے تھے اور وہیں سے رخصتی بھی ہوجاتی تھی۔

(۴) اور بعض صحابہ کرام نے اپنے نکاح کی اطلاع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک کو نہیں دی۔

(۵) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین کا معمول تھا کہ لڑکی کو اس کے والد یا بھائی خود دولہا کے گھر چھوڑ آتے تھے۔

(۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نکاح دو رکعت نماز پڑھنے کی طرح آسان تھا اور اس کے لئے مہینوں پہلے تیاری اور مہینوں بعد تک قرضے کی مصیبت نہیں جھیلنی پڑتی تھی۔

تو یہ ساری باتیں سن کر اکثر لوگ ماننے کی بجائے یہ جوابات دیتے ہیں:

(۱) آپ لوگ کوئی نیا اسلام لائے ہیں، ہم تو بڑوں سے یہی کچھ دیکھتے آئے ہیں۔

(۲) بڑے بڑے علماء بھی تو بڑی شان وشوکت کے ساتھ اپنے بچوں اور بچیوں کی شادی کرتے ہیں۔ کیا آپ لوگوں کے پاس ان سے زیادہ علم ہے؟

(۳) ہم اگر آپ کی بات مان لیں تو ساری زندگی برادری کو کیا منہ دکھائیں گے؟

محترم قارئین! آپ خود غور فرمایئے کہ مذکورہ بالا باتیں واقعی عذر ہیں یا محض بہانے؟ حقیقت یہ ہے کہ آج اگر غریب گھرانوں کے حالات کو قریب سے دیکھا جائے تو دل پھٹتا ہے اور اندر سے آواز آتی ہے کہ یہ باتیں صرف اور صرف شیطانی بہانے ہیں، جن میں پھنس کر مسلمان خود کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ یا اللہ! تو ہی ہم پر رحم فرما اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو دین کی سمجھ عطا فرما۔

آج ہم نے اگر اپنی بچیوں کو غلط رسومات کی وجہ سے گھر بٹھایا اور ہمت کر کے ان کا گھر نہیں بسایا تو ان میں سے بہت ساری بچیاں این جی اوز کے مکر وفریب کا شکار ہوجائیں گی اور بہت ساری اپنی روٹی

روزی کمانے کی فکر میں اپنی گھریلو زندگی برباد کر بیٹھیں گی اور بہت ساری ان راہوں پر چل نکلیں گی جہاں ان کو دیکھنا ایک مسلمان کے بس کی بات نہیں ہے، جبکہ بہت ساری اندر ہی اندر گھٹ کر طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جائیں گی۔

اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ نکاح کے لئے زیورات، بارات نام کی مصیبت، عالی شان مکانوں اور رشتے داروں کے اجتماعات کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، بلکہ آج کے دردناک حالات کو دیکھتے ہوئے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نکاح کے بہت سارے مباح اخراجات بھی بند کر دینے چاہئیں تاکہ ہمارا معاشرہ غریبوں کے سانس لینے کے قابل بھی بن سکے۔

اے مسلمانو! کیا آپ اپنے بچوں کو فلم، رنگین ٹی وی، بے حیائی سے بھرے لٹریچر اور طرح طرح کی بیماریاں دینے کی بجائے ایک پاک دامن باحیا بیوی نہیں دے سکتے۔

اے مسلمانو! کیا آپ اپنی پیاری بچیوں کو گندے اخبار، حیا سوز ناول، عریاں فلمیں اور مردوں کے درمیان نوکریاں دینے کی بجائے اسے ایک جوانمرد، شریف اور مضبوط خاوند نہیں دے سکتے۔

سوچئے! خدارا تھوڑا سا سوچئے کہ آج برائیاں کس طرح سے گھروں کے دروازوں پر دستک دے رہی ہیں؟ اگر آپ میں ہمت ہے تو پھر اپنے بچوں اور بچیوں کے تکیوں کے نیچے رکھے ہوئے ناولوں پر ایک نظر ڈالئے کہ کتنا خطرناک زہر اس نئی نسل کے دلوں میں انڈیلا جا رہا ہے؟ چند دن پہلے ایک صاحب نے خط کے ذریعے پاکستان میں بکنے والے ایک ناول کے چند صفحات بھجوائے۔ انہیں دیکھ کر میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ جی ہاں! ان غلیظ رسالوں میں بہنوں کو بھائیوں کے ساتھ منہ کالا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کمینے اور قیامت خیز گناہ کی شہوت انگیز منظر کشی بھی کی گئی ہے۔

یا اللہ! ہمارے نوجوان بھائی اور بہنیں کدھر جائیں؟ ان کے بڑے بغیر زیور، جہیز اور دعوتوں کے انہیں شادی کے مقدس بندھن میں نہیں جوڑتے جبکہ ایمان فروش لوگ گندے ناولوں اور غلیظ فلموں کے ذریعے ان کے ایمان پر ڈاکہ مار رہے ہیں۔

اس پورے کینسر کا علاج تو جہاد کے ذریعے قائم ہونے والی اسلامی حکومت ہی کر سکتی ہے، البتہ فی الحال ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم:

(۱) صورتحال کی سنگینی کا اندازہ لگائیں۔

(۲) جہاں تک ممکن ہو سکے نکاح کے معاملے کو آسان اور سادہ بنائیں۔

(۳) اور ہم میں سے صاحب حیثیت لوگ اس سلسلے میں پہل کا اعلان کریں۔

(۴) اور ہر نوجوان بانگ دہل یہ اعلان کرے کہ میں ہرگز ہرگز جہیز نہیں لوں گا، بلکہ خود کما کر اپنی بیوی کا ضروری سامان پورا کروں گا۔

(۵) اور رشتہ دار طعنے دینے کی بجائے تعاون کا طرز اختیار کریں، تب انشاء اللہ ہمیں آسمان کی طرف سے برکتیں اترتی ہوئی خود نظر آئیں گی۔

الحمد للہ! اب بعض گھرانے اصلاح کے اس لازمی امر کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں، لیکن چونکہ اپنے خاندانوں میں انہیں اس سلسلے میں تعاون نظر نہیں آتا، اس لئے وہ علماء کرام اور مجاہدین سے رجوع کرتے ہیں۔ گذشتہ ایک سال کے دوران بندہ کے پاس بھی اس طرح کے بہت سارے معاملات آئے اور الحمد للہ! سادگی کے ساتھ کئی نکاح بھی ہوئے۔ البتہ ہمیں اس چیز کا شکوہ ضرور ہے کہ لوگ رسومات کے لئے کوئی نہ کوئی چور دروازہ ضرور نکال لیتے ہیں، اور پھر اس کے لئے یا تو قرضے اٹھاتے ہیں یا سوال کے لئے ہاتھ پھیلا کر اپنی آخرت کو خراب کرتے ہیں، جبکہ بعض لوگوں کے ہاں شادی میں سادگی کا مفہوم بس اس قدر ہے کہ مہمانوں کو نہ بلایا جائے، جبکہ جہیز وغیرہ کے بارے میں ان کا ذہن بھی عام رواج کے عین مطابق ہے۔ بہر حال پھر بھی کچھ نہ کچھ تبدیلی آ رہی ہے اور کچھ نہ کچھ فکر پیدا ہوئی ہے۔

چونکہ اپنی جہادی مصروفیات کی وجہ سے بندہ کے لئے ان تمام معاملات کو نمٹانا ممکن نہیں تھا، اس لئے کافی غور و خوض کے بعد ہم نے جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر انتظام شعبۂ احیاء سنت کے نام سے ایک باقاعدہ ادارہ قائم کر دیا ہے۔ اب ان مسلمانوں کے لئے ان شاء اللہ سہولت ہو جائے گی جو دیندار رشتہ چاہتے ہیں اور سنت کے مطابق سادگی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے اپنے بزرگ اور شفیق رہنما حضرت قاری عمر فاروق صاحب مدظلہ العالی کو اس شعبے کا منتظم مقرر کر دیا ہے اور یہ شعبہ مستقبل میں دیگر اہم کاموں کے علاوہ فی الحال سنت نکاح میں آسانی پیدا کرنے کے سلسلے میں مسلمانوں کی رہنمائی کرے گا، لیکن چونکہ معاشرے میں بہت ساری خرابیاں سرایت کر چکی ہیں اور خاندانوں میں سے دینی طرز عمل نکلتا جا رہا ہے، اس لئے یہ شعبہ دونوں خاندانوں کے درمیان صرف تعارفی پل کا کام کرے گا، جبکہ باقی تمام معاملات اور نتائج کی ذمہ داری دونوں پر ہو گی۔ آپ خط، ٹیلیفون یا بالمشافہہ ملاقات کے

ذریعے اپنے بچے یا بچی کے مکمل کوائف حضرت قاری صاحب تک پہنچادیجئے، وہ آپ کو دوسرے خاندان کا پتہ دے دیں گے، یا دونوں خاندانوں کے نمائندوں کو بلوا کر آمنے سامنے کرادیں گے۔ اس سلسلے میں چند امور کا لحاظ ضروری ہوگا:

(۱) یہ شعبہ مجاہدین اور دیندار حضرات کے تعاون کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس لئے صرف وہی لوگ رابطہ کریں جو دیندار رشتوں کے متلاشی ہوں۔

(۲) لڑکے یا لڑکی کے والدین، بڑے بھائی یا کوئی اور سرپرست رابطہ کرسکتے ہیں۔ براہ راست کوئی لڑکا یا لڑکی رابطہ نہ کرے۔

(۳) یہ شعبہ نکاح کے سلسلے میں ہونے والے فضول مالی اخراجات کا سخت مخالف ہے، اس لئے خود یہ شعبہ بھی کسی خاندان کے ساتھ نکاح کے سلسلے میں کسی طرح کا مالی تعاون نہیں کرے گا۔

(۴) شعبہ دونوں خاندانوں کے درمیان تعارف کرانے کے بعد کسی بھی معاملے یا نتیجے کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

الحمدللہ! اس شعبے کے منظم ہوجانے کے بعد اس بات کا قوی امکان ہے کہ ان شاء اللہ! نیکیوں کا یہ دروازہ مسلمانوں کے لئے آسان ہوجائے گا۔ بندہ نے اپنے پاس موجود دس بارہ بچوں اور بچیوں کے رشتوں کے کوائف محترم قاری صاحب کے سپرد کرکے انہیں کام شروع کرنے کی گذارش کردی ہے۔ دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کی اس معاملے میں خصوصی رہنمائی فرمائے اور جن اعلیٰ مقاصد کے لئے یہ شعبہ قائم کیا گیا ہے ان کی تکمیل فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس شعبے کے قیام کے ذریعے دین اور جہاد کو نفع عطاء فرمائے اور اسے قیامت کے دن مسلمانوں کی سرخروئی کا ذریعہ بنائے۔

والسلام

مولانا قاری عمر فاروق صاحب عباسی

منتظم شعبہ احیاء سنت، جامعہ رحیمیہ ترتیل القرآن،

مرکزی عیدگاہ رحیم یار خان

اللہ اکبر!

قصہ بہت پرانا ہے..... لیکن بار بار دہرایا جاتا ہے..... مسلمانوں جیسے نام رکھ کر..... اسلام کے خلاف..... بولنے والے..... اپنی وقتی، عارضی..... اور فانی طاقت کے زعم میں... اسلام کے محکم احکام کا..... منہ چڑانے والے..... غیروں کی چال چلنے کی کوشش میں..... اپنی چال بھولنے والے..... بہت سارے آئے..... گذر گئے..... آسمان پر تھوکنے کی..... جسارت میں..... اپنے چہرے گندے کر کے..... نہ دُنیا کے رہے..... اور نہ دین کے..... کاش! وہ سوچیں..... کہ انہوں نے..... کیا پایا..... اور کیا کھویا......

ایک زمانے میں..... سردار آصف علی کا شور تھا..... سود کے حق میں..... اسلام کے خلاف علماء کرام کے خلاف..... دینی مدارس کے خلاف..... ان کی زوردار تقریریں..... اخبارات کی کالک بنتی تھی..... لیکن آج..... اسلام بھی موجود ہے..... اور دینی مدارس بھی..... لیکن وزارتِ خارجہ کی کرسی پر..... سردار صاحب نظر نہیں آرہے..... ہائے! کس قدر..... بے وفا کرسی ہے..... کہ اس کی خاطر..... ایمان بھی برباد کیا..... مگر پھر بھی..... اس نے وفا نہ کی......

جاوید جبار صاحب بھی..... اسلام اور جہاد کے خلاف..... دل کھول کر بولتے رہے..... بیچارے کیا کرتے..... غیروں سے تنخواہ لیتا تھا..... لیکن اسلام کا تب بھی..... کچھ نہ بگڑا......

ان سب سے بڑھ کر..... بینظیر صاحبہ نے..... دل کھول کر..... دین کے خلاف..... زبان

چلائی...... احکام صادر کیے...... گورے کافروں سے...... خوب داد وصول کی...... لیکن کرسی نے انہیں بھی...... پٹخ دیا...... ایک بار نہیں...... دوبار...... اور وہ سب جن کی خوشنودی کی خاطر...... قرآن کے احکام کا...... مذاق اڑایا تھا...... وہ پناہ کے سوا...... کچھ نہ دے سکے...... اب سنا ہے...... وطن کی یاد انہیں ستا رہی ہے...... چنانچہ واپس آنا چاہتی ہیں...... اسی کے لئے...... اپنے کارنامے گنوا رہی ہیں...... کہ میں نے...... حرکۃ الانصار پر...... پابندیاں لگائی تھیں...... میں نے...... جہاد کے مراکز بند کرائے تھے...... میں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی...... توہین کی تھی...... ان سب سنہری کارناموں کے عوض...... مجھے پاکستان کی کرسی...... واپس دی جائے...... معلوم نہیں...... کرسی واپس ملے گی یا نہیں...... لیکن...... یہ سب کچھ...... عبرت کے لئے کافی ہے......

پھر...... اس خاندان پر ایک نظر ڈالئے...... جو لوہار سے...... صنعتکار بنا...... دینداروں کے کندھوں پر...... بیٹھ کر...... حکومت پائی...... مگر ظالم کرسی نے...... انہیں بھی...... رب کا باغی...... اور جہاد کا دشمن بنا دیا...... کارگل کا سودا...... بدبودار میز پر...... منٹوں میں کر دیا گیا...... مدارس کے گرد...... جاسوسوں کے...... اور مجاہدین کے گرد...... ایجنٹوں کے جال پھیلائے گئے...... کافروں کو اپنے ملک میں بلا کر...... اس بات کی اجازت دی کہ وہ...... پڑوس میں جا کر...... مسلمانوں کا شکار کریں...... طالبان کو آنکھیں دکھائیں...... اور ہر کسی کو...... عوامی مینڈیٹ کی...... دھمکیاں دیں...... اسلام کے خلاف...... کھلم کھلا...... میدان میں لڑنے والا خاندان...... قومی اسمبلی میں ناقابل شکست اکثریت پانے...... عدالتوں کو جوتے تلے دبانے...... ملک کے تمام اداروں کو یرغمال بنانے کے باوجود...... کرسی کی بے وفائی کا...... ایسا شکار ہوا کہ اب...... ملک میں قدم رکھنے کی جگہ نہیں ہے...... جی ہاں! وہی ملک...... جہاں کی ٹریفک...... گھنٹوں تک...... ان کی خاطر...... بند کر دی جاتی تھی...... اور جہاں...... ان کا اندھا راج چلتا تھا...... سنا تھا...... لوہا لوہے کو...... کاٹتا ہے...... مگر یہاں...... شریف...... مشرف کے ہاتھوں کٹ گئے......

اللہ اکبر!...... کچی مساجد...... ٹوٹے پھوٹے مدارس...... غریب مجاہد...... اور کمزور مولوی...... اب بھی...... ملک میں ہیں...... لیکن...... ان سب کو...... لوہے کے شکنجے میں...... کسنے کا اعلان کرنے والے...... اُونچے اور پکے محلات کے مالک...... پولیس کے آہنی پہرے میں پھرنے والے...... حکمران...... آج ملک میں نہیں ہیں...... واہ! میرے مالک واہ!...... تیرے کام...... بہت اُونچے ہیں...... کاش!

کوئی سمجھے...... مگر یہ انسان...... بہت ظالم و جاہل ہے...... تھوڑے سے اختیارات کو پا کر...... تیری قدرت اور طاقت کو...... آنکھیں دکھانے لگتا ہے...... ماضی اور حال میں...... بڑے بڑے طوفان آئے...... خونی انقلاب آئے...... اپنی طاقت کے نشے میں...... جھومنے والے کئی ہاتھی آئے...... مگر...... تیرا قرآن محفوظ رہا...... تیری مساجد...... اب بھی آباد ہیں...... تیرے نام کی عظمت کا اعلان...... اب بھی ہو رہا ہے...... تیرے چاہنے والے اب بھی...... زندہ ہیں...... اور تجھے چھوڑنے کا تصور بھی...... نہیں کر سکتے......

آج پھر...... کچھ لوگ...... طاقت کے نشے میں آ کر...... تیرے دین کے خلاف...... پھونکیں مار رہے ہیں...... جہاد جیسے فریضے کو...... بند کرنے کی باتیں کر رہے ہیں...... اسلام کے ساتھ...... وفاداری کو...... مذہبی شدت پسندی کہہ کر...... ختم کرنا چاہتے ہیں...... یہ لوگ مصر کے ایمان فروشوں سے سبق پڑھ کر آئے ہیں...... انہیں...... تجھ سے زیادہ...... غیر ملکی گوروں سے...... شرم آتی ہے...... یہ اُن کے سامنے...... تیرا نام لینا...... بدتہذیبی سمجھتے ہیں...... یہ ان کے قوانین کو...... تیرے پیارے اور مقدس قانون سے زیادہ مہذب سمجھتے ہیں...... چنانچہ اب یہ...... زبانیں کھول کر...... تیرے راستے کے سرفروشوں کو...... گولی سے اڑانے کی دھمکیاں...... دے رہے ہیں...... یہ شہداء کرام کے خون پر...... مٹی ڈالنا چاہتے ہیں...... یہ غلیظ کافروں کی نظر میں...... مہذب کہلانے کے لئے تیرے قرآن کو...... چھپانا چاہتے ہیں...... مٹانا چاہتے ہیں...... یہ اس پاک سرزمین کو...... غیروں کی...... شکارگاہ بنانا چاہتے ہیں...... یا اللہ!...... انہیں اس ملک کی گلیوں میں...... کھلے ہوئے شراب خانوں سے...... کوئی دکھ نہیں پہنچتا...... یہ فحاشی اور عریانی کے سیلاب کو دیکھ کر...... پریشان نہیں ہوتے...... انہیں رشوت اور بدعنوانی کے...... خوفناک اژدھے...... نظر نہیں آتے...... انہیں سربازار بکنے والی عصمتوں پر...... رونا نہیں آتا...... انہیں غربت کے ہاتھوں...... سسکتے بڑھاپوں پر...... ترس نہیں آتا...... انہیں ملک میں...... غیر ملکی مداخلت پر...... کوئی بے چینی نہیں ہوتی...... انہیں صلیب کا خنجر...... مسلمان بچیوں کے جسم میں اتارنے والے...... این جی اوز...... نظر نہیں آتے...... انہیں...... گھر گھر پھیلی ہوئی...... گندی رسوم کی آگ پریشان نہیں کرتی...... انہیں ڈانس کرنے والے...... گانے بجانے والے...... خدا کے باغی...... بُرے نہیں لگتے...... انہیں ہر طرف پھیلی ہوئی...... چوری، ڈکیتی، عصمت دری، اور قتل و غارت نظر نہیں آتی...... انہیں نائٹ کلب، عصمت فروشی کے اڈے...... اور نشے کے سوداگر...... برے نہیں لگتے

انہیں تو بس......اذان کی آواز...... جہاد کے نعرے اور قرآن کے احکام بری طرح ...... کھٹکتے ہیں...... ان کا ہر دوسرا بیان...... دین اور جہاد کے خلاف ہوتا ہے...... انہیں ...... تیرے دین کی طرف بلانے والے...... برے لگتے ہیں...... انہیں تیری راہ میں...... جانیں کٹوانے والوں سے نفرت ہے...... انہیں تیرے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر...... عمل کرنے والوں سے بیر ہے...... انہیں تجھ سے محبت کرنے والوں سے...... چڑ ہے...... اور اب انہوں نے...... تیرے بندوں کو ستانے...... تیرے اولیاء کا دل دُکھانے...... اور تیرے سرفروش مجاہدوں کو ایذاء پہنچانے کا عمل...... شروع کر دیا ہے......۔

یا اللہ!...... تو ہی...... سب سے بہتر...... اور سب سے زیادہ...... جانتا ہے...... تجھے علم ہے کہ...... تیرے عاشقوں کے دل...... آج کس قدر غمگین ہیں...... یا اللہ!...... تو جو کچھ کرے گا...... وہی بہتر ہوگا...... لیکن ہمارے پاس تجھے پیش کرنے کے لئے...... صرف ایک جان...... اور ایک سر ہے...... یا اللہ!...... تو ہمیں استقامت دے کہ ہمارا سر...... تیرے سوا...... کسی کے سامنے نہ جھکے......۔

یا اللہ!...... اگر یہ لوگ...... کفر کے اس قدر وفادار ہیں...... حالانکہ...... کفر نے انہیں کچھ نہیں دیا...... اور نہ انہیں کچھ دے سکتا ہے...... تو یا اللہ!...... ہم بھی تیرے وفادار ہیں...... جبکہ ہمارا سب کچھ تیرا ہے...... اگر یہ کفر کے طعنوں سے ڈرتے ہیں...... تو یا اللہ!...... ہم بھی...... تیرے غضب، تیری ناراضی ...... اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں...... یا اللہ! اگر انہوں نے...... کرسی کی وفاداری میں...... تیرے حکموں کے خلاف...... بغاوت کا اعلان کر دیا ہے...... تو ہم...... تیری محبت میں...... تیرے ساتھ وفاداری کا اعلان کرتے ہیں...... یا اللہ!...... ہم نے...... تیری شریعت کے نفاذ میں...... سستی اور غفلت کا جرم کیا...... جس کی سزا...... آج ہم بھگت رہے ہیں...... اور ہمارے سامنے...... تیرے احکام کو...... دھتکارا جا رہا ہے...... یا اللہ! ہمیں معاف فرما دے...... ہم تجھ سے وفاداری کا...... عہد کرتے ہیں...... تو اس عہد کو...... نبھانے میں...... ہماری مدد فرما دے...... یا اللہ!...... ہم تیرے ہیں...... اور ہم تیرے ہی...... رہنا چاہتے ہیں...... یا اللہ! ہمیں ترقی یافتہ...... روشن خیال اور مہذب ہونے کے تمغے...... نہیں چاہئیں...... ہمیں تو بس...... تیری رضا چاہئے...... خواہ دنیا ہمیں...... پاگل کہے یا رجعت پسند...... یا اللہ! تیری خاطر...... ہمیں ہر گالی گوارا ہے......۔

یا اللہ!...... چاروں طرف سے...... ہم پر پھندا...... کسا جا رہا ہے...... اور ہمیں...... تجھ سے توڑنے

کے لئے...... گالیوں...... اور گولیوں سمیت...... ہر حربہ استعمال کیا جا رہا ہے...... لیکن یا اللہ! ہم تجھے...... چھوڑ کر...... ذلیل نہیں ہونا چاہتے...... ہم دنیا کی...... اس چمک دمک پر...... لعنت بھیجتے ہیں...... جو ہمیں تجھ سے دور کر دے...... یا اللہ!...... ہم اس معاشی ترقی پر...... لعنت بھیجتے ہیں...... جو ہم سے...... غیرت اور ایمان کو چھین لے...... یا اللہ!...... یہ لوگ ہم سے...... ذاتی دشمنی نہیں رکھتے...... خدانخواستہ...... ہم بھی اگر...... بے حیائی اور فحاشی کو...... اپنے گھروں میں آنے دیں...... ہم بھی اگر...... ایمان اور غیرت کے...... تاجر بن جائیں...... ہم بھی اگر...... تیرے سوا...... دوسروں کے سامنے...... سر جھکانے لگیں...... تو یہ لوگ...... ہمیں گلے لگا لیں گے...... لیکن...... ہم تو...... صرف اور صرف...... تیری محبت کو...... گلے لگانا...... چاہتے ہیں...... اور تجھ سے...... اپنا عہد...... نبھانا چاہتے ہیں......۔

یا اللہ!...... تو ہمیں ہمت دے...... استقامت دے...... اور ہمیں سنبھال لے...... ہم عزم کرتے ہیں کہ...... یہ طاقتور لوگ...... اگر ساری دنیا کے کفر کو...... ساتھ لے کر...... اپنا پورا زور لگا لیں...... تب بھی...... کچی مسجد کے میناروں سے...... تیری ہی عظمت کا...... اعلان ہوگا...... اور...... ہمارے کٹے ہوئے جسموں سے بھی...... ایک ہی صدا آئے گی......:

اللہ اکبر...... اللہ اکبر...... اللہ اکبر......

والسلام

دو خوشخبریاں

اللہ تعالیٰ جب فضل فرماتا ہے تو مچھلی کے پیٹ میں زندگی کے سانس اور اپنا والہانہ ذکر کرنے کی نعمت عطاء فرما دیتا ہے، حالانکہ بظاہر یہ ناممکن ہے۔ پانی کی اتھاہ گہرائیاں، سیاہ موجوں پر موجیں، مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، بدبو، گھٹن اور موت کے بے شمار اسباب، لیکن ان سب کے درمیان زندگی کا دیا بھی جلتا رہا، ہوش وحواس بھی برقرار رہے، ایمان بھی سلامت رہا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ بے شک اس میں اہل ایمان کے لئے بے شمار نشانیاں اور دل کو سکون بخشنے والی تسلیاں ہیں۔

ان دنوں جبکہ ظاہری طور پر ہمارے ملک میں جہاد اور مجاہدین کے خلاف ایک خاص گھٹاٹوپ فضا مسلط کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس بہت ہی پیارے حکم کو سربازار رسوا کرنے کی مذموم محنت کی جارہی ہے، لیکن الحمدللہ! اس پورے طوفان بدتمیزی کے درمیان مجاہدین زندگی کے سانس بھی لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے کام بھی کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور توفیق سے ہو رہا ہے۔ آج کی اس نشست میں جہاد سے محبت رکھنے والے ان مسلمانوں کے لئے کچھ خوشخبریوں کا تذکرہ ہے، جن کے دل ظالمانہ منفی پروپیگنڈے کی وجہ سے زخمی یا دکھی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آج کا معرکہ ان زخمی دل مسلمانوں کے لئے ان شاء اللہ! مرہم شفاء ثابت ہوگا۔

شعبۂ اُمورِ شہداءِ کرام کا قیام:

پہلی خوشخبری یہ ہے کہ جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شعبۂ اُمور شہداء کرام نے الحمدللہ! باقاعدہ کام شروع کردیا ہے، جس کے تحت اس مہینے سے ایک سو بیس سے زائد شہداء کرام کے اہل خانہ کے گھر ماہانہ وظیفہ جاری کردیا گیا ہے اور ہمیں اکثر شہداء کرام کے اہل خانہ کے دستخطوں والی وصولی کی رسیدیں بھی مل چکی ہیں۔ یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل اور انعام ہے کہ اس نے جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سال کے مختصر عرصے میں یہ ذمہ داری نبھانے کے قابل بنا دیا ہے۔ ہم نے جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے وقت ہی یہ عہد کیا تھا کہ ہم شہداء کرام کے اہل خانہ کی کفالت اور اپنے قیدی ساتھیوں کی رہائی کو اولین ترجیح دیں گے، کیونکہ ان شعبوں میں غفلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کام کی برکت کو ختم کردیتی ہے۔

جس وقت ہم یہ عہد کر رہے تھے اس وقت ہمارے پاس کسی ایک گھرانے کی کفالت کے اسباب بھی نہیں تھے، لیکن ہم نے محض اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر یہ عزم کیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی اور جیش کو اپنی یہ لازمی ذمہ داری ادا کرنے کی توفیق عطاء فرما دی۔ ہمارے اس شعبے نے شہر شہر، گاؤں گاؤں جا کر شہداء کرام کے گھروں کا سروے کیا اور ایک مفصل رپورٹ لکھی، جس کی روشنی میں ساڑھے چار سو شہداء کرام کے پسماندگان کے مکمل حالات ہمارے سامنے آگئے اور پھر جیش کی ایک کمیٹی نے ان گھرانوں کا انتخاب کیا جو کفالت کے مستحق تھے اور اس سلسلے میں کفالت کی شرعی ترتیب کو مدنظر رکھا گیا۔

اس کمیٹی کی سفارشات کے مطابق گذشتہ دنوں چند فیصلے کئے گئے، مثلاً:

(۱) ساڑھے چار سو سے زائد تمام شہداء کرام کے گھروں میں ضرب مؤمن اور جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھجوایا جائے۔ (حالیہ شمارے سے اس فیصلے پر عمل شروع کیا جارہا ہے)۔

(۲) سوا سو سے زائد گھرانوں کی مستقل ماہانہ کفالت فوری شروع کی جائے۔ (جو الحمدللہ شروع ہوچکی ہے)۔

(۳) شہداء کرام کے اہل خانہ کو تصدیق کے لئے شہادت نامہ جاری کیا جائے۔ (یہ شہادت نامہ اشاعت کے مراحل میں ہے)۔

(۴) ہر ساتھی کی شہادت کے بیس دن کے اندر اندر اس کے علاقے میں دعوت جہاد کے لئے جلسہ

کیا جائے تاکہ موقع کی مناسبت سے لوگوں تک شہداء کرام کا پیغام پہنچ جائے اور اہل خانہ کے لئے بھی ہمت افزائی کا سامان ہو جائے۔ (اس سلسلے میں شعبہ دعوت والارشاد کو ہدایات جاری کر دی گئی ہیں)۔

ان فیصلوں کے علاوہ بھی شہداء کرام کے اہل خانہ کی فوری اعانت اور حوصلہ افزائی کے لئے بعض اہم فیصلے کئے گئے ہیں، نیز آئندہ سال سے شہداء کرام کے بچوں کی اعلیٰ دینی تعلیم وتربیت کے لئے بھی بعض اقدامات کا آغاز کر دیا گیا ہے اور اس پوری ترتیب میں جیش کا اعلان ہونے سے قبل شہید ہونے والے کئی شہداء کرام کے اہل خانہ کو شامل کرلیا گیا ہے بلکہ اکثریت انہی کی ہے۔ اس موقع پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں اپنے عظیم شہداء ساتھیوں کے یہ حقوق ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائی اور یہ دعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو پائیدار بنائے اور اس میں مزید ترقی عطاء فرمائے۔ اسی طرح ہم ان محسنین کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اس عظیم اجروثواب والی مد میں جیش کو رقوم عطاء فرمائیں، خصوصاً وہ چند بہنیں مجاہدین کے شکریے اور دعاؤں کی مستحق ہیں، جنہوں نے اس مد میں رقوم جمع کرنے کے لئے انتھک محنت فرمائی اور خود کو اس کام کے لئے وقف فرمایا۔ بے شک شہداء کرام امت مسلمہ کے محسن اور قابل فخر سپوت ہیں اور ان کے اہل خانہ کی باعزت کفالت بہت بڑی سعادت اور اہم ترین ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ ذمہ داری ادا کرنے کی مزید توفیق عطاء فرمائے اور اس سعادت سے ہمیں وافر حصہ عطاء فرمائے۔

ماہنامہ بنات عائشہ:

دوسری خوشخبری ہماری غیور مسلمان ماؤں اور بیٹیوں کے لئے ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم نے خواتین کے لئے ایک مستقل رسالہ جاری کرنے کا عزم کیا ہے اور ان شاء اللہ محرم الحرام کے مہینے سے اس مفید، جاذب نظر، پراثر اور خوبصورت ماہنامے کا آغاز ہو جائے گا۔ رسالے کا نام ”ماہنامہ بنات عائشہ“ رکھا گیا ہے اور اس میں کئی اہم اور مستقل سلسلے شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

دراصل یہ رسالہ ہماری طرف سے اس بات کا اعتراف ہے کہ جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے بعد سے اب تک ہماری غیور مسلمان خواتین نے بھرپور اخلاص کے ساتھ جیش کا تعاون کیا ہے۔ مالی امداد ہو یا والہانہ دعائیں، قربانی کے لئے خود کو پیش کرنا ہو یا مفید مشورے، اچھی تجاویز ہوں یا نیک

تمنائیں، ہماری مائیں اور بہنیں ہر میدان میں پیش پیش رہی ہیں اور انہوں نے ہماری گذارش کے مطابق گھر کی چاردیواری، شرعی پردے اور اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے جہاد کی بے پناہ خدمت کی ہے۔ خواتین کے اس ایمانی جوش وخروش کو دیکھتے ہوئے ہم نے پہلے مرحلے کے طور پر ان کے لئے الگ اور خصوصی رسالہ جاری کرنے کا، جبکہ دوسرے مرحلے کے طور پر ان کی باقاعدہ رکنیت سازی کا فیصلہ کیا ہے۔ رسالے کی تیاری شروع ہو چکی ہے، آپ اس کے لئے دعاء بھی فرمائیں اور پندرہ روزہ جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پتے پر مفید مشورے بھی ارسال فرمائیں۔

والسلام

اے دانشورو! جواب دو

ان دنوں افغانستان سے بہت اچھی خبریں آ رہی ہیں۔ جراتمند طالبان کے ٹینک بامیان میں بتوں کو گرا رہے ہیں۔ اس طرح کابل اور دوسرے علاقوں میں بھی بت شکنی والا سرور بخش عمل شروع ہو چکا ہے۔ دوسری طرف دنیا کے کئی بڑے ممالک طالبان کو دل کھول کر برا بھلا کہہ رہے ہیں، خصوصاً ہندوستان کے بت پرست اپنے خداؤں کی بے بسی پر مٹھیاں بھینچ رہے ہیں، لیکن امیر المؤمنین کے سامنے کسی کی دال نہیں گلتی۔ اخبارات کا شور وغوغا، نشریاتی اداروں کی دشنام طرازی اور بڑے ممالک کی مذمتیں طالبان کے عزم کے سامنے خس وخاشاک کی طرح حقیر نظر آ رہی ہیں۔

چند دن پہلے جب اقوام متحدہ نے طالبان پر ظالمانہ پابندیاں لگائی تھیں تو مسلمان غم سے چیخ رہے تھے، جبکہ انسانیت کے دشمن ظالم ملکوں کے حکمران خوشیاں منا رہے تھے اور اس تصور سے سرور محسوس کر رہے تھے کہ چند دن بعد افغانستان کے بچے بھوک کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر رہے ہونگے اور طالبان اپنے ہاتھوں میں کاسۂ گدائی لے کر اپنا سر جھکانے پر مجبور ہو جائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت امیر المؤمنین اور ان کے سرفروش ساتھیوں کو جنہوں نے ایک عظیم اسلامی حکم کو نافذ کر کے حالات کا نقشہ ہی پلٹ دیا ہے۔ چنانچہ آج طالبان کے جانباز سپاہی ہنستے مسکراتے تکبیر کے نعرے بلند کرتے اور خوشیاں مناتے نظر آ رہے ہیں، کیونکہ انہیں وہ سعادت نصیب ہو رہی ہے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے بعد امت کے چند اور عظیم سپوتوں کو نصیب ہوئی تھی۔ طالبان کا خوشیاں منانا بجا

ہے کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کے مطابق بتوں کو قلع قمع کر رہے ہیں۔ طالبان بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہیں اپنے محبوب اور پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق بت گرانے کی سعادت مل رہی ہے۔

اللہ اکبر! کس قدر پر کیف منظر ہوتا ہوگا جب ٹینک کا گولا کسی بت کے پرخچے اڑاتا ہوگا؟ کاش! ہماری آنکھیں خوشی کے یہ مناظر دیکھ سکتیں۔ سبحان اللہ! کس قدر مزہ آتا ہوگا جب اسلام کا کوئی باوقار سپاہی کسی بت کو ٹانگوں سے پکڑ کر زمین پر دے مارتا ہوگا؟ بے شک یہ بت اور مورتیاں اسی حشر کے قابل ہیں کیونکہ انہیں کے قدموں پر انسانوں کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہے، انہیں بتوں کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لئے غریبوں کے منہ کے نوالے چھینے جاتے ہیں، انہیں بتوں کے آستانوں پر انسانیت کو ذبح کیا جاتا ہے، یہی رنگ برنگے بت انسانوں کو جانور بنانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

بے شک یہ بت نجس اور ان کے سامنے جھکنے والے ناپاک ہیں، اس لئے فرشتے اور فرشتہ صفت انسان ان بتوں سے نفرت کرتے ہیں۔ بتوں کی عبادت انسان کو مالک حقیقی سے توڑتی ہے، جبکہ بتوں کا اکرام انسانیت کو فقروفاقے اور ذلت میں مبتلا کرتا ہے۔ تعجب ہے ان دانشور کہلانے والے شیطانوں پر جو بتوں کو تاریخی ورثہ قرار دیتے ہیں، لیکن انہیں بھوک اور سردی سے تڑپنے والے انسان نظر نہیں آتے۔ افغانستان میں ہزاروں بچے روسی اور انڈین بارودی سرنگوں کا شکار ہوگئے، اس پر کسی دانشور کو صدمہ نہیں پہنچا۔ افغانستان کے لاکھوں افراد معذور ہوگئے، اس پر کسی کی انسانی ہمدردی نہیں جاگی۔ افغانستان پر یکطرفہ ظالمانہ پابندیاں لگا کر بچوں کو افلاس سے مارا گیا، اس پر کوئی شور نہیں مچا، لیکن جب اسی افغانستان میں چند بے جان، بے کار، بے آبرو اور بے وقار مجسموں کو گرایا گیا تو ساری دنیا چیخنے چلانے لگ گئی۔ اور یہاں تک تجاویز دی گئیں کہ ان مجسموں کو بچانے کے لئے افغانستان پر مزید پابندیاں لگا دی جائیں تا کہ پتھروں کے آگے انسانوں کو بھینٹ چڑھانے کا سلسلہ جاری وساری رہے۔ بودھ مذہب کے پیروکار بھی بودھ کے مجسموں کو گرانے پر شور مچا رہے ہیں، حالانکہ خود ان کے مذہب میں مورتی اور مجسمہ بنانا جائز ہی نہیں ہے، لیکن چونکہ دنیا کے سارے کافر طالبان کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں اس لئے بتوں کی خاطر احتجاج کے اس شور میں ہر کوئی اپنی سُر شامل کرنا ضروری سمجھ رہا ہے۔

ہم اس موقع پر طالبان کو عموماً اور ان کے قابل فخر اور قابل رشک امیر المؤمنین کو خصوصاً مبارک باد

پیش کرتے ہیں اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ اہل ایمان ان کے ساتھ ہیں۔ آپ حضرات نے اپنے اس فیصلے اور بروقت اقدام کے ذریعے اسلام کے حکم کو زندگی بخشی ہے، ان شاء اللہ! آپ کو اس کی خصوصی برکات نصیب ہونگی اور جب افغانستان بتوں کی نجاست سے پاک ہوجائے گا تو آسمان سے خصوصی نصرت نازل ہوگی۔ آپ حضرات نے اس اہم اسلامی حکم کے ذریعے زمین کو پاک کر کے اس پر احسان کیا ہے۔ اب ان شاء اللہ! زمین بھی اپنے خزانے آپ کے لئے فراخی کے ساتھ اُگلے گی اور آپ پر پابندیاں لگانے والے آپ کے سامنے ایک دن بھیک مانگنے کے لئے اپنے گھٹنے ٹیکیں گے۔

آپ حضرات اس مبارک موقع پر کسی مذمت یا احتجاج کی پرواہ نہ کریں اور نہ کسی کے سامنے اپنی صفائی پیش کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ایک عظیم سعادت ہے جو آپ کو نصیب ہوئی ہے، اس پر آپ جس قدر شکر ادا کریں وہ کم ہے۔ آپ حضرات نے اس فیصلے کے ذریعے کسی کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کی اور نہ آپ نے کسی مذہب کے ماننے والوں کو کوئی ٹھیس پہنچائی ہے۔ مسجد میں سے غلاظت کو اٹھا کر پھینکنا جس طرح ایک اخلاقی حق ہے، اسی طرح مسجد کی طرح پاک ملک میں سے بتوں کی غلاظت کو نکال کر پھینکنا بھی ایک اخلاقی حق ہے۔ دنیا کے دوسرے مذاہب کے پیروکار اپنے گرجوں، مندروں اور کلیساؤں میں جو کچھ کرتے ہیں اس پر ہم انہیں کچھ نہیں کہتے، بلکہ انہیں اس بات کا حق دیتے ہیں کہ وہ اپنے عبادت خانے میں جو کچھ رکھنا چاہیں رکھیں اور جو کچھ یہاں سے نکالنا چاہیں نکال دیں۔ جب ہم ان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرتے تو انہیں ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کا کیا حق ہے؟ اے طالبان! آپ کو یہ عظیم سعادت مبارک ہو، صد مبارک! ہماری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے اور زمین و آسمان کی برکات آپ کے لئے کھول دے۔

اس موقع پر ہم دنیا کے انصاف پسند طبقوں سے پوچھتے ہیں کہ طالبان کی بت شکنی پر اعتراضات اور احتجاج کا ان کے پاس کون سا اخلاقی جواز موجود ہے؟ **"ھاتوا برھانکم إن کنتم صادقین."** تاریخی ورثہ تاریخی ورثہ کا شور مچانے والے اندلس کی تباہی پر نظر کیوں نہیں ڈالتے؟ وہاں پر اسلامی آثار کو جس بے دردی سے مٹایا گیا، اس کا کسی مہذب قوم سے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا؟ لیکن کون ہے جو اس بات پر شور مچائے؟ چلئے! اندلس کا زخم تو بہت پرانا ہے، ماضی قریب میں سوویت یونین کی بربریت پر ایک نظر ڈالئے!..... ماوراء النہر کے تاریخی اسلامی ورثے کا کیا بنا؟ پانچ کروڑ مسلمانوں کی شہادت اور لاکھوں

کروڑوں آثار کی تباہی پر کسی نے کوئی شور نہیں مچایا۔ اس سے بھی آگے بڑھئے! ۱۹۹۲ء میں اجودھیا کے مقام پر بابری مسجد کو کس ظالمانہ انداز میں شہید کیا گیا؟ مگر انڈیا پر کوئی پابندی نہیں لگی۔ پھر حضرت بل، چرار شریف جیسے سینکڑوں برس پرانے تاریخی ورثوں پر جو کچھ بیتی، وہ بھی کسی سے مخفی نہیں ہے۔ یہ سارے وہ مقامات ہیں جو مسلمانوں کے پاس تھے اور مسلمان انہیں آباد کئے ہوئے تھے، جبکہ افغانستان کے بتوں کا کوئی پجاری یا عقیدت مند وہاں موجود نہیں ہے۔

اے عقلمندی کی تہمت اپنے سروں پر اٹھانے والے دانشورو! کاش! تم افغانستان کے داخلی المیے کو سمجھتے، جہاں انسانیت کو سسک سسک کر دم توڑنے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے، لیکن ہم تم سے کیا شکوہ کریں؟ وہ سر اور سینے جن میں دماغ اور دل کی جگہ پتھر بھرے ہوں، انہیں انسانیت کی کیا فکر؟ وہ تو خود بت ہیں اس لئے بتوں کے گرنے پر تکلیف محسوس کر رہے ہیں۔

والسلام

پرانے راستے نیا سُرور

آج سے غالباً تیرہ برس پہلے کی بات ہے، ایک راستے سے آشنائی ہوئی تھی، تب یہ راستہ محبوب کے گھر کی گزرگاہ تھا، اس لئے اس کے ہر موڑ اور ہر پتھر سے محبت ہوگئی تھی۔ کراچی سے ملتان، ملتان سے ڈیرہ اسمٰعیل خان، ڈیرہ اسمٰعیل خان سے بنوں اور پھر بنوں سے میران شاہ..... بنوں تک کا ہمارا سفر ہر طرح کی کیفیت اور سرور سے عاری ہوتا تھا۔ ویسے بھی کراچی سے بنوں تک کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آتی تھی۔ ایک ہی طرح کا ماحول اور ایک ہی طرح کی گہما گہمی۔ وہی مخصوص پابندیاں اور وہی مختلف طرح کے لوگ۔ لیکن بنوں سے آگے جب ایئرپورٹ کے سامنے سے گزر کر قبائل کا علاقہ شروع ہوتا تو دل کی کیفیت ہی بدل جاتی۔ کندھوں پر اسلحہ رکھے بہادر لوگ، ایک مخصوص طرزِ زندگی اور ایک طرح کی آزادی کا احساس ہر طرف واضح طور پر نظر آتا تھا۔ جہاد میں شرکت کے لئے آنے والے نئے افراد کے لئے قبائل کا ماحول ہی جہادی تربیت کا آغاز ہوتا تھا۔ وہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان خدامست لوگوں کو دیکھتے۔ دُکانوں میں بھرے ہوئے اسلحے کو دیکھتے اور اسلحے کی اس قدر بہتات کے باوجود امن اور سکون کے ماحول کو دیکھ کر حیران ہوتے۔

میں بھی اپنے پانچ رفقاء کرام کے ساتھ اسی راستے سے گزر کر میدانِ جہاد میں داخل ہوا تھا اور پھر اس کے بعد یہ راستہ زندگی کا حصہ بن گیا تھا۔ کئی سال تک یہ راستے شہادتوں کی گزرگاہ بنے رہے۔ کئی جانباز سرفروش انہی راستوں سے گزر کر لیلائے شہادت سے ہم آغوش ہوئے اور کئی ایسے بھی تھے جو ان

راستوں سے گزرے تو دُنیا کی کمزور اور حقیر زندگی اپنے جسم میں سنبھالے ہوئے تھے، لیکن جب انہی راستوں سے واپس ہوئے تو شہادت کی اعلیٰ وارفع زندگی کے نور کی چادر اوڑھے سکون سے لیٹے ہوئے تھے۔ ان قبائلی علاقوں کی داخلی زندگی میں جھانکنے کا موقع ہمیں بہت کم ملا۔ ہم ان علاقوں سے گزرتے تھے، یہاں کی مساجد میں نماز پڑھتے تھے، یہاں کے بعض دُکانداروں سے سامانِ ضرورت خریدتے تھے اور بس! البتہ یہاں کے بعض علماء کرام اور جہاد میں شریک ہونے والے طلبہ کے ساتھ ہمارا تعارف تھا اور ہم ان علاقوں میں اسلحہ اُٹھا کر چلنے میں خوشی محسوس کرتے تھے اور یہ ضروری بھی تھا بلکہ یہاں کے پولیٹیکل حکام خود اس کی تاکید کیا کرتے تھے، کیونکہ ان علاقوں میں اسلحے کے بغیر گھومنا خطرہ بھی تھا اور عار بھی۔

ویسے بھی قبائلی علاقوں میں داخل ہوتے ہی اس بات کا احساس دل ودماغ پر حاوی ہوجاتا ہے کہ ایک مردِ مُسلمان کے لئے اسلحہ ضروری ہے..... بے حد ضروری۔ اور اگر قوم کے افراد میں ایمان، غیرت، خودداری اور حیا موجود ہو تو یہ اسلحہ علاقے کے امن کی ضمانت بن جاتا ہے۔ تب کوئی شخص بے بسی اور بے کسی کی موت نہیں مرتا۔ قبیلوں کے باہمی تنازعات کئی بار سر اُٹھاتے ہیں لیکن اگر قوم میں دین کا علم رکھنے والے افراد کو بالادستی حاصل ہو تو یہ جھگڑے حد سے تجاوز نہیں کرتے اور ہر شخص رات کو چین کے ساتھ سوتا ہے اور ہر فرد کی زندگی بھرپور ہوتی ہے۔ بنوں سے میران شاہ جاتے ہوئے راستے میں برلب سڑک ایک بڑا دینی ادارہ دارالعلوم نظامیہ ہم نے بارہا دیکھا تھا لیکن اس میں حاضری کی سعادت کبھی نہیں ملی تھی۔ مدرسہ کی وسیع وعریض عمارت، اس پر لگے ہوئے بڑے بڑے پرچم، طلبہ کرام کا ہجوم اور مدرسہ کی دیواروں پر لکھی ہوئی تحریریں ہمیشہ دل کو خوش کرتی تھیں۔ قبائل میں دینی علوم کا ذوق پاکستان کے دیگر علاقوں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔

حکمرانوں نے قبائل میں دینی مدارس کے اثر ورسوخ کو کم کرنے کی بہت کوششیں کی ہیں لیکن انہیں تاحال کامیابی نہیں ملی۔ اسکولوں اور عصری تعلیم کے دیگر اداروں کے آجانے کے باوجود قبائل کے مدارس شاندار اور وہاں کے علماء جاندار ہیں۔ ان علاقوں میں دینی مدارس کے طلبہ کرام کا تقدس اور علماء کرام کا فقر واستغناء ابھی تک ناقابلِ شکست ہے۔ مختلف قبائل نے ایک دوسرے کے مقابلے پر اپنے دینی مدارس کو ترقی دینے کا عزم کر رکھا ہے اور یوں باوجود خوفناک ریشہ دوانیوں کے ان علاقوں کا اسلامی قبائلی تشخص اور دینی وقار محفوظ ہے۔ بڑی بڑی خوبصورت پگڑیاں، اکثر چہروں پر گھنی ڈاڑھیاں، گھر کی چار دیواری

میں خوش باحیا مسلمان بیبیاں، علماء کرام کی غیر علانیہ حکمرانی اور باہمی فیصلوں میں شریعت کی بالادستی، ان علاقوں کا اب بھی طرۂ امتیاز ہے۔ البتہ غیر ممالک میں روزی کمانے کے شدید رُجحان کی وجہ سے بعض مقامات اور کچھ چہروں پر دُنیا پرستی کے آثار بھی نظر آنا شروع ہوگئے ہیں۔ مال کا فتنہ ان علاقوں میں بھی دیمک کی طرح اندر ہی اندر اپنا کام دکھلا رہا ہے۔ اس فتنے کے منحوس اثرات سے حفاظت کے لئے ابھی سے سخت پیش بندی کی ضرورت ہے۔ اُمید ہے کہ علماء کرام اس طرف خصوصی توجہ فرما رہے ہوں گے۔

ان علاقوں کے ساتھ وابستہ ماضی کی حسین جہادی یادوں کے دھندلے نقوش ابھی تک دل و دماغ میں تھے کہ پچھلے دنوں دارالعلوم نظامیہ جیسے مؤقر و معتبر ادارے کی طرف سے سالانہ جلسے میں شرکت کی دعوت ملی، لیکن دیگر اسفار کی وجہ سے ان کی طلب فرمودہ تاریخ پر جانا کچھ ناممکن تھا، تب دارالعلوم کے مہتمم صاحب یادگارِ سلف حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب زید مجدھم نے خود ٹیلیفون پر بات فرمائی اور نہایت محبت اور اصرار کے ساتھ جلسے میں شرکت کی دعوت دی۔ بندہ نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن آپ کی مطلوبہ تاریخ میلسی والے احباب کو پہلے سے دی ہوئی ہے، اب میں ان سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ تاریخ بدل لیں، اگر اُنہوں نے گزارش مان لی تو آپ کے ہاں حاضری ہوجائے گی، ورنہ سابقہ وعدے کا ایفاء بہرحال شرعی طور پر میرے ذمے لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے میلسی والے احباب کو جنہوں نے تاریخ بدلنے پر ایک ہی گزارش میں رضامندی ظاہر فرمادی اور یوں مجھے اپنے محبوب پرانے راستوں پر جانے کا ایک اور موقع مل گیا۔ بہاولپور سے روانگی کے بعد پہلا پڑاؤ ڈیرہ اسمٰعیل خان تھا، جہاں کے مُجاہد احباب نے پُر جوش استقبال فرمایا۔

دارالعلوم عثمانیہ میں علماء کرام سے مختصر ملاقات اور حاضرین سے مختصر بیان کے بعد ڈیرہ شہر سے چند کلومیٹر باہر واقع ادارۃ المعارف الشرعیہ میں حاضری ہوئی، جہاں قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن صاحب زید مجدھم سے ایک جامع مفصل اور خوشگوار ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کے بعد اپنے دیرینہ رفیق اور محبوب دوست کمانڈر عبدالرشید شہید کے گھر حاضری ہوئی۔ شہید کے والد محترم کے انتقال پر تعزیت اور ان کی بوڑھی والدہ محترمہ اور بھائیوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اُمت مُسلمہ کے عظیم کمانڈر کا خستہ حال گھر دیکھ کر دل کو صدمہ پہنچا۔ وہ شخص جس نے اُمت مُسلمہ کی خاطر گھر کی چھت، ماں کی گود، بیوی کی رفاقت، بچوں کا پیار اور یاروں کی محفلوں سمیت ہر چیز قربان کردی، اس کے گھر کی چھت

آج ٹپک رہی ہے اور اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ بھائی رشید شہید رحمہ اللہ کے گھر کی چھت تو ان شاء اللہ جلد بن جائے گی اور جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرے گی، لیکن مُسلمانوں کو اس موضوع پر ضرور فکر مند ہونا چاہئے، کیونکہ مُجاہدین اور شہداء کرام کے گھروں کی دیکھ بھال ایک ایسی ذمہ داری ہے جس کے ادا کرنے میں مُسلمانوں کے لئے بے شمار بھلائیاں اور خیریں پوشیدہ ہیں۔ کاش! ہم سمجھیں اور اپنے غازیوں اور شہیدوں کی قدر کو پہچانیں۔ بھائی رشید شہید کے گھر سے رات ہی کو بنوں کی طرف روانگی ہوئی۔ رات کا قیام بنوں کے مضافات میں جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامی منتظم کے گھر پر ہوا۔

دوسرے دن بنوں کے بعض معروف علماء کرام اور اہم دینی مدارس کی زیارت کا شرف نصیب ہوا۔ ایک مدرسہ میں مختصر بیان بھی ہوا۔ دن کے گیارہ بجے ہمارا قافلہ ایک بڑے جلوس کی شکل میں میر علی کی طرف روانہ ہوا۔ بنوں ایئرپورٹ کے سامنے سے گزرتے وقت اس ایئرپورٹ کے ساتھ اپنی کئی یادیں تازہ ہوگئیں۔ وقت کے کئی اہم اکابر حضرات کو اسی ایئرپورٹ کے ذریعے افغانستان تک لے جانے کی خدمت ماضی کی حسین یادوں کا حصہ ہے۔ ایئرپورٹ سے آگے گزر کر قبائلی علاقہ شروع ہوا تو ذہن کی کیسٹ تیزی سے پیچھے کی طرف دوڑنے لگی اور بہت سارے مناظر ایک دوسرے سے بڑھ کر آنکھوں کے سامنے آنے لگے لیکن آج یہاں ماحول کافی مختلف تھا۔ پہلے میں جب بھی یہاں سے گزرا یہاں کے لوگوں کو ان کے اپنے حال میں مست پایا۔ انہیں ہمارے گزرنے کا اور ہمیں ان کے موجود ہونے کا زیادہ احساس نہیں ہوتا تھا، لیکن آج یہاں عید کا سماں تھا۔ یہاں کے لوگ اپنے علاقے کے ایک پرانے مسافر کا انتظار کر رہے تھے اور وہ پرانا مسافر ان لوگوں سے گزر کر آگے جانے کے لئے نہیں بلکہ خود انہی لوگوں سے ملنے آ رہا تھا۔

گاڑیوں کا طویل قافلہ جیسے ہی علاقے میں داخل ہوا، استقبال کے لئے آئے ہوئے قبائلی مُسلمانوں نے اپنی کلاشنکوفوں، زڑکیوں اور دوسری رائفلوں کے دہانے فراخ دلی سے کھول دیئے۔ پندرہ منٹ تک ہونے والی اس جوش بھری فائرنگ میں راکٹ لانچر اور ہلکی مشین گنوں کی آواز سب سے ممتاز تھی، جبکہ بعض پرانے لوگ اپنی تھری ناٹ تھری کو مخصوص انداز میں چلا رہے تھے۔ ہماری گاڑی جب بھی کسی کے سامنے سے گزرتی اس کی کلاشن آگ برسانے لگتی۔ اسلحے کے اس انبار میں ہماری سیکورٹی پھیکی

لگ رہی تھی بلکہ بے فائدہ اور بلاضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ دارالعلوم نظامیہ کے گیٹ سے اسٹیج تک پہنچنے کا مرحلہ کافی مشکل اور خطرناک تھا۔ مسلسل فائرنگ، مصافحے کے لئے تابڑ توڑ حملے اور بے ترتیب رش اپنا پورا رنگ دکھا رہا تھا۔ کافی محنت اور مشقت کے بعد اسٹیج پر پہنچے تو اس کے پیچھے واقع ایک کمرے میں قبائل کے باوقار علماء کرام سے ملاقات ہوئی۔ شمالی وزیرستان کے تقریباً تمام قابل ذکر اور قابل قدر علماء واکابر یہاں جمع تھے۔ کمرے میں تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اسٹیج پر آنے کی فرمائش زور پکڑ گئی۔ اس دوران ایک بار پھر محبت بھری دھکم پیل ہوئی اور بندہ کو اسٹیج پر موجود ایک کرسی پر جگہ مل گئی۔ جمعیت علماء اسلام صوبہ سرحد کے امیر حضرت مولانا امان اللہ صاحب بیان فرما رہے تھے۔ ان کے بیان کے بعد علاقے کے مشہور عالم المعروف صدر صاحب نے لوگوں سے مختصر گفتگو فرما کر بندہ کو بیان کی دعوت دی۔ بیان کے دوران ایک بار پھر قبائل کے مُسلمانوں نے بھرپور فائرنگ اور نعروں کے ذریعے ایمانی زندگی کا ثبوت دیا۔

اسٹیج پر درجنوں علماء کرام کے علاوہ افغانستان کے صوبہ خوست کے طالبان حکام بھی موجود تھے۔ بیان کے دوران علماء کرام اور عوام کے جوش وخروش کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ یہ علاقے ابھی تک زندہ ہیں، کیونکہ یہاں ایمانی قدریں زندہ ہیں..... اللہ کرے ان علاقوں کی یہ ایمانی زندگی مزید طاقتور ہو جائے اور پورا پاکستان ایمان کے مزے لوٹنے کی سعادت حاصل کر سکے۔ ہزاروں قبائلی مُسلمانوں کے ہجوم کے درمیان جاری گاڑیاں واپس بنوں کی طرف راستہ ڈھونڈ رہی تھیں اور میں ان پرانے راستوں میں ایک نیا سُرور محسوس کر رہا تھا..... جی ہاں! ان زندہ وتابندہ علاقوں میں جہادی جذبات دیکھنے کا لذت بخش..... ایمان افروز سرور.....۔

والسلام

نئے سال کا آغاز

غالباً اکثر قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ ہم مُسلمانوں کا نیا سال یکم محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے۔ پچھلا سال ۱۴۲۱ھ کا تھا جو ایک دو روز میں مکمل ہونے والا ہے اور جب یہ کالم آپ حضرات کے سامنے آئے گا تو اس وقت ان شاء اللہ ۱۴۲۲ھ شروع ہو چکا ہوگا۔ ہم اہلِ پاکستان کی یہ بڑی بدنصیبی ہے کہ ہمارے ہاں اسلامی ہجری سال کا آغاز بے چینی، کشمکش، فرقہ واریت اور پکڑ دھکڑ سے شروع ہوتا ہے اور نئے سال کے ابتدائی دن پاک وطن کا ہر باسی خوف، خطرے اور پابندیوں کی حالت میں گزارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمارے لئے اس عزت وعظمت والے مہینے کی برکات حاصل کرنا آسان فرمائے تاکہ ہم اس مہینے کے تابناک ماضی سے اپنے المناک حال کو سنوار سکیں۔

ہمارے ملک کے اکثر لوگ تو جنوری کی پہلی تاریخ کو نئے سال کا آغاز سمجھ کر اپنی اسلامی تاریخ سے بے اعتنائی اور لاپروائی کا ثبوت دیتے ہیں، حالانکہ اگر گہرائی سے غور کیا جائے تو وہ قوم ہی کیا جس کی اپنی تاریخ نہ ہو، لیکن انگریزی دورِ اقتدار کی جن غلاظتوں کا بوجھ ہم نے اپنے سروں پر اُٹھا رکھا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی تاریخ رکھنے کے باوجود ہم دوسروں کے محتاج ہیں اور حالت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ جب تک یورپین اقوام کے ہاں استعمال ہونے والی عیسوی تاریخ کا سہارا نہ لیا جائے اس وقت تک اپنی قوم کو تاریخ سمجھانا مشکل ہو جاتا ہے۔

خیر چھوڑیئے دور کی اس داستان کو، یہ تو اُمتِ مُسلمہ کے زخمی بدن کا ایک چھوٹا سا ناسور ہے۔ اللہ

کرے ہمارے صاحب اختیار لوگوں کو اس بات کی توفیق ملے کہ وہ ملک میں ہجری اسلامی تقویم کو قانونی طور پر رائج کریں کیونکہ ہمارے بے شمار دینی مسائل کا تعلق قمری تقویم سے ہے۔ اسی طرح ہمارا ماضی بھی ہمیں اس وقت اچھی طرح سمجھ آ سکتا ہے جب ہم ہجری ماہ و سال میں زندگی گزارنا پسند کریں گے۔

۱۴۲۱ھ کا سال اپنے اندر بے شمار واقعات، شخصیات اور حالات کو لے کر ہم سے رخصت ہو رہا ہے۔ ایک سعادت مند مسلمان کی حیثیت سے ہم پر لازم ہے کہ ہم اس بات کا باریکی کے ساتھ محاسبہ کریں کہ ہم نے پچھلا سال کس طرح سے گزارا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء فرمودہ اس سال میں کیا کھویا ہے اور کیا پایا ہے؟ دن رات کی کروٹوں میں اپنی عُمر سے ایک سال کم کرنے کے علاوہ ہم نے کیا کام کیا ہے؟ یقیناً یہ سوچنے اور غور کرنے کا موقع ہے اور جو غور کرے گا وہ ان شاء اللہ بہت کچھ پائے گا۔

چند دن پہلے ہفت روزہ ضرب مؤمن کی گزشتہ سال کے شماروں پر مشتمل فائل دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اخبار کے ساتھ تھوڑی دیر کی یہ رفاقت گزشتہ سال کا آئینہ بن کر سامنے آئی۔ جس ورق کو بھی اُلٹا جاتا تھا اس پر گزشتہ سال کے سود و زیاں کا مکمل کچا چٹھا نظر آتا تھا۔ کئی محبوب شخصیتیں ہم سے گزشتہ سال رخصت ہو گئیں۔ نہ معلوم اس سال کس کس کی باری ہے؟ آفاق شہید اور بلال شہید کے تاریخ ساز کارنامے بھی گزشتہ سال کے ناقابل فراموش واقعات میں سے ہیں۔ پورے ملک میں ہونے والے بڑے بڑے جہادی اجتماعات نے سال کے ماحول میں ایک ایمانی گرماہٹ پیدا کر دی ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سارے واقعات جو یقیناً آپ کے علم میں ہوں گے۔

آیئے! نئے سال میں قدم رکھتے وقت سوچیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہم نے اب کیا کرنا ہے؟ اور اگر یہ سال بھی اللہ تعالیٰ نے ہماری عُمر کا مقدر بنا دیا تو ہم نے اس کا بھرپور ایمانی فائدہ کس طرح سے اُٹھانا ہے؟

آیئے! اپنے عزم کی تجدید کریں۔ محرم الحرام کا مہینہ شہادتوں اور سعادتوں کا مہینہ ہے۔ ہم اس مہینے کو نعوذ باللہ منحوس سمجھنے کی بجائے ایک نئی ملنے والی نعمت سمجھیں۔ ایسی نعمت جس کا ہم سے سوال ہوگا اور جس پر ہم نے اپنے پورے سال کی بنیاد رکھنی ہے۔

آیئے! غور کریں کہ اسلام سے ہمارا رشتہ کس درجے کا ہے؟ ہم نے اسلام کی خاطر جان و مال کی کتنی قربانی دی ہے یا کتنی قربانی دینے کی ہمت رکھتے ہیں؟

آیئے! اس سال کو اپنے ایمان کی تکمیل اور جہاد میں ترقی کا سال بنا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔ جی ہاں! وہ قرب جس کے ہم بے حد محتاج ہیں اور وہ قرب جسے پا کر ہم غلامی کے اس طوق سے نجات پا سکتے ہیں جس نے طویل عرصے سے ہماری گردن کو جکڑ رکھا ہے۔

آیئے! ایک نئے حوصلے، نئی ہمت اور نئے ولولے کے ساتھ نئے سال میں داخل ہوتے ہیں اور نئے سال کا آغاز اللہ تعالیٰ کے نام سے کرتے ہیں جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

والسلام

انٹرنیٹ کے ڈسے ہوئے

آج کل کمپیوٹر کا زمانہ ہے۔ مولانا صاحب! اب تو انٹرنیٹ کا دور ہے۔ قرآن وحدیث اپنی جگہ، لیکن بھائی! آپ لوگ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی طرف زیادہ توجہ دیں۔ دین کی خدمت کے لئے اس زمانے میں انٹرنیٹ سے بڑا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ دینی مدارس اس وقت کوئی مثبت کام کر سکتے ہیں، جب وہ کمپیوٹر کی تعلیم کو اوّلین ترجیح دیں گے۔ آپ لوگ ابھی تک قرآن وسنت کی بات کر رہے ہیں، جبکہ دُنیا انٹرنیٹ کو پڑھ رہی ہے۔

یہ اور ان جیسے کئی جملے آج کل ہمیں بکثرت سننے کو ملتے ہیں۔ ہم ان جملوں کو صبح شام سن رہے ہیں، لیکن معلوم نہیں کیوں یہ ہمارے دلوں پر دستک نہیں دے سکے؟ ہمیں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی جزوی افادیت سے انکار نہیں ہے، لیکن ہمارے خیال میں ان کے نقصانات ان کے منافع سے زیادہ ہیں اور مسلمانوں کا ان چیزوں میں حد سے زیادہ مشغول ہونا اور انہیں اپنی مجبوری بنانا ازحد نقصان دہ ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان موذی ایجادات کے کئی نقصانات ابھی سے کھل کر سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں، مثلاً:

(۱) ہمارے کئی نوجوان انٹرنیٹ کو ہیروئن کے نشے کی طرح اپنے اعصاب پر مسلط کر چکے ہیں اور انٹرنیٹ کی غلیظ لت نے ان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو ڈسنا شروع کر دیا ہے۔ آپ اگر انٹرنیٹ کے گندے، ناپاک اور حیاسوز مواد سے لذت نام کی ذلت حاصل کرنے والے نوجوانوں کو دیکھیں تو آپ کو احساس ہوگا کہ یہ بدنصیب نوجوان نہ دین کے رہے ہیں، نہ دُنیا کے۔ انٹرنیٹ سے کھیلنے کا آغاز معلومات

حاصل کرنے کے بہانے سے شروع ہوتا ہے اور اس کا انجام ایمان، حیا اور جوانی کے اجڑنے اور ناقابل بیان گناہوں میں ملوث ہونے پر ہوتا ہے۔ انسانیت کے قاتل زہر فروش طبقے آئے دن انٹرنیٹ پر مہلک زہر کی بوچھاڑ کرتے رہتے ہیں اور ہمارے نادان نوجوان اس زہر کو مزے لے لے کر چوستے ہیں اور پھر ہلاکت وذلت کی کھائیوں میں جاگرتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ آج گلی گلی میں انٹرنیٹ کلب کھلتے جا رہے ہیں اور نوجوانوں کے ریلے ان کلبوں میں جا کر اسلام دُشمن عناصر کے تیروں کا شکار ہو رہے ہیں۔

(۲) بہت سارے دیندار مسلمان انٹرنیٹ کے جادو کا شکار ہو کر بے عمل بلکہ بدعمل بن چکے ہیں۔ وہ ابتداء میں انٹرنیٹ کو دینی خدمت کے جذبے سے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان پر معلومات جمع کرنے کا خبط سوار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد خود کو عقلمندی کی دُنیا کا ہیرو سمجھ کر اپنی زندگی کے اکثر قیمتی اوقات انٹرنیٹ پر برباد کرتے ہیں اور بالآخر معاملہ یہاں تک جا پہنچتا ہے کہ وہ کسی کام کے قابل نہیں رہتے، بلکہ ان میں سے بعض تو اپنی گھریلو ذمہ داریوں تک سے غافل ہو جاتے ہیں اور انٹرنیٹ کا خفیہ زہر ان کے اندر سے کردار وعمل کی طاقت کو ختم کر دیتا ہے۔ چنانچہ پھر وہ یا تو صرف فضول باتیں کرتے ہیں یا انٹرنیٹ کے آستانے پر اپنی راتوں کا خون کرتے رہتے ہیں۔

(۳) انٹرنیٹ کے ذریعے دینی معلومات حاصل کرنے والے بہت سارے افراد اسلام دُشمن عناصر کی طرف سے دین کے نام پر دین کے خلاف چھوڑے گئے وساوس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے بہت سارے لوگ آپ کو اپنے اردگرد نظر آئیں گے جو بڑے جوش کے ساتھ انٹرنیٹ کی معلومات کا حوالہ قرآن کریم کی آیت کی طرح پیش کر کے گمراہی کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ تو بالکل پاگل ہو چکے ہیں اور بعض نیم پاگل۔ ان لوگوں کے سامنے اگر آپ قران مجید کی آیت یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث پیش کریں تو وہ چیخنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم انٹرنیٹ کی بات کر رہے ہیں جبکہ تم لوگ پرانے زمانے کی باتیں کرتے ہو۔

(۴) انٹرنیٹ کے زیادہ استعمال نے بعض لوگوں کی ذہنی صلاحیتوں کو مفلوج کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا زیادہ استعمال کرتے ہیں، ان میں سے اکثر کا ذہنی توازن بگڑ جاتا ہے اور کمپیوٹر کی اسکرین سے اُٹھنے والی شعاعیں ان کی آنکھوں اور دماغ کو برباد کر دیتی ہیں۔

(۵) انسان فطری طور پر زیادہ معلومات حاصل کرنے کا خواہشمند ہے، لیکن شریعت نے اس کے

لئے اس سلسلے میں کچھ حدود متعین کر دی ہیں، کیونکہ ہر بات کا معلوم ہونا انسان کے لئے مفید نہیں ہے۔

انٹرنیٹ پر بکھری ہوئی بے شمار معلومات میں سے کونسی مفید ہیں اور کونسی ضرر رساں؟ اس کا فیصلہ ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ انٹرنیٹ استعمال کرنے والے اکثر مسلمان ان معلومات کو بھی اپنے دل و دماغ پر نقش کر لیتے ہیں جو آگے جا کر ان کے لئے خوفناک وساوس اور مہلک بیماریوں کا باعث بنتی ہیں۔

انٹرنیٹ کے یہ چند نقصانات آج ہمیں اپنے گرد و پیش میں صاف نظر آ رہے ہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے کئی متقی اور نیک نوجوان انٹرنیٹ کی لت میں پڑ کر بیکار، بے عمل اور بدکار بن چکے ہیں، بلکہ کئی دینی ادارے انٹرنیٹ کے آزادانہ استعمال کی وجہ سے فحاشی اور بے حیائی کے سیلاب میں بہہ چکے ہیں۔ اس طرح انٹرنیٹ کی نحوست سے ایک ایسا طبقہ وجود میں آ چکا ہے جو ظاہری طور پر دیندار ہے، لیکن ان کا دین انٹرنیٹ کے حوالوں، فضول بحث کرنے اور دوسروں کو جاہل سمجھنے تک محدود ہے۔ اسی طرح انٹرنیٹ کے ذریعے گمراہ ہونے والے افراد کا ایک طوفان ہماری اجتماعیت کو برباد کرنے کے لئے وجود میں آ چکا ہے۔ ان سارے حالات کو دیکھتے ہوئے دین کی خدمت کرنے والے اداروں اور افراد کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ انٹرنیٹ کے استعمال کو محفوظ ترین بنانے کی کوششیں کریں اور اس سلسلے میں فوری طور پر مندرجہ ذیل اقدامات کی طرف توجہ فرمائیں۔

(۱) انٹرنیٹ کی خرابیوں، خباثتوں اور غلاظتوں کے بارے میں اپنے اراکین اور مسلمان قوم کے شعور کو بیدار کیا جائے اور انہیں سمجھایا جائے کہ یورپ کا یہ خوبصورت سانپ بے حد زہریلا ہے، بلکہ یہ بات صداقت کے ساتھ سمجھائی جائے کہ سانپ کا ڈسا ہوا پانی مانگتا ہے جبکہ انٹرنیٹ کا ڈسا ہوا پانی تک نہیں مانگتا، بلکہ بعض اوقات خود سانپ بن جاتا ہے۔ زہریلا سانپ، بے حد زہریلا اور...... خطرناک۔

(۲) کمپیوٹر اور انٹرنیٹ استعمال کرنے والے افراد کو سمجھایا جائے کہ وہ دینی ضرورت کے وقت محدود پیمانے پر اس کا استعمال کریں اور پھر اسے بند کر کے رکھ دیں۔ اسی طرح کمپیوٹر پر کام کرنے والے اپنے اراکین کی نگرانی بھی کی جائے اور انٹرنیٹ کے گندے پروگراموں کو جام کرنے کی ترتیب بھی بنائی جائے اور کمپیوٹر پر کام کرنے والے افراد کی روحانی تربیت کا خاص اہتمام کیا جائے۔

(۳) اپنے دینی کاموں کو کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا زیادہ محتاج نہ بنایا جائے، ورنہ ہمارے کام قوت نہیں پکڑ سکیں گے۔ ضرورت کی حد تک انٹرنیٹ کو استعمال کیا جائے اور اس استعمال کو بھی

احتیاج نہ بننے دیا جائے۔

(۴) کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی تعلیم دیتے وقت اسلام کے نظامِ تقویٰ کی تعلیم اور فکر آخرت کے احیاء کا بھی بندوبست کیا جائے۔

(۵) اپنی تحریروں، تقریروں اور مجالس میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا ایسا تذکرہ نہ کیا جائے جس کی وجہ سے نئی نسل کے ذہن پر قرآن و سنت سے زیادہ انٹرنیٹ کا رعب بیٹھ جائے اور وہ انٹرنیٹ کے استعمال کو ترقی اور عقلمندی کے لئے ضروری سمجھنے لگیں۔

(۶) انٹرنیٹ پر اپنا زیادہ وقت برباد کرنے والے دیندار مسلمانوں کو اس برائی سے بچنے کی دعوت دی جائے اور انہیں تلقین کی جائے کہ وہ انٹرنیٹ کے سامنے بیٹھ کر معلومات حاصل کرنے کی بجائے یہی وقت قرآن کریم کے ساتھ اور علماء کرام کی صحبت میں گذار کر صحیح دینی معلومات حاصل کریں۔

(۷) انٹرنیٹ پر آنے والے درست دینی مواد کی فہرستیں جاری کی جائیں اور اپنے حلقۂ اثر کو تلقین کی جائے کہ وہ ان پروگراموں کے علاوہ اور کچھ نہ دیکھیں، بلکہ جس طرح لٹریچر کے مطالعے میں علماء کرام سے مشورہ کرتے ہیں، اسی طرح انٹرنیٹ کے استعمال کے سلسلے میں بھی مشورہ کیا کریں۔

(۸) دینی کام کرنے والے افراد اپنے ذہن کو انٹرنیٹ کے رعب سے آزاد رکھیں اور اپنی فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دین کا کام کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔

(۹) دینی اداروں میں استعمال ہونے والے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ صرف محفوظ ہاتھوں میں دیئے جائیں اور ہر دوسرے دن انٹرنیٹ کو ٹوٹل کر دیکھا جائے کہ پچھلے دن اس پر کیا کچھ دیکھا گیا ہے۔ یاد رہے کہ انٹرنیٹ کے استعمال کا ریکارڈ اس پر محفوظ رہتا ہے، چنانچہ نہایت آسانی کے ساتھ یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ گذشتہ دنوں میں اس پر کیا کچھ کس کس وقت میں دیکھا گیا ہے؟ نگرانی کا یہ نظام انٹرنیٹ کے غلط استعمال کو روکنے میں ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

(۱۰) مکمل دینی شعور اور تربیت نہ رکھنے والے افراد اور کم عمر بچوں کو ہرگز انٹرنیٹ استعمال نہ کرنے دیا جائے۔

والسلام

دیوبند سے قندھار تک

انگریز کا ظلم و جبر.....اور کفر والحاد..... جب برصغیر کے گھروں میں داخل ہوگیا.....تو اس وقت کے اہل حق.....علماء کرام سر جوڑ کر بیٹھے.....طویل مشورے.....، رات کے آخری پہر کے لمبے سجدے.....، آہ و زاری کے مقبول غلاف میں لپٹی دُعائیں.....، رب تعالیٰ کے حضور استخارے.....اور معلوم نہیں کیا کیا ہوا؟ .....قوم کا ایمان خطرے میں تھا.....آئندہ نسل کا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا..... ہندوستان کا تاجدار مُسلمان اپنا تاج تو کھو ہی چکا تھا.....اب اسے اپنی گردن کی فکر تھی.....۱۸۵۷ء کی تحریک کچل کر.....انگریز کے حوصلے بلند تھے.....وہ اب مُسلمانوں کا.....خاتمہ چاہتا تھا، گویا ہندوستان کو اسپین بنایا جا رہا تھا.....اور قریب تھا کہ ایسا ہو جاتا، کیونکہ خود مُسلمانوں میں.....اسلام کے دُشمن کھڑے کر دیے گئے تھے.....اور ملک کی اکثریت.....یعنی مشرک ہندو.....پہلے ہی مُسلمانوں کے خلاف اُدھار کھائے بیٹھا تھا.....

پھر سب سے خطرناک بات یہ کہ.....انگریز اگر مُسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیتا تو.....معاملہ زیادہ مشکل نہیں تھا..... جان نے تو جانا ہی ہوتا ہے..... روح نے جسم سے الگ ہونا ہی ہوتا ہے..... آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں..... پھر جب قتل عام کا بازار گرم ہوتا ہے تو.....ہجرت و جہاد کی راہیں کھل جایا کرتی ہیں.....کبھی کامیاب.....اور کبھی ظاہری طور پر ناکام۔ مگر ہجرت ایک نہ ایک دن اپنا رنگ دکھاتی ہے.....اور جہاد کے شعلے.....اس کی دبی چنگاریوں سے باہر.....ضرور آتے ہیں.....اپنی قوت دکھلاتے ہیں۔

لیکن انگریز شاطر تھا.....عیار، مکار.....اور غضب کا کائیاں.....وہ برصغیر میں حکومت کے تجربے سے

.....بہت کچھ سیکھ چکا تھا.....اسے ہجرت اور جہاد کی قوت کا بہت خوب اندازہ تھا.....اتنا زبردست اندازہ جتنا آج کے بہت سارے مُسلمانوں کو بھی نہیں ہے..... چنانچہ اس نے.....جان سے زیادہ ایمان پر وار کیا.....اور جانیں صرف انہی کی لیں.....جن کے وجود سے.....ایمان کی روشنی چھلکتی تھی.....اور اندھیروں میں پڑے انسانوں کو راہ دکھاتی تھیں.....انگریز نے مُسلمانوں میں..... جہاد کے منکر و مخالف.....مرتد کھڑے کئے.....اس نے تجدد پسندی کے زہریلے انجکشن دے کر.....کچھ مُسلمانوں کے نظریات بدل دیے.....اور ان گمراہ افراد کو.....قوم کا ہیرو بنانے کی کوشش کی.....اس نے فرقہ واریت کو.....جان بخشی کا ذریعہ قرار دیا.....بلکہ اسے ایک.....نفع بخش تجارت بنا دیا.....یعنی فرقہ پرستی کرو.....اور جان بچاؤ.....مال بڑھاؤ.....جاگیریں پاؤ.....انگریز کے یہ تیز رندے.....تیزی سے اپنا کام دکھا رہے تھے.....ہندو اس کا مددگار تھا.....اور حق پرست مُسلمانوں کو.....جانوں کے لالے پڑے تھے۔

خوف، بدامنی، سازشوں.....اور کفر والحاد کے اندھیرے طوفانوں کے درمیان.....کچھ لوگ.....جو واقعۃً وقت کے امام تھے.....زمین پر ایسی جگہ ڈھونڈ رہے تھے.....جہاں وہ مُسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کا بندوبست کر سکیں.....اور ان کا چھینا ہوا تخت و تاج.....یعنی اسلام کی بالادستی.....نظام خلافت.....انہیں واپس دلا سکیں..... یہ کام بہت بڑا تھا.....اور اس زمانے میں.....بظاہر ناممکن اور محال.....کہاں انگریزی حکومت کا.....جاہ و جلال اور طاقت.....اور کہاں چند کمزور.....اور نحیف علماء کرام.....! کہاں انگریزی حکومت کی وسعت اور ہمہ گیری.....اور کہاں.....محدود وسائل والے.....بلکہ سچ یہ کہ بے وسائل مولوی.....! لیکن یہ حضرات.....زمین کی بجائے.....آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے.....وہ جگہ زمین پر ڈھونڈ رہے تھے.....لیکن ان کا بھروسہ.....زمین کے پیدا کرنے والے پر تھا.....یہ لوگ دیکھنے میں کمزور نظر آتے تھے.....لیکن ان کے سینوں میں سمندر سے زیادہ طاقتور.....ایمانی جذبات مچل رہے تھے.....یہ حضرات.....ظاہری طور پر.....انگریز کے نرغے میں تھے.....لیکن ان کے دل و دماغ.....انگریز کی غلامی اور اس کے رعب سے.....مکمل طور پر آزاد تھے.....وقت ان کا ساتھ نہیں دے رہا تھا لیکن وہ.....وقتی مجبوریوں کو.....خاطر میں لانے والے کہاں تھے.....بلاشبہ ان میں سے.....ایک ایک فرد مولانا آزاد کے.....ان جامع الفاظ کا مصداق تھا:

"بڑوں بڑوں کا عذر یہ ہوتا ہے کہ وقت ساتھ نہیں دیتا اور سروسامان و اسباب کارفرما ہم نہیں، لیکن

وقت کا عازم وفاتح اُٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وقت ساتھ نہیں دیتا تو میں اس کو ساتھ لوں گا۔ اگر سروسامان نہیں تو اپنے ہاتھوں سے تیار کرلوں گا۔ اگر زمین موافق نہیں، تو آسمان کو اُترنا چاہئے۔ اگر آدمی نہیں ملتے تو فرشتوں کو ساتھ دینا چاہئے۔ اگر ساتھ چلنے والے نہیں تو کیا مضائقہ؟ درختوں کو دوڑنا چاہئے۔ اگر دشمن بے شمار ہیں تو آسمان کی بجلیوں کی بھی گنتی نہیں۔ اگر رکاوٹیں اور مشکلیں بہت ہیں تو پہاڑوں اور طوفانوں کو کیا ہو گیا کہ راہ صاف نہیں کرتے۔ وہ زمانہ کا مخلوق نہیں ہوتا کہ زمانہ اس سے اپنی چاکری کرائے، وہ وقت کا خالق اور عہد کا پالنے والا ہوتا ہے۔ وہ زمانے کے حکموں پر نہیں چلتا، بلکہ زمانہ آتا ہے تاکہ اس کی جنبشِ لب کا انتظار کرے۔ وہ دُنیا پر اس لئے نظر نہیں ڈالتا کہ کیا کیا ہے، جس سے دامن بھرلوں؟ وہ یہ دیکھنے کے لئے آتا ہے کہ کیا کیا نہیں ہے، جس کو پورا کرلوں!!!''

آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے برصغیر کے اہلِ حق نے..... زمانے کی مانگ میں..... اسلام وایمان کی روشنی بھرنے کا عزم کیا..... اور نامساعد حالات کے باوجود..... اپنی جدوجہد کو ایک نیا انداز دیا..... موجودہ ہندوستان کے صوبے..... اُترپردیش کے ضلع..... سہارنپور کے ایک..... پسماندہ گاؤں ''دیوبند'' پر نظر انتخاب پڑی..... اس گاؤں کے اردگرد..... اہلِ کمال کی مردم خیز بستیاں قائم تھیں..... انار کا ایک درخت ..... محمود نامی استاذ..... اور محمود نامی شاگرد..... اس دارالعلوم دیوبند کا آغاز تھا..... جس کی خوبصورت ہری بھری..... اور تناور شاخیں آج آسمانوں کو چھورہی ہیں۔ دیکھنے کو..... یہ ایک چھوٹا سا مدرسہ تھا..... لیکن درحقیقت..... یہ خاندان ولی اللّٰہی کے علمِ حدیث..... قافلہ سید احمد شہید کے جذبۂ جہاد و شوق شہادت..... اور میاں نور محمد اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے عارفانہ علوم کا امین و وارث تھا..... ظاہری نظر میں بے وسائل نظر آنے والا یہ..... چھوٹا سا ادارہ..... درحقیقت برصغیر وافغانستان کے مُسلمانوں کی..... تمام ایمانی ضروریات کا..... کفیل تھا..... اور آیندہ کے حالات نے اس بات کو..... ثابت کردیا کہ..... مُسلمانوں کو جس چیز کی..... جب بھی ضرورت پیش آئی..... دارالعلوم دیوبند نے اس ضرورت کو..... اس طرح سے پورا کیا کہ..... ایک نئی تاریخ رقم ہوگئی.....

اسلام کے خلاف..... انگریزوں..... اور مشرکوں نے..... جو بھی سازش کی..... دارالعلوم دیوبند نے ..... اس سازش کا توڑ پیش کیا..... اور اسلام کی طرف..... اس کے دُشمنوں کی طرف سے..... جیسا بھی کوئی تیر..... برسایا گیا..... دارالعلوم دیوبند کا سینہ..... اہلِ اسلام کے لئے ڈھال کے طور پر سامنے آیا..... سچ یہ

ہے کہ..... دارالعلوم دیوبند کی خدمات کو..... کماحقہ بیان کرنے سے قلم قاصر..... اور زبان گنگ ہے..... دیوبند بے شک قصبے کا نام ہے..... لیکن اہلِ حق کے..... خونِ جگر نے..... اسے ایک عالمگیر تحریک کا..... مونوگرام بنادیا ہے..... آج دیوبندی کون کہلاتا ہے.....؟ صرف دیوبند کا رہنے والا؟ نہیں..... صرف دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے والا؟..... نہیں..... صرف دارالعلوم دیوبند کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والا؟..... ہرگز نہیں!..... بلکہ ہر وہ شخص..... جو اہلسنت والجماعت کا سچا عقیدہ..... اسلام کے ساتھ سچی وفاداری اور دین کی خاطر جان ومال کی قربانی کا سچا جذبہ رکھتا ہو..... وہ خود کو دیوبندی کہلانے میں..... فخر محسوس کرتا ہے..... کیوں؟ بات واضح ہے۔

کاش! اسے سمجھا جائے کہ..... جب برصغیر کے مُسلمانوں کا ایمان..... اور مستقبل خطرے میں تھا..... اور وہاں اکثر مُسلمان..... آزادی کی اُمنگ تک سے..... محروم ہو چکے تھے..... اور کئی مُسلمان..... رب کو چھوڑ کر ..... قبروں پر سر جھکارہے تھے..... جبکہ بعض مُسلمان..... نئے نئے فرقے بنارہے تھے..... اس تاریکی کے دور میں..... اہلِ حق نے..... حق کی شمع..... دیوبند میں جلائی..... اور پھر اس کی روشنی..... چاردانگ عالم میں..... پھیلتی چلی گئی..... دیوبند میں..... جو چراغ جلایا گیا..... وہ مکی اور مدنی..... چراغ تھا..... وہ آقا مدنی کے..... سچے دین محمدی والا چراغ تھا..... پھر جس طرح موت کے منہ میں پڑے پیاسے کو..... جس کنویں سے پانی ملے..... وہ اس کنویں سے پیار کرتا ہے..... لیکن وہ مانتا ہے کہ..... پانی اللہ تعالیٰ کا..... بنایا ہوا ہے..... لیکن جب اللہ تعالیٰ نے..... اس کنویں کو..... منتخب فرمایا تو..... کنویں کا نام بھی..... زبان پر آنے لگا..... آج..... دیوبندی لفظ کو ..... طعنہ بنانے والے..... یہ نہیں سوچتے کہ..... حدیث کے امام..... محمد بن اسمٰعیل..... خود کو بخاری کہتے تھے ..... ساری دُنیا بھی انہیں بخاری کہتی ہے..... اور تو اور..... حدیث کی سب سے مستند کتاب کو بھی..... بخاری کہا جاتا ہے..... حالانکہ..... کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے..... وہ مکی، مدنی ہے..... وہ دین محمدی ہے..... لیکن بخارا کو شرف ملنا تھا..... مل گیا..... کوئی مانے یا نہ مانے..... اسی طرح دیوبند کو..... اہلِ حق کا..... مرکز بننے کا شرف ملنا تھا ..... وہ مل چکا ہے..... دیوبند کا رشتہ..... سیدھا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملتا ہے..... اس لئے دیوبندی کہلانے والے..... حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شیدائی ہیں..... دیوبند کے..... علمی ڈانڈے ..... حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ملتے ہیں..... اس لئے دیوبندی کہلانے والے..... فقہ حنفی کے..... متوالے ہیں..... دیوبند کے چراغ سے پھیلنے والی روشنی..... نئی نہیں پرانی روشنی تھی..... جی ہاں!..... مدینہ منورہ

والی روشنی.....اسی لئے تو.....دیوبند کی روشنی سے.....فیضیاب ہونے والے فرزند.....اہل مدینہ کے استاذ بنے.....اور اہل مدینہ نے.....انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا۔

گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے.....اہل حق کے نزدیک.....دیوبند کا نام.....حق کا معیار.....بن چکا ہے.....یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے.....اور اسی کی طرف سے.....ملنے والی مقبولیت.....بلکہ اگر یہ کہا جائے تو.....غلط نہیں ہوگا کہ.....فرزندانِ دیوبند نے.....دین کے دفاع.....اور اس کی خدمت کے ضمن میں.....اس قدر قربانیاں دیں کہ.....اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبول ہوگئے.....ہندوستان میں.....قادیانیت کا طوفان آیا.....اس کی سرکوبی کا شرف.....علماء دیوبند کو ملا.....آج بھی قادیانیت کا شجرۂ خبیثہ.....اگر کسی سے لرزہ براندام ہے تو.....وہ علماء دیوبند ہیں.....برصغیر میں.....بدعات کے جھکڑ چلے.....ان کے راستے میں.....بند باندھنے والے بھی.....علماء دیوبند تھے.....اگر یہ نہ ہوتے تو بظاہر.....ہندو مذہب کی شرارت.....مُسلمانوں کو.....بدھوں کی طرح.....بُت پرست بنا دیتی.....برصغیر میں.....تجدد پسندی کا.....فتنہ آیا تو.....اس کی سرکوبی بھی.....علماء دیوبند کے حصے میں آئی.....اسی طرح.....الحاد، زندقہ، لامذہبیت.....اور تحریف کے بے شمار فتنے.....علماء دیوبند کی ایمانی یلغار کی وجہ سے.....وہ کام نہ کر سکے.....جو کرنے کے لئے.....انہیں کھڑا کیا گیا تھا۔

دیوبند کی.....انہیں خدمات کی بدولت.....برصغیر کے مُسلمانوں کا عقیدہ.....اور عمل.....ان کی فکر اور مزاج.....ان کی سوچ.....اور طرزِ عمل.....محفوظ رہا.....انگریز کے زمانے میں.....جہاد کا نام لینا ممنوع تھا.....دارالعلوم دیوبند نے.....قرآن و سنت کی صحیح تعلیم کا.....نظام شروع کر کے.....نظریۂ جہاد کی حفاظت فرمائی.....سچ یہ ہے کہ.....اگر یہ ترتیب نہ بنائی جاتی تو.....مُسلمان جہاد کا نام.....اور معنی بھول جاتے.....دارالعلوم دیوبند نے.....دین اور جہاد کی حفاظت کی تو.....اللہ تعالیٰ نے.....اس کے فیض کو ہر طرف پھیلا دیا.....آج.....دُنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں دارالعلوم دیوبند کا فیض نہ پہنچا ہو.....بلکہ حقیقت یہ ہے کہ.....آج دیوبند میں رہنے والوں کی بنسبت.....دیوبند سے دور بیٹھے ہوئے.....بہت سارے افراد دارالعلوم دیوبند کے فیض کو.....زیادہ حاصل کر رہے ہیں.....گویا کہ.....اس ایمانی نور نے.....زمان و مکان کی حدود کو.....پھلانگ لیا ہے.....

دارالعلوم دیوبند کے فیض نے.....جہاں وقت کے عظیم.....محدث.....فقیہ.....مفسر.....اور محقق

پیدا کئے وہاں جہاد کا فیض بھی.....اس ادارے کی عظیم خدمات کا.....ناقابل فراموش حصہ ہے.....بلکہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کا.....ایک بڑا مقصد.....جہاد.....اور تحریک جہاد کی حفاظت کرنا تھا.....حضرات اکابر کی.....تحریریں.....اور ان کا طرز بھی.....اس بات کی.....گواہی دیتا ہے.....پھر.....یہ بات بھی حقیقت ہے کہ.....خود کو حق والا کہہ لینا کافی نہیں ہے.....حق والوں کی.....اہم ترین نشانیاں دو ہیں:.....ایک علم.....اور دوسری جہاد.....یعنی.....دین کی درست سمجھ.....جو سند کے ساتھ.....مستند ہو.....اور دین کی خاطر قربانی.....اگر.....علم نہیں ہوگا.....تو دین کی سمجھ ہی حاصل نہیں ہوگی.....اور اگر دین کے لئے قربانی نہیں ہوگی.....تو دین.....محض کتابوں میں رہ جائے گا.....اور اسے غلبہ نصیب نہیں ہوگا.....جس کی وجہ سے لوگ اسے چھوڑ دیں گے.....دارالعلوم دیوبند.....اہل حق کا مرکز تھا.....اس لئے.....اس نے علم کی بھی حفاظت کی.....اور جہاد کی بھی.....دارالعلوم دیوبند کے بانی.....خود شاملی کے میدان.....کے سپہ سالار تھے.....دارالعلوم دیوبند کا.....روحانی سلسلہ بھی.....جہادی زمزموں سے منور تھا.....بلکہ علماء دیوبند کی پہچان ہی.....علم و جہاد ہے.....وہ علم.....جس کے ساتھ جہاد کا عمل نہ ہو.....علماء دیوبند اس سے پناہ مانگتے رہے.....اور ایسا جہاد.....جس کے پیچھے علم کی قوت نہ ہو.....علماء دیوبند کے.....خالص دینی ذوق کے ساتھ.....میل نہیں کھاتا.....ہمارے اکابر نے.....برصغیر کے مُسلمانوں کا دین ایمان بچانے کے لئے.....دیوبند سے.....جو تحریک شروع کی تھی.....وہ.....علم و جہاد کی وسعت کی بدولت.....دور دور تک پھیل گئی۔

افسوس کہ.....دیوبند کا قصبہ.....دارالعلوم اور مزار قاسمی کے علاوہ.....اور زیادہ کچھ حاصل نہ کر سکا.....جبکہ.....دیوبند سے دور بہت سارے.....علاقے.....اس چراغ کی روشنی سے.....خوب منور ہوئے.....بلاخیز طوفانوں.....اور خوفناک حوادث کے سامنے.....دیوبند کی تحریک سینہ تان کر.....چلتی رہی.....آگے بڑھتی رہی.....۱۹۴۷ء کے.....واقعات پیش آئے.....مگر دیوبند کا فیض.....اُدھر بھی رہا.....اِدھر بھی.....منتقل ہوا.....۱۹۷۱ء کے حوادث پیش آئے.....یہ ملک ٹوٹ گیا.....مگر دیوبند کا فیض.....ہر ٹکڑے کے.....ایمان کی حفاظت کا کام کرتا رہا.....اس سب کے باوجود دیوبندی فیض کے بازوؤں میں.....مچلنے والی بجلیوں کو.....کسی میدان کی ضرورت تھی.....ایسا میدان جہاں کھل کر قاسمی جوہر دکھائے جا سکیں.....مگر ایسا میدان کہاں ملتا.....؟ کہاں دل کے ارمان پورے ہوتے.....؟ دارالعلوم دیوبند.....ہندوستان میں رہ گیا.....جہاں انگریز کے دور کی طرح.....ہندوؤں کا بدترین دور

..... پاؤں کی زنجیر ..... اور ہاتھ کی بیڑی ہے ..... وہاں تو ..... دین اور اس کے علم کی حفاظت ہی بڑا کارنامہ ہے ..... دیوبند کا بڑا فیض ..... پاکستان پہنچا ..... مگر یہاں بھی ..... نفاق کی ہواؤں نے ..... ماحول کو مکدر ..... اور تنگ کر دیا ..... یہاں ..... علم ..... اور دین کی حفاظت ..... یا کسی قدر سیاسی جدوجہد سے بڑھ کر ..... اور کیا کیا جاسکتا ہے؟ یہی حال بنگلہ دیش کا ہے۔

ان حالات میں ..... افغانستان نے اپنے دل ..... اور زمین کے دروازے کھول دیئے ..... کمیونسٹ حکمرانوں نے اسلام کو للکارا تو ..... افغانستان کے اہل حق علماء کرام نے ..... اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے ..... اس للکار کا جواب دینے کا فیصلہ کیا ..... مقابلہ شروع ہوا ..... تب سوویت یونین کو ..... اپنے مظالم کی حفاظت کے لئے ..... افغانستان میں کودنا پڑا ..... رُوس کا افغانستان میں آنا تھا کہ ..... دیوبند کا حقیقی فیض ..... بپھرے ہوئے سمندر کی طرح ..... ٹھاٹھیں مارنے لگا ..... اور پھر آسمان نے وہ مناظر دیکھے کہ اسے بدر و حنین ..... قادسیہ اور یرموک کے مناظر ..... یاد آگئے ..... سوویت یونین کے غرور سے اسلام کے شیدائی ..... ایسا ٹکرائے کہ ..... وقت اپنی گردش ..... بھول گیا ..... دیوبند نے جس جہادی نظریے کی حفاظت کی تھی ..... وہ نظریہ افغانستان کے کارزاروں میں ..... خوب کام آیا ..... شہادتیں ..... سعادتیں بن گئیں ..... موت ..... لیلیٰ کی طرح ..... البیلی نظر آنے لگی ..... دُشمن کی طاقت ..... تارِ عنکبوت ..... دکھائی دینے لگی ..... تب ..... ایسے لوگ بھی ..... جہاد کے میدان میں کود پڑے ..... جو حق کی روشنی سے مکمل طور پر فیضیاب نہیں تھے ..... جہاد کے مبارک عمل نے ..... ان پر پردے ..... ڈالے رکھے ..... وہ آگے بڑھتے رہے ..... یہاں تک کہ ملک ان کے ہاتھ میں آگیا ..... تب علم کی کمی ..... تقویٰ کا فقدان ..... اور مدرسے کی چٹائی سے ملنے والی آزادی ..... سے محرومی ..... آڑے آگئی ..... وہ سارے آپس میں اُلجھ پڑے ..... جہاد کا سورج ..... گرہن زدہ نظر آنے لگا ..... جہاد کے مخالفین کی باچھیں کھل گئیں ..... ہم یہ کہتے تھے ..... ہم وہ کہتے تھے ..... کی منحوس آوازیں ..... نام نہاد دانشوروں کے گلے سے ..... نکل کر ..... اہل حق کا دل جلانے لگیں تب ..... انار کے نیچے قائم ہونے والا مدرسہ ..... اُمّتِ مُسلمہ کے کام آیا .....

ایک غریب، نادار ..... اور کمزور طالب علم ..... قندھار کے ایک مدرسے کی چٹائی سے ظالموں ..... جابروں اور فرعونوں کو ..... للکارتا ہوا نکلا ..... اور دیکھتے ہی دیکھتے ..... پہلے افغانستان پر ..... اور پھر دُنیا کے حواس پر ..... چھا گیا ..... کیا واقعی! انار کے درخت کے نیچے ..... قائم ہونے والا مدرسہ ..... اتنا طاقتور تھا؟

..... کیا کلمہ طیبہ کے سبق سے ..... اپنے علم کا آغاز کرنے والا ..... کمزور، غریب ..... اور نادار طالب علم ..... اتنا طاقتور ہے؟ شاید یہ بات ..... انسانوں سے زیادہ ..... چند پتھر جانتے ہیں ..... جی ہاں! ..... بامیان کے دیوہیکل ..... بتوں کے پتھر ..... جنہیں ایک ..... مدرسے کے طالب علم کی برکت سے ..... آزادی ملی ہے ..... وہ پتھر دو ہزار سال سے ..... بتوں کے غلام تھے ..... دُنیا سوچ رہی ہے ..... جو طالب علم دو ہزار سال کا ..... غرور توڑ سکتا ہے ..... اس کے لئے دو صدیوں کے غرور توڑنا ..... کون سا مشکل کام ہے ..... ؟ دو صدیوں سے ..... قائم گورے بُت ..... لرز رہے ہیں اور غلامی کے طوق میں جکڑی ..... دیوبند کی سرزمین ..... ڈبڈباتی آنکھوں سے ..... قندھار کی ..... آزاد سرزمین کو ..... مبارکباد دے رہی ہے ..... انار کا درخت ..... خوشی سے جھوم رہا ہے ..... قرآن مجید کے اوراق مسکرا رہے ہیں ..... اور قندھار کا غریب طالب علم علم اور نظریہ جہاد کی حفاظت پر ..... سرزمین دیوبند کا شکریہ ادا کر رہا ہے .....

والسلام

ایک فیصد کون؟

آج ''معرکہ'' کے میدان میں قدم رکھتے ہوئے مجھے..... جگر مراد آبادی مرحوم کے کچھ اشعار ..... یاد آرہے ہیں..... یہ اشعار ماضی قریب کے زندہ دل مفکر..... حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ..... کے پسند فرمودہ ہیں..... اور لطف یہ کہ..... حضرت کی فرمائش پر..... جگر مرحوم نے..... خود اپنی زبان سے..... بارہا انہیں سنائے..... گویا کہ..... ایک منیب دل..... اور ایک تائب دل کی گرمی..... ان اشعار کی کاٹ کو..... دو دھاری بنا رہی ہے..... آیئے! آپ بھی..... اس دو آتشی سرور..... یا غم کے حصہ دار بنیے۔

جب تک غم انسان سے جگر، انسان کا دل معمور نہیں
جنت ہی سہی دُنیا لیکن، جنت سے جہنم دور نہیں
جز ذوقِ طلب، جز شوقِ سفر، کچھ اور ہمیں منظور نہیں
اے عشق بتا اب کیا ہوگا، کہتے ہیں کہ منزل دور نہیں
واعظ کا ہر اک ارشاد بجا، تقریر بہت دلچسپ مگر
آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں، چہرہ پہ یقیں کا نور نہیں
میں زخم بھی کھاتا جاتا ہوں، قاتل سے بھی کہتا جاتا ہوں
توہین ہے دستِ و بازو کی، وہ وار کہ جو بھرپور نہیں

اس نفع و ضرر کی دُنیا سے، میں نے یہ لیا ہے درسِ جنوں
خود اپنا زیاں تسلیم مگر، اوروں کا زیاں منظور نہیں
اربابِ ستم کی خدمت میں، اتنی سی گزارش ہے میری
دُنیا سے قیامت دور سہی، دُنیا کی قیامت دور نہیں

یہ عجیب اتفاق ہے کہ..... بعض انسان جب..... اپنے اندر درد..... اور بے چینی کی ہلچل محسوس کرتے ہیں..... تو ان کی زبان پر..... بے ساختہ..... کچھ دُعائیں..... کچھ کلمات..... اور بعض اشعار..... جاری ہو جاتے ہیں..... جیل کی زندگی میں..... بارہا اس کا تجربہ ہوا..... ایک بار..... ''**رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ**'' کی دُعا..... جاری ہوئی..... اور طویل عرصے تک ..... تنہائیوں کی صدا..... بنی رہی..... کچھ عرصہ..... ''**اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ**'' ..... آیت مبارکہ..... وردِ زبان بنی رہی ہے..... کچھ دن یہ شعر..... بے اختیار..... زبان پر..... جاری رہا۔

ادھر آ شب غم گلے سے لگا لیں
کہ تو بھی اکیلی ہے ہم بھی اکیلے

بالآخر..... مولانا ابوجندل سے..... خوشخط لکھوا کر..... دیوار پر لٹکایا تو..... جان چھوٹی..... جیل کی زندگی میں..... اس جنونی..... بلکہ سودائی سلسلے کی انتہا..... اس شعر پر ہوئی۔

نمی دانم کہ آخر چوں دمِ دیدار می رقصم
مگر نازم بہ ایں ذوقی کہ پیشِ یار می رقصم

''میں نہیں جانتا کہ آخر بوقتِ دیدارِ یار میں کیوں رقص کر رہا ہوں، مگر میں اس ذوق پر نازاں ہوں کہ یار کے سامنے رقص کر رہا ہوں۔''

جیل کے آخری ایام میں..... تنہائی کے علاوہ..... بعض اوقات..... دورانِ مجلس..... اور دورانِ سبق..... یہ شعر..... بے ساختہ زبان پر جاری ہو جاتا تھا..... جیل کے ساتھی..... کبھی کبھار اس کا ترجمہ بھی..... پوچھ لیتے تھے..... اس شعر نے..... قندھار پہنچ کر ہی..... جان چھوڑی..... جب اللہ تعالیٰ نے..... دیدارِ یار کا کچھ سامان..... اپنی رحمت سے..... عطاء فرما دیا تھا..... بات دور نکل گئی..... آیئے!

جگر مرحوم کے...... اشعار کی طرف...... واپس آتے ہیں......

کچھ دن پہلے...... انڈیا کے ایک اخبار...... اور جرمن کی ایک ریڈیو سروس کو...... ایک بے باک...... بے لاگ...... اور واضح انٹرویو دیا گیا...... انٹرویو کیا تھا...... تیز دھار خنجر تھے...... جو معلوم نہیں...... کس جذبے، کس سوچ...... اور کن مقاصد کے تحت...... چلائے گئے...... ان خنجروں کی دھار تلے...... کون آیا؟ یہ شاید...... خنجر زن کو بھی اندازہ نہ ہو سکا...... داڑھی بڑھاؤ...... بسنت نہ مناؤ...... نیکر نہ پہنو...... یہ سب بیک ورڈ لوگوں کی باتیں ہیں...... پاکستان میں یہ لوگ صرف...... ایک فیصد ہیں وغیرہ وغیرہ...... انٹرویو میں اس...... اذیت ناک حصے کے علاوہ...... اس عزم کا اظہار بھی تھا کہ...... ان ایک فیصد لوگوں کو...... طاقت کے ذریعے...... ختم کر دیا جائے گا...... نیز...... پاکستان ایک مُسلم ماڈرن ملک...... بنا دیا جائے گا......

یہ انٹرویو...... کس نے دیا......؟ پوری قوم جانتی ہے...... لیکن شاید...... قوم کو اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ...... اس انٹرویو کے چھینٹے...... کہاں تک...... پہنچ رہے ہیں......؟

داڑھی بڑھاؤ...... یہ پاکستان کے کسی مولوی...... مُجاہد...... یا مفکر...... کا فرمان نہیں ہے...... بلکہ...... مدنی آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم...... کا فرمان ہے...... جو حدیث شریف کی...... مستند کتابوں میں مذکور ہے...... حدیث کی سند...... صحیح...... اور متن کے الفاظ...... بعینہ...... یہی ہیں...... میرے اور آپ کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...... (اور ان کے ہر فرمان پر...... جان قربان......): ''داڑھیاں بڑھاؤ......''

بسنت نہ مناؤ...... یہ پاکستان کے کسی...... دارالافتاء...... مدرسے...... یا جہادی تنظیم...... کا اعلان نہیں ہے...... بلکہ...... دُنیا کے سب سے بڑے عقلمند انسان...... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے...... کافروں کے طور طریقے...... اور ان کے ساتھ مشابہت...... اختیار کرنے...... اور ان کے...... تہوار نہ منانے کا...... اپنی کلمہ گو اُمّت کو...... حکم فرمایا...... بسنت بھی ایک مشرکانہ تہوار ہے...... جو اس حکم کے تحت آتا ہے......

نیکر نہ پہنو...... یہ کسی مولوی کا...... شوقیہ بیان...... یا کسی مفتی کا...... ذاتی فتویٰ نہیں ہے...... بلکہ...... دُنیا کے سب سے بڑے مہذب...... باحیا...... اور...... غیور انسان...... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا...... فرمان ہے......: ''ستر چھپاؤ''...... جنہیں...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا...... ادب و

احترام ملحوظ ہے...... وہ ستر چھپاتے ہیں...... نیکر نہیں پہنتے...... اور جنہیں...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے...... کوئی سروکار نہیں...... وہ تو...... نیکر کے تکلف سے بھی...... آزاد ہو چکے ہیں...... بلکہ ان کے ہاں نیکر کا التزام بھی...... بیک ورڈ لوگوں کا...... فضول کارنامہ...... نظر آتا ہے......

انٹرویو دینے والے کو...... اگر یہ سب کچھ معلوم نہیں ہے تو...... اب بھی توبہ کے دروازے...... کھلے ہیں...... لیکن اگر...... ناعاقبت اندیش...... کفر پرست...... الحادزدہ مشیروں نے...... کسی خاص مقصد کے تحت...... یہ الفاظ کہلوائے ہیں تو...... پھر...... یہ بات بھی...... ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر...... جان نچھاور کرنے والے...... ایک فیصد نہیں ہیں...... اور اگر...... ایک فیصد ہی ہوں تب بھی...... بے ضمیر...... بے غیرت...... اور مردہ دل نہیں ہیں......

اول تو...... اعداد و شمار...... اور حساب کتاب کو...... درست کرنے کی ضرورت ہے...... ملک کے بڑے لوگوں کو...... کاغذوں پر لکھی ہوئی رپورٹوں کی بجائے...... زمینی حقائق کا مشاہدہ...... کرنا چاہیے ورنہ...... اعداد و شمار کے...... خوش کن...... بلکہ گمراہ کن غلط آنکڑے...... ہمیشہ تباہی کا موجب بنتے ہیں...... ماضی کے بعض حکمرانوں کو...... بتایا گیا تھا کہ...... بنگال میں چند لوگ...... شورش برپا کر رہے ہیں...... آپ لوگ...... شیخ مجیب الرحمٰن کو...... بھڑکانے والے بیانات دیں...... تاکہ وہ...... بھڑک اُٹھے...... شورشیں برپا کرے...... اور اس کی گردن پر ہاتھ ڈالنا...... آسان ہو جائے...... اونچے محلات کی...... عیش زدہ فضا...... نجس شراب کے چھلکتے جام...... اور ناپاک رقاصاؤں کے...... خنزیر کی طرح تھرکتے جسم...... حکمرانوں کو اندھا کیے ہوئے تھے...... اُنہوں نے...... غلط مشیروں کے کہنے پر...... شیخ مجیب کو بھڑکایا...... بنگالی مُسلمانوں کے خلاف...... زہر آلود بیانات دیے...... اور پھر...... وہ طوفان آیا جسے...... کوئی نہ سنبھال سکا...... مُسلمانوں کے ہاتھوں...... مُسلمانوں کے گھر اُجڑے...... کلمہ پڑھنے والی بیٹیوں کی عصمت...... اسلام، اتحاد اور تقویٰ کے نام پر...... بندوق تھامنے والوں کے ہاتھوں...... برباد ہوئی...... مکتی باہنی کے غنڈوں کو کھل کر کھیلنے کا موقع ملا...... ہمارا...... ملک ٹوٹ گیا...... غلط مشیروں کے منہ کالے ہوئے...... حکمران اپنے سروں پر...... لاکھوں مُسلمانوں کے خون...... اور ہزاروں بیٹیوں کی عصمت دری کے داغ لے کر...... مر کھپ گئے...... زمین کے ساتھ...... آسمانوں نے بھی...... ان پر لعنت بھیجی...... قوم کی وہ طاقت...... جسے وہ اپنے باپ کی جاگیر سمجھتے تھے...... ان کے کسی کام نہ آئی......

کہاں گیا......یحییٰ خان......؟ کہاں ہیں......بھٹو صاحب......؟ کہاں گئے......طاقت اور شراب کے نشے میں غرق......جرنیل......؟ یہ سارے آج......رب العالمین کی عدالت میں......تنہا......کھڑے ہیں......قوم میں سے کوئی ان کے لئے......سورۂ فاتحہ پڑھنے والا بھی نہیں......حمود الرحمن کمیشن رپورٹ پڑھ کر......بیٹیوں کے باپ......شرم سے سر جھکا رہے ہیں......چند بنگالی......چند بنگالی......کہنے والے......دانشور......ملک کو ایسا توڑ بیٹھے کہ اب تک......استحکام نصیب نہیں ہو رہا......

اب وہی پرانا کھیل......دوبارہ کھیلا جا رہا ہے......اب چند بنگالی کی بجائے......چند مولوی چند مجاہد کا......لفظ زبانوں پر......پکوایا جا رہا ہے......اوپر سے نیچے تک......یہی لفظ......ملک کا سب سے بڑا مسئلہ......بنا ہوا ہے......ملک دشمن صحافیوں نے......حکمرانوں کی اس کمزوری کو بھانپ لیا ہے......غیروں کے تنخواہ دار دانشور......اس کمزوری کا بھرپور فائدہ......اُٹھا رہے ہیں......اور ہر جگہ چند مولوی......چند مجاہد......آنکھوں کا کانٹا......نظر آ رہے ہیں......اور یوں محسوس ہو رہا ہے کہ......پاکستان کی مسجدیں......مدرسے......علماء......اور جہادی تنظیمیں......چند کمزور، بے بس اور نہتے جانور ہیں......جنہیں ختم کئے بغیر......ہمارے حکمران......نہ تو ملک میں......امن قائم کر سکتے ہیں......اور نہ معیشت کو بحال کر سکتے ہیں......اور انہیں ختم کرتے ہی......وہ امریکا اور یورپ کی آنکھوں کا تارا بن جائیں گے......ان کی حکومت کو......فوراً جمہوری حکومت تسلیم کر لیا جائے گا......اور انہیں......آب حیات پلا کر......ہمیشہ کی زندگی......اور ہمیشہ کا اقتدار......عطاء کر دیا جائے گا......اسی لئے......ملک کے لوگوں کو......ڈاڑھیاں منڈوا لینی چاہئیں......تاکہ امن قائم ہو جائے......نیکریں پہن لینی چاہئیں......تاکہ معیشت بحال ہو جائے......اور بسنت اور کرسمس منانے چاہئیں......تاکہ ملک سے غربت ختم ہو جائے......

اسی طرح......یہ تاثر بھی......عام ہو رہا ہے کہ......ملک کا دینی طبقہ......حکمرانوں کی قوت برداشت کی وجہ سے......زندہ ہے......ورنہ......وہ چاہیں تو......چند گھنٹوں میں......ساری مسجدیں، مدرسے، مولوی......اور مجاہد......ختم کئے جا سکتے ہیں......تب ملک میں......آسمانی برکتیں نازل ہوں گی......اور ہمارا ملک......یورپ کا نظارہ پیش کرنے لگے گا......

اس کے ساتھ ساتھ......حکمرانوں کو......یہ بھی سکھلایا جا رہا ہے کہ......پاکستان کا دیندار طبقہ......

برا کر مرغی کی طرح......کمزور ہے......صرف تاتاریوں کی طرح......چھری اور تلوار اُٹھانے کی ضرورت ہے......یہ لوگ......خود......اپنی گردنیں پیش کرتے جائیں گے......اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک سے......اسلام کا نام لینے والوں کا خاتمہ ہو جائے گا......اور یہ ملک......اللہ رسول کا نام لینے والوں سے......پاک ہو جائے گا......تب شراب پینے والوں کی شان میں......کوئی گستاخی نہیں کر سکے گا......فحاشی اور بے حیائی کی حفاظت کے لئے......مسلح جوانوں کو......پہرہ نہیں دینا پڑے گا......کسی پر کپڑے پہننے کی......پابندی عائد نہیں ہوگی......اذان کی آواز سے......گانا سننے والے ڈسٹرب نہیں ہوں گے......انڈیا کے کرکٹر......شہداء کی ہڈیوں سے بنائی جانے والے......پچوں پر......آسانی سے کرکٹ کھیلیں گے......اور بالی وڈ کے فنکار......اس ملک میں آنے......اور ننگا ناچنے سے......نہیں گھبرائیں گے......

یہ وہ خوبصورت نقشہ ہے......جس کے خواب ہمارے ملک کے کئی دانشور دیکھ رہے ہیں......اور اس کی خاطر رات دن ایک کر رہے ہیں......ان دانشوروں اور مشیروں نے......اب کھلم کھلا......حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو......برا بھلا......کہلوانا شروع کر دیا ہے......اور وہ حکمرانوں کو......کمال اتاترک......اور جمال عبدالناصر کے کارنامے سنا کر......مزید حوصلہ دے رہے ہیں......ان دردناک حالات کو دیکھ کر......مجھے جگر مرحوم کے وہ شعر یاد آ رہے ہیں......جو اس تحریر کے شروع میں......آپ پڑھ چکے ہیں......

کاش!......غفلت......قساوت......اور طاقت کے ناز میں ڈوبے ہوئے......اونچے محلات تک......کوئی......اصل حقیقت پہنچا دے......اور حکمرانوں کو سمجھا دے کہ......وہ......دو چار سال کی حکومت......اور کافروں کی خوشنودی میں......اتنے آگے نہ بڑھیں کہ......ایمان کی چادر......اور ملک کا امن......تار تار ہو جائے......اس ملک میں......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں......اور اسلام کے پروانوں کی کمی نہیں ہے......کسی کو شک ہے تو......وہ سوویت یونین سے پوچھے......انڈیا کی سات لاکھ آرمی سے پوچھے......اور اگر خدا توفیق دے تو......یورپ کی خوفزدہ طاقتوں سے پوچھے......کاش! کوئی......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو......بیک ورڈ لوگوں کی باتیں کہنے سے پہلے......غم اور غصے میں......تلملاتے دلوں کو دیکھے......کاش!......ایک فیصد کے دھوکے میں......اسلام پر خنجر چلانے سے پہلے......مسلمانوں کی تاریخ کو......ٹٹولے......

ہمیں معلوم ہے کہ...... مدارس اور مساجد کے لئے...... بلڈوزر تیار کئے جا رہے ہیں...... لیکن یہ بات کیوں سمجھ میں نہیں آتی کہ...... انڈیا جیسا ملک...... ایک بابری مسجد کو ہضم نہیں کر سکا...... حالانکہ وہاں کا مُسلمان...... کمزور...... اور نہتا ہے...... ہم جانتے ہیں کہ...... بہت سارے مُجاہدین کے...... قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے...... لیکن...... یہ بات کیوں نہیں سوچی جاتی کہ...... اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کا خون...... بہت کڑوا ہوتا ہے...... یہ خون آج تک...... دُنیا کو ہضم نہیں ہو سکا...... ہمیں معلوم ہے کہ...... حکومت آسانی کے ساتھ...... چند تنظیموں...... اور چند...... معروف افراد کو ختم کر سکتی ہے...... لیکن...... یہ بات کیوں نہیں سمجھی جاتی کہ...... تنظیموں کے نام...... اور معروف افراد...... اوپر کا چھلکا ہیں...... اسلام کا اصل مغز...... کسی کو معرکہ کارزار سے پہلے...... کبھی نظر نہیں آتا...... آفاق...... اور بلال کو...... دُنیا نے کب پہچانا...... اسی وقت...... جب وہ...... نہ تھمنے والا...... طوفان اُٹھا گئے......

یا اللہ......! طاقت کے ناز میں...... خود کو...... اور خدا کو بھولنے والے ہمارے حکمرانوں کو...... ہدایت نصیب فرما...... یہ اپنی ہی بچیوں کی چادروں کے محافظوں کو...... ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں...... یہ ماؤں کے آنچل...... اور بہنوں کے سہارے...... چھیننا چاہتے ہیں...... یہ قوم کو...... ان شہوت پرست...... درندوں کے حوالے کرنا چاہتے ہیں...... جن کے ہاں...... اپنی بیٹی کو برہنہ کرنا...... ترقی کے لئے لازم ہے...... کاش! یہ لوگ...... شہداء کی ماؤں...... اور غازیوں کی بہنوں کے جذبات سے...... واقف ہوتے...... کاش! یہ لوگ...... یورپ کے دباؤ تلے آنے کی بجائے...... قرآن مجید سے...... روشنی حاصل کرنے کی کوشش کرتے...... اور یہ سچ ہے کہ...... اس ملک میں اب...... اسلام کے شیدائیوں کی تعداد...... ایک فیصد نہیں...... بلکہ اسلام کے دُشمنوں کی تعداد...... محض ایک فیصد ہے...... اس ملک کے لوگ...... اسلام کی خاطر...... اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خاطر...... جان لٹانا اپنی سعادت سمجھتے ہیں...... اگر کسی کو...... شک ہو تو...... آزما کر دیکھ لے، ع

خود ترکش والے کہہ دیں گے یہ بازی کس نے ہاری ہے؟

لیکن...... یہ آزمائش...... ایٹمی آزمائش سے زیادہ خطرناک ہوگی...... یا اللہ!...... ملک کو تباہی...... اور بربادی سے بچالے...... اور انہیں حکمرانوں کو...... اسلام کا...... خادم بنادے...... یہ کفر کی خدمت کریں...... یا اسلام کی...... ایک دن...... حکومت اور جان...... دونوں سے ہاتھ دھونا ہے......

تب...... کفر کی خدمت کرنے والے...... زبردستی ڈاڑھیاں منڈوانے والے...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنے دے کر...... اُمّت کے دل پگھلانے والے...... ظاہری مصلحت کی خاطر...... ایمان چھپانے والے...... پچھتائیں گے......

اے مُسلمانو!...... تھوڑا سا غور کرو...... تم نے محض...... دیکھا دیکھی میں...... ڈاڑھیاں منڈوائیں...... اور لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ...... اس ملک میں...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وصورت سے...... محبت کرنے والے...... ایک فیصد ہیں...... اے نبی کے عاشقو! بتاؤ...... یہ کیسا عشق ہے کہ...... تمہارے ایک گناہ کی...... وجہ سے...... نبی پر طعنے کسے جا رہے ہیں...... بتاؤ...... خدارا بتاؤ......! ڈاڑھیاں مونڈ کر...... تمہیں کیا مل گیا ہے؟...... اور آئندہ کیا ملے گا؟...... اور قبر میں...... کس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا...... سامنا کرو گے......؟ کاش! تم ہی عزم دکھلاتے...... تو کسی کو...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اُڑانے کی ہمت نہ ہوتی...... تم نے اگر اسلام کو کچھ نہیں دیا تو...... اسلام کو نقصان تو مت پہنچاؤ......

یا اللہ! ہمیں یقین ہے کہ...... جو کچھ تو چاہے گا...... وہی ہوگا...... اور تیرا وعدہ ہے کہ...... تو ایمان والوں کی نصرت فرمائے گا...... اے اللہ......! ہمیں ایمان والوں کی صف میں...... شامل فرمالے...... اور ہمیں...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین...... آپ کے طریقے...... آپ کی تہذیب...... اور آپ کے ایک ایک حکم کا...... محافظ بنادے...... یا اللہ......! ہمیں اسلام دُشمن کافروں کے...... غلبے، دباؤ...... اور طور طریقوں سے...... محفوظ فرمادے...... یا اللہ! اس ملک میں...... اسلام...... اور امن کی حفاظت فرمادے...... اور جنہیں...... ایک فیصد ہونے کا...... طعنہ دیا جا رہا ہے...... ان کو...... اپنی قوت ونصرت سے...... بھاری فرمادے...... اور طعنہ دینے والوں کو...... توبہ کر کے...... انہیں کا حصہ بنادے...... آمین...... یارب الشہداء والمجاہدین......

مشرکوں سے آزادی کا راستہ

وہ ناٹے قد، خشخشی ڈاڑھی، سیاہ رنگت اور مکروہ خدوخال والا ایک فوجی میجر تھا۔ اس کی شکل اور سراپا اب تک میری نظروں کے سامنے ہے۔ وہ غالباً انڈین آرمی کے کسی خفیہ شعبے کا اہلکار تھا اس لئے ہمیشہ سول کپڑوں میں آیا کرتا تھا۔ بات بات پر غلیظ گالیاں بکنا، ہر وقت تشدد کیلئے پر تولنا اور دوران گفتگو متکبرانہ پہلو بدلنا اس کی عادت بن چکی تھی۔ ابتدا میں خالی ہاتھ آتا تھا اور تشدد کیلئے لاٹھی وغیرہ بعد میں منگواتا تھا لیکن پھر کرنٹ دینے والا ایک برقی آلہ ہمیشہ اس کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ پلاسٹک کے اس دو فٹ لمبے ڈنڈے کے ایک سرے پر لوہے کا دوشاخہ تھا، بٹن دبانے سے اس میں کرنٹ آجاتا تھا اور ہلکے ہلکے شعلے نکلتے تھے، اس آلے کے ذریعے وہ مجاہدین کو اذیت پہنچاتا تھا۔ گرفتاری کے بعد وہ مجھے کئی بار ملا اور ہر بار اس نے اپنی استطاعت کے مطابق خوب ستایا اور دل کھول کر اذیت پہنچائی۔ میں بھی اس کیلئے جھولی پھیلا کر بددعائیں کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے حضور اس موذی سانپ کے شر سے پناہ مانگتا تھا۔

گرفتاری کے بعد جب مجھے برادر محترم کمانڈر حافظ سجاد خان شہید رحمہ اللہ کے ہمراہ شریف آباد (بڈگام مقبوضہ کشمیر) کے ایک فوجی کیمپ میں منتقل کیا گیا تو وہاں تیسرے چوتھے دن اس ظالم اور بزدل آفیسر نے مجھ سے پوچھ تاچھ کی اور پہلے دن ہی گالیوں اور تشدد میں دوسرے آفیسروں سے سبقت لے گیا۔ اس تکلیف دہ ملاقات کے بعد ہفتے دو ہفتے میں اس کا ایک آدھ چکر لگتا تھا اور اس کا رویّہ پہلے سے کہیں زیادہ سخت ہوتا تھا۔ اپنے برقی آلے اور لکڑی کے ڈنڈے سے تشدد کرتے ہوئے جب اس کے دل کا مشرکانہ

بغض تشفی نہیں پاتا تھا تو وہ بے دریغ اپنے ہاتھوں کا استعمال شروع کر دیتا تھا۔

بادامی باغ کے عقوبت خانے میں اس نے سجاد شہید کو میرے سامنے اپنے منحوس اور ناپاک ہاتھوں سے تھپڑ مارے تھے۔ ہم دونوں پر اس ہتک آمیز آخری تشدد کے بعد وہ بادامی باغ کے بم دھماکے میں مارا گیا، اس کی لاش کے ٹکڑے بھی نہیں ملے اور یوں ہم نے ایک اصلی ہندو اور کالے سانپ سے نجات پائی۔

کاش! ہندوؤں کے اصلی اور مکروہ چہرے کو سمجھ لیا جائے اور اس کی غلامی پر فخر کرنے کی بجائے اس ناپاک، نجس، مردود، ظالم، دھوکے باز اور مکار و بزدل قوم سے آزادی حاصل کی جائے، ورنہ مشرکوں کی غلامی مسلمانوں سے بہت کچھ چھین چکی ہے اور جو کچھ باقی بچا ہے وہ بھی چھین لیا جائے گا۔ گھٹ گھٹ کر زندہ رہنے کا حق اور محدود دینی کاموں کی اجازت مکہ کے مشرک بھی مسلمانوں کو دینے کیلئے تیار تھے اور ہر ظالم قوم جو ہم پر حکومت کرنا چاہے گی اتنا حق ضرور دے گی لیکن ایک مسلمان کیلئے یہ کافی نہیں ہے۔ محض زندہ رہنا، وقتی امن پانا اور دین کی محدود خدمت کرنا ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ ان کے عوض مشرکوں کے اقتدار، ان کی حکومت اور حاکمیت کو تسلیم کر لیا جائے۔ کاش! غلامی پر فخر کرنے والے اور اپنے محدود اور ظاہری امن پر ڈنکے بجانے والے مسلمان اس پر غور فرمائیں اور اپنی آئندہ نسل کو مشرکوں کی غلامی کا تحفہ دینے کی بجائے ان کیلئے آزادی کے راستے ڈھونڈیں۔

کالم کے آغاز میں جس مشرک فوجی افسر کا میں نے تذکرہ کیا ہے وہ ایک بار رات کے وقت میرے سیل میں آیا۔ گالم گلوچ، تشدد اور دھمکیوں کے بعد اس نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر مجھے دیا اور کہا کہ یہ پڑھ کر سناؤ میں نے پڑھنا شروع کیا۔ وہ اُردو رسم الخط میں ہندی اور اردو الفاظ میں ایک تحریر تھی، جس میں مجاہدین کے خلاف اور انڈین فوج کے حق میں کافی باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ اس تحریر میں میری طرف سے اس بات کا اقرار درج تھا کہ میں ہندوستان میں دہشت گردی کے لئے آیا تھا، پھر میں نے یہاں کے کئی مدارس کا دورہ کیا اور وہاں جہاد کے موضوع پر تقریریں کیں، پھر میں کشمیر آیا تو میں نے مجاہدین کو عوام پر ظلم کرتے ہوئے جبکہ انڈین فوج کو کشمیری عوام کے حق میں کام کرتے ہوئے دیکھا اور مجھے یہ دیکھ کر مجاہدین سے نفرت ہوگئی کہ انہوں نے کشمیری پنڈتوں کو وہاں سے نکال کر ان کے مکانات جلا دیئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

میں نے اس فوجی افسر کے مکّوں، لاتوں اور گالیوں کے درمیان اٹک اٹک کر یہ جھوٹی عبارت

پڑھی۔ اس وقت تک مجھے چت، جتنا اور بھاشن جیسے ہندی الفاظ نہیں آتے تھے۔ جب میں اس عبارت کو پڑھ چکا تو اس نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا: ''یہ سب ٹھیک ہے یا ''گلت'' (غلط)۔ میں نے کہا اس میں اکثر باتیں غلط ہیں۔ یہ سن کر بہت غصے ہوا اور اس نے مجھے دیوار کے ساتھ گرا کر اپنا بوٹ میری ڈاڑھی اور چہرے پر رکھ دیا۔ وہ بوٹ سے میرے چہرے اور ڈاڑھی کو روندرہا تھا اور مجھ سے مسلسل یہ کہہ رہا تھا کہ یہ عبارت درست ہے یا غلط، تم نے کل کیمرے کے سامنے ہر حال میں اسے پڑھنا ہے۔ پھر وہ مجھے سوچنے کی مہلت دے کر چلا گیا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہ رات میری زندگی کی مشکل ترین رات تھی۔ میں سجدے میں گرا پڑا تھا اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے موت مانگ رہا تھا۔ میں نے اپنی دعاء میں رب تعالیٰ سے فریاد کی کہ یا اللہ! مجھے معلوم ہے کہ موت کی دعاء مانگنا درست نہیں ہے، لیکن میں اس وقت حالت اضطرار میں ہوں اور مجھ سے زبردستی جہاد اور مجاہدین کے خلاف بیان لیا جا رہا ہے، حالانکہ میری زندگی کا ایک خاطر خواہ حصہ جہاد اور مجاہدین کے حق میں بیانات کرتے ہوئے گذرا ہے۔ میں سجدے میں اللہ تعالیٰ کے حضور رورہا تھا اور دعاء کے دوران مجھے بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شاید میری موت کا وقت آچکا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ موت سے انسان کو طبعی گھبراہٹ ہوتی ہے لیکن اس رات مجھے یہ سوچ کر کہ موت آرہی ہے سکون مل رہا تھا اور میں احساس لذت سے آنکھیں بند کر لیتا تھا، لیکن موت ابھی دور تھی اور مجھے ابھی مشرکین کے بہت سارے مظالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا تھا۔

وہ تکلیف دہ رات گذر گئی، صبح کیمرے لائے گئے، لائٹیں لگائی گئیں اور مجھ سے یہ بیان پڑھوانے کی ہر کوشش کی گئی۔ ایک انسان کب تک تشدد سہہ سکتا ہے؟ گوشت سن ہو جاتا ہے اور ہڈیاں جواب دے دیتی ہیں۔ پھر بے بسی، غلامی اور مسلسل تشدد، حقارت، گالیاں انسان کے حوصلے کو توڑ دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ وہی انسان جانتا ہے جس نے یہ سارے مناظر خود دیکھے ہوں۔ لیکن ان دردناک اور مایوس کن حالات میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کمزور و ناتواں کی نصرت فرمائی اور عبارت میں لکھے ہوئے ہندی الفاظ اس خوفناک سازش کو توڑنے کا ظاہری ذریعہ بن گئے۔

تھوڑا سا سوچئے! اگر خدانخواستہ ٹیلیویژن اور انٹرنیشنل میڈیا پر یہ بیان میری طرف سے آجاتا تو کس قدر نقصان ہوتا۔ بہت سارے مسلمان یہ کہتے کہ میں (خدانخواستہ) مشرکوں کے ہاتھوں بک گیا

ہوں۔ جی ہاں! وہ ظالم لوگ جو جیل میں جہاد کے موضوع پر میری طرف سے لکھی گئی کتابوں پر شک کی انگلی اٹھاتے ہیں، حالانکہ ان کتابوں اور مضامین نے اللہ تعالیٰ کی نصرت سے جہاد اور مجاہدین کو فائدہ پہنچایا ہے اور انڈیا کے بے شمار دشمن پیدا کئے ہیں۔ یہ کتابیں اور مضامین جنہیں پڑھ کر بے شمار لوگ پکے سچے مسلمان اور مجاہد بن چکے ہیں، جب بہت سارے لوگوں کی نگاہوں میں کھٹک رہے ہیں تو اگر مذکورہ بالا بیان آجاتا تو معلوم نہیں وہ میری کیا درگت بناتے؟ اسی طرح بعض لوگ اس بیان کو آڑ بنا کر جہاد کشمیر کے شرعی ہونے پر انگلی اٹھاتے اور کہتے کہ اب تو فلاں مولانا کا فتویٰ آگیا ہے کہ مجاہدین کشمیر میں عوام کے خلاف کام کر رہے ہیں جب کہ انڈین فوج مسلمانوں کو فائدہ پہنچا رہی ہے۔ گالیوں، ڈنڈوں اور بے پناہ تشدد کے دوران لیا جانے والا یہ بیان شرعی فتویٰ سمجھا جاتا۔ وہ لوگ جنہوں نے جہاد نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے اسے بطور حجت استعمال فرماتے۔ حالانکہ میں تو قیدی تھا جب کہ انڈیا کے ظالم حکمرانوں نے وہاں کے مقامی مسلمانوں پر ایسی دہشت قائم کر رکھی ہے کہ وہ بیچارے جہاد کا نام نہیں لے سکتے، طالبان کی حمایت نہیں کر سکتے، جہادی لٹریچر کا مطالعہ نہیں کر سکتے اور مسلمانوں کی بہت ساری تحریکوں کی حمایت نہیں کر سکتے۔ انڈیا میں ہندوؤں کی دہشت گردی کا یہ عالم ہے کہ بات بات پر مسلمانوں کو شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور جو بھی تھوڑی بہت جرأت کا مظاہرہ کرے، اسے گرفتار کر کے تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔

ان حالات میں ہندوستان کے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ ایک صورت تو یہ ہے کہ جیل کے قیدیوں کی طرح روٹی، ظاہری امن، نام نہاد عافیت اور اذان و نماز اور تعلیم و تعلّم کی اجازت کو کافی سمجھ کر ہندوؤں کی غلامی کو قبول کر لیا جائے، وحید الدین خان کی طرح اس غلامی کو باعث عزو افتخار سمجھا جائے، اور مشرکوں کو کافر کہنے تک سے دستبرداری کا اعلان کر دیا جائے۔ جہاد کے نام کو اپنی زندگیوں سے نکال کر نزاکت اور بزدلی کو سعادت سمجھا جائے اور قرآن مجید کی آیات جہاد کو پرانے زمانے کے احکام قرار دے کر اس زمانے کے مجاہدین کو گالیاں دی جائیں، مشرکوں سے اپنی اسلامی کتابوں پر تحسین کے ایوارڈ لئے جائیں لفظی بحثوں کو فروغ دیا جائے اسلام کی عظمت اور سربلندی کا یہ معنی بنا لیا جائے کہ بعض مسلمانوں کو مشرکین کے ہاں تھوڑی بہت عزت اور مقام مل جائے۔ اسلام کے اہم ترین فریضے جہاد کے معنی و مفہوم کو بدل دیا جائے اور اپنے بچوں کو خرگوشوں کی طرح بزدل اور نازک اندام بنایا جائے، اور ایک ایسا نیا اسلام متعارف کرایا جائے جو مشرکوں کی غلامی کو اپنے لئے عظیم نعمت سمجھتا ہو۔

یہ وہ صورت ہے جو قوم کی بربادی اور تباہی پر منتج ہوگی اور اللہ معاف کرے ہندوستان کے اکثر مسلمان اس صورت کو تیزی سے اختیار کرتے جارہے ہیں اور انہوں نے غلامی کو اپنا مقدر سمجھ کر اپنے قلوب کو مطمئن کرلیا ہے اور اب ان میں سے آزادی کی امنگ تک ختم ہوچکی ہے، حالانکہ یہ وہ خطرناک مرحلہ ہے جو انسان کے ایمان کو برباد کردیتا ہے۔ مسلمان دنیا میں محض زندہ رہنے کیلئے نہیں آیا، زندگی تو ایک امتحان اور آزمائش ہے اور اسے اصل نعمت سمجھ لینا اور اس کی خاطر ایمان کے سودے کرنا بہت بڑی بدقسمتی ہے، اسی طرح عافیت کے مفہوم کو بھی غلط سمجھا گیا ہے۔ اگر عافیت کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں کوئی کچھ نہ کہے اور ہم دین کی خاطر کوئی کام نہ کریں، کوئی تکلیف نہ اٹھائیں تو پھر یہ عافیت تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن بھی نصیب نہیں ہوئی، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ہمیں عافیت کی دعاء سکھائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقیقی عافیت پائی ہے، لیکن آج عافیت کا مفہوم بدل دیا گیا ہے اور بزدلانہ مفاد پرست زندگی کا نام عافیت رکھ دیا گیا ہے حالانکہ اس طرح کی گندی عافیت سے مسلمانوں کو پناہ مانگنی چاہئے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کیلئے دوسری صورت یہ ہے کہ وہ زندگی، موت، روزی اور امن کے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں اور اس بات کی فکر کریں کہ وہ ایک بدترین غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں اور اس غلامی نے ان کے دین وایمان کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور وہ اس کی وجہ سے پورے دین پر عمل نہیں کرپارہے اور ان کی آئندہ نسل کا ایمان اور مستقبل شدید خطرے میں ہے۔ اس بنیادی فکر کے پیدا ہونے کے بعد آزادی کے راستے ان شاء اللہ خود بخود نکلتے چلے جائیں گے، کیونکہ آزادی کے راستے اقلیدس کے اعداد وشمار کی طرح نہیں ہوتے بلکہ یہ راستے ہمیشہ فرعون کے خوفناک لشکروں اور سمندر کی بپھری ہوئی طغیانی کے درمیان سے نکلتے ہیں۔ قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کو بار بار بیان فرمایا ہے۔ کاش! وہ لوگ جو ظاہری اسباب کے تحت تحریک آزادی کو ناکام بتاتے رہتے ہیں، اس قصے پر غور فرمائیں تو انہیں فرعون ڈوبتا ہوا اور قوم آزاد ہوتی ہوئی نظر آئے گی اور اس آزادی کی خاطر اگر کچھ لوگوں کو جان دینی پڑی تو کیا حرج ہے؟ جان ہی جائے گی جس نے بالآخر جانا ہی ہے اور جانا بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، مگر آزادی کی اس تحریک کی خاطر بہت سارے بنیادی اقدامات کرنے ہوں گے اور بہت ساری احتیاطوں کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ آج الحمدللہ! کشمیر کے مسلمانوں نے انڈیا سے آزادی کی تحریک

شروع کردی ہے اور یہ تحریک اس قابل ہے کہ اس سے آزادی کا راستہ معلوم کیا جائے اور اس تحریک کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور انڈیا کے طاقتور سامراج سے ٹکراتے ہوئے شہید ہونے والوں کو خراج عقیدت پیش کیا جائے۔

والسلام

قابل رشک گھرانے

گذشتہ چند دنوں میں کئی شہداء کرام کے خوش نصیب اور قابل رشک اہل خانہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور ان ایمان افروز ملاقاتوں کے دوران اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ الحمدللہ! اسلام کی سچی اتباع اور محبت اپنی پوری آب و تاب اور جاودانی کے ساتھ کئی گھرانوں میں زندہ ہے۔ ان گھرانوں میں قرونِ اولیٰ کے نقوش واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں اور شہداء کرام کے والدین کے تأثرات سن کر قرآن مجید کی صداقت پر یقین بڑھ جاتا ہے۔

۲۵ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ بمطابق ۲۰ اپریل ۲۰۰۱ء بروز جمعہ جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر اہتمام عارف والا میں جہادی جلسے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ عارف والا کے مسلمان جہاد کے ساتھ والہانہ محبت رکھتے ہیں اور اس علاقے میں جیش کا کام کافی منظم ہے۔ بورے والا میں قائم دینی دارے ''جامعہ قادریہ'' کے اجتماع سے فراغت کے بعد جب عارف والا کے لئے روانگی ہوئی تو رفقاء نے بتایا کہ راستے میں ایک گاؤں ستاسٹھ ای بی (ای بی۔۶۷) ہے، جہاں کے چار سعادت مند نوجوانوں نے شہادت کی انمول خلعت حاصل کی ہے اور رات جلسے سے پہلے یہاں شہداء کرام کے اہل خانہ سے ملاقات کی ترتیب رکھی گئی ہے۔

مغرب کی نماز راستے میں پڑھ کر جب اس چھوٹے سے گاؤں میں پہنچے تو شہداء کرام کے کئی رشتہ دار ایک مکان میں جمع تھے۔ بندہ نے ان کے چہروں پر سکون، طمانیت اور اظہارِ تشکر کے جو احساسات

دیکھے، وہ کراچی میں کلفٹن، ڈیفنس اور گلشن اقبال کی محل نما کوٹھیوں میں رہنے والوں کے چہروں پر بھی نظر نہیں آتے۔ یہ سارے حضرات (جن میں اکثریت سفید پوش، سفید ریش بزرگوں کی تھی) اپنے لختِ جگر راہِ حق میں کٹوانے پر بے حد مسرور و شاداں تھے اور اپنی دوسری اولاد کو جہاد میں بھیجنے کا عزم رکھتے تھے۔ اس مختصر سی ایمانی مجلس میں بہت ساری محبت بھری باتیں ہوئیں۔ تمام بزرگوں نے نہایت والہانہ انداز میں مجاہدین کا ان کی بستی میں آنے پر شکریہ ادا کیا اور اسے اپنے شہید بچوں کی بدولت ملنے والی ایک سعادت قرار دیا اور اس بات کا اصرار بھی کیا کہ اس بستی کے اور کئی نوجوان جانے کے لئے تیار ہیں، اس لئے یہاں کے لئے مستقل جلسے کا اہتمام کیا جائے۔ مجلس میں موجود ایک معمر بزرگ نے ہمارے کئی اکابر کی محفلوں کا لطف اُٹھایا ہوا تھا۔ انہوں نے ان محفلوں کا تذکرہ چھیڑا اور آج کی محفل کو یادگار قرار دیا۔

آخر میں دُعاء ہوئی اور ہم اس بستی سے روانہ ہو گئے اور میرا یہ احساس اور مضبوط تر ہو گیا کہ کچے گھر اور غریب گھرانے قربانی کے معاملے میں زیادہ آگے جا رہے ہیں جبکہ کوٹھیاں اور محلات بہت پیچھے رہ گئے ہیں، بلکہ بہت نیچے گر گئے ہیں۔ کاش! کوٹھیوں والے غور کریں اور ان کچے مکانات کو رشک کی نگاہ سے دیکھیں جہاں سے اللہ تعالیٰ خریداری فرماتا ہے۔ کوٹھیوں اور محلات میں اگر صرف میوزک بجتا رہا، فلمیں چلتی رہیں، عزتیں برباد ہوتی رہیں اور بے غیرتی، بزدلی اور کم ہمتی پلتی رہی تو یہ کوٹھیاں اور محلات قیامت کی طرح دُنیا میں بھی عار بن جائیں گے۔ کاش! اپنے خون پسینے کی کمائی سے اپنے بچوں کو غفلت زدہ کوٹھیاں خرید کر دینے والے ان بچوں کے ایمان اور مستقبل کی فکر کریں اور ٹھنڈے کمروں میں ان کی غیرت کو منجمد ہونے سے بچائیں، ورنہ اللہ تعالیٰ اور اس کا دین کسی کا محتاج نہیں ہے۔ مالدار غافل ہوں تو یہ دین غریبوں کے سر کا تاج بن جائے گا۔ بڑے گھر غافل ہوں گے تو یہ دین کچے مکانوں میں بسیرا کریگا۔ ماضی میں بھی مدینہ کے چھوٹے اور کچے گھروں سے اس دین کی مہکار اور یلغار اُٹھی اور قیصر و کسریٰ کے محلات زیرنگیں ہو گئے۔ ستاسٹھ ای بی گاؤں کے مسلمان مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بستی کو چار شہداء سے نوازا ہے۔ اللہ کرے یہ پوری بستی جہاد کا مرکز اور یہاں کا ہر گھر دین کے لئے قربانی دینے والا بن جائے۔

اسی طرح گذشتہ کل یعنی ۲ صفر ۱۴۲۲ھ بمطابق ۲۷ اپریل ۲۰۰۱ء بروز جمعۃ المبارک تین شہداء کرام کے گھروں میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ بندہ ضلع گوجرانوالہ کے علاقے ''نوشہرہ ورکاں'' میں

جمعہ کے ایک تاریخی اجتماع سے بیان کے لئے جب اسٹیج پر پہنچا تو مجھے نوید حسن شہید کی والدہ کا خط ملا، جس میں انہوں نے نہایت اصرار کے ساتھ اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔ جمعۃ المبارک کے بعد علماء کرام کی نشست تھی۔ اس نشست کے بعد ہمارا قافلہ نوید حسن شہید کے گھر پہنچا تو یہ چھوٹا سا مکان مجاہدین کے استقبال کے لئے تیار تھا۔ دودھ اور مٹھائی کے ذریعے مجاہدین کی تواضع کی گئی۔ شہید کی والدہ محترمہ اور ان کی بہنوں نے جہاد فنڈ کے لئے رقم عطاء فرمائی اور اپنے مبارک جذبات کا اظہار فرمایا۔ مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ نوید شہید رحمہ اللہ اپنی والدہ کا اکلوتا بیٹا اور اپنی تین بہنوں کا اکیلا بھائی تھا، مگر اس عظیم ماں نے اسے خوشی خوشی سوئے مقتل بھیجا تا کہ رب کو راضی کر سکے۔ اللہ اکبر! کس قدر عظیم قربانی ہے! اولاد والے جانتے ہیں کہ اکلوتے بیٹے کی کیا قدر و منزلت ہوتی ہے اور وہ کتنے ناز اور لاڈ سے پالا جاتا ہے، مگر دور حاضر کی اس ماں نے دُنیا پرستی کے کسی گندے خیال کو اپنے راستے کی رکاوٹ نہیں بننے دیا اور اپنے بیٹے کے لئے جنت کی حوروں کو بہو بنا کر دم لیا۔ پھر یہی نہیں بلکہ جہاد پر مال خرچ کرنے کا سلسلہ بھی جاری ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اُنہوں نے اپنی بچیوں کی شادی صرف اور صرف مجاہدین کے ساتھ کرنے کے عزم کا اظہار کیا اور ارشاد فرمایا کہ میری تمنا ہے کہ نکاح آپ پڑھائیں۔ میں نے شہید کی والدہ محترمہ کی خدمت میں ''ماہنامہ بنات عائشہ'' پیش کیا اور ان سے تمام مجاہدین کے لئے دُعاؤں کی درخواست کی۔

مغرب کی نماز کے بعد ہمارا قافلہ اپنے ایک اور محبوب شہید ساتھی بھائی محمد سعید شہید کے گاؤں روانہ ہوا۔ مولوی محمد سعید باب العلوم کہروڑ پکا میں موقوف علیہ کے طالب علم تھے۔ وہ کچھ عرصہ میرے محافظ دستے میں بھی رہے اور کافی عرصہ انہوں نے مجاہدین کی تربیت بھی کی یعنی معسکر کے استاذ رہے۔ وہ ایک نیک صفت، بہادر اور متقی مجاہد تھے۔ زہد اور ورع ان کے ایک ایک عمل سے ٹپکتا تھا۔ بندہ نے کچھ عرصہ انہیں کراچی میں تربیت کے لئے بھجوایا تو دس ماہ کے عرصے میں صرف پانچ سو روپے انہوں نے قبول کئے۔ معسکر میں تربیت کے دوران انہوں نے محاذ پر تشکیل کروائی اور قندوز کے ایک گرم معرکہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ بندہ جب ان کے گاؤں فقیراں والی تحصیل ڈسکہ پہنچا تو ایک بڑا جم غفیر مجاہدین کا منتظر تھا۔ شہید کے بھائیوں نے تمام مجاہدین کا اکرام کیا اور شہید کی والدہ نے پردے میں سے مجھے خود مبارکباد دی۔ ان کے پُرسکون اور مسرت آمیز لہجے کو سن کر میں بہت خوش ہوا، مگر جب اُنہوں نے اپنے ایک اور بیٹے کو پوری زندگی کے لئے جہاد میں وقف کرنے کا اعلان کیا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ آج جبکہ ہر

انسان زندہ رہنے کے شوق میں مرا جا رہا ہے اور قوم کی عورتیں اپنے بچوں کو بزدل اور دُنیا پرست بنا رہی ہیں۔ اس دُنیا اور اسی ماحول میں رہنے والی یہ خاتون اپنے بیس سالہ عالم دین بیٹے کی قربانی دینے کے بعد اب اپنا ایک اور لختِ جگر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر رہی ہے۔ واقعی اسلام زندہ ہے اور یہ زندہ رہے گا۔ دُنیا جہاں بھی چلی جائے اور لوگوں کے حالات کتنے خراب کیوں نہ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کے سچے عاشق اور دین اسلام کے سچے شیدائی ہر زمانے میں رہتے ہیں اور دُنیا کو یہ سمجھاتے ہیں کہ تم لاکھ بہانے بنالو، لاکھ عذر گھڑ لو، لاکھ مجبوریاں بتاؤ، اسلام پر عمل اب بھی ممکن ہے، بلکہ بہت بڑی سعادت ہے۔ کاش! اپنے بیٹوں کو بزدل بنانے والی مائیں اور مال کی خاطر اپنے بیٹوں کا کافر بنانے والی عورتیں کچے گھر میں رہنے والی سعید شہید کی والدہ سے سبق سیکھیں۔

بہت ساری دُعائیں، نیک تمنائیں اور دینی جذبے لے کر ہم رات کی تاریکی میں اس گاؤں سے باہر نکل رہے تھے اور میرا دل یہ کہہ رہا تھا کہ گاؤں اب بھی شہروں سے آگے ہیں۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے ہمارا قافلہ لاہور پہنچا، جہاں ہم نے اپنے محبوب ساتھی، بھائی فیضان احمد پاملا شہید رحمہ اللہ کے گھر حاضری دی۔ اس حاضری کا تذکرہ اور تاثرات ان شاء اللہ پھر کسی مجلس میں عرض کروں گا۔ ممکن ہے اس وقت تک پاملا شہید رحمہ اللہ کے باقی دو رفقاء، بھائی حذیفہ شہید اور بھائی ابوطلحہ شہید رحمہ اللہ کے خوش نصیب اہل خانہ سے ملاقات نصیب ہو جائے۔ ان شاء اللہ۔

والسلام

پہلی قسط

وہ لکھنؤ سے بالاکوٹ...... تشریف لائے...... یہاں اسلام اور جہاد کی...... شمع روشن فرمائی......اور بالآخر......سالہا سال کی انتھک...... اور جان توڑ محنت سے...... تیار ہونے والا...... پورا ایمانی قافلہ ...... بالاکوٹ کے پتھروں پر...... رب کی رضا کے لئے...... ذبح کروادیا...... بظاہر تاریخ کا ایک باب مکمل ہوا...... لیکن درحقیقت...... یہ ایک نئے باب کا...... آغاز تھا...... کیونکہ...... شہادت بظاہر...... انتہا نظر آتی ہے...... لیکن درحقیقت...... وہ ابتدا ہوتی ہے...... ایک عظیم زندگی کی...... ایسی زندگی...... جس کے آثار......دور دور تک پہنچتے ہیں...... دیکھنے والوں نے دیکھا کہ...... لکھنؤ کے علاقے......رائے بریلی سے اُٹھنے والی عظیم جہادی تحریک...... بالاکوٹ تک پہنچ کر...... ختم ہوگئی...... لیکن...... ایسا نہیں ہوا ...... بلکہ...... اس تحریک نے...... بالاکوٹ میں آکر...... اپنا مرکز کھول لیا......اور شہادتوں کے ذریعے ......اس تحریک کو نئی زندگی ملی......

آنکھوں والے دیکھ رہے ہیں کہ...... بالاکوٹ میں...... آج نہ کوئی سکھ ہے......اور نہ کوئی گوردوارہ...... نہ انگریزی راج ہے......اور نہ کافروں کی عبادت گاہیں......شہداء بالاکوٹ کے خون نے...... اس علاقے کو...... پاک کردیا...... بالکل صاف کردیا...... پھر یہاں سے...... بڑے بڑے......علماء ......اتقیاء...... صلحاء......اور محدثین پیدا ہوئے...... بالاکوٹ ہی کیا......سرزمین ہزارہ......بلکہ...... پورا سرحد...... ایمانی نور سے...... منور ہوا...... وقت کے عظیم اکابر...... یہاں سے اُٹھے......اور آسمان

علم کا......سورج بن کر چمکے...... جب بھی اور جہاں بھی...... جہاد کی کوئی تحریک اُٹھی...... بالاکوٹ، ہزارہ ......اور سرحد کے مُسلمان...... ہمیشہ ہراول دستے کے طور پر...... نظر آئے...... بالاکوٹ کا نام اور لفظ جہاد کی پہچان بن گیا......اس شہر کا نام زبان پر آتے ہی......ان شہداء کی یاد......دل کو گرماتی ہے......جو بالاکوٹ سے...... بالاخانوں تک پہنچے......اس جہاد کی یاد ایمان کو...... جلا بخشتی ہے...... جس کا نور...... لکھنؤ......سندھ...... بلوچستان، افغانستان سے ہوتا ہوا...... بالاکوٹ کے اُفق پر...... پوری تابانی سے چمکا......ان تھکاوٹوں کی یاد...... دل میں ہمت پیدا کرتی ہے...... جو وقت کے......اولوالعزم مُجاہدین نے...... برداشت کیں......اور بالآخر وہ...... بالاکوٹ کے حسین، ٹھنڈے،......اور دلکش علاقے میں ......اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی صورت میں...... ختم ہوئیں......

بالاکوٹ کو...... یہ سارے اعزازات...... لکھنؤ سے آنے والے...... مُجاہدین کی بدولت...... نصیب ہوئے......اور ان اعزازات کا سلسلہ جاری ہے...... امت مسلمہ کے...... قابل قدر لوگ...... بالاکوٹ کی زیارت کے لئے...... دور دراز ملکوں اور علاقوں سے...... آتے ہیں...... حضرات محدثین ......اور فقہاء...... یہاں پر اپنے طلبہ کو لاکر...... علم و جہاد کا...... سنگم سمجھاتے ہیں...... امت کے مشہور ترین...... اصحابِ قلم...... بالاکوٹ پر...... بیسیوں کتابیں......اور قصیدے...... لکھ چکے ہیں اور ان جذبات آفریں تحریروں کا سلسلہ...... ابھی تک جاری ہے......اور ان شاء اللہ تاقیامت...... جاری رہے گا...... سبحان اللہ!...... آج کا مُسلمان...... شہادت کو موت سمجھتا ہے...... حالانکہ...... شہادت وہ زندگی ہے...... جس کی گواہی پتھر......اور درخت بھی دیتے ہیں...... بالاکوٹ کو...... کون جانتا......اور کون پہچانتا؟ اگر اسے شہداء کرام کے ساتھ...... نسبت نہ ہوتی...... اونچے پہاڑ......اور سرسبز جنگلات دُنیا میں اور بھی ہیں...... لیکن...... بالاکوٹ کے نام میں...... جو کشش...... حلاوت...... غیرت اور زندگی...... نظر آرہی ہے...... یہ سب شہادت کا نور ہے...... جو صدیاں گزرنے کے باوجود...... ابھی تک...... ماند نہیں پڑا...... بلکہ...... ہر آئے دن...... اس نور میں اضافہ...... ہو رہا ہے...... شہداء بالاکوٹ...... مُسلمانوں کے لئے...... ایک سند بن چکے ہیں...... برصغیر کا جھگڑالو ماحول بھی...... شہداء بالاکوٹ کی...... عظمت پر مٹی نہیں ڈال سکا...... بلکہ ہر فرقہ...... ان سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے......اور کھینچ تان کر ہی سہی...... اپنی نسبت......ان سے ضرور...... جوڑتا ہے......

کوئی سوچے کہ..... معرکہ بالاکوٹ میں..... سکھوں کو فتح ہوئی تھی..... اور ایمانی لشکر..... بظاہر
..... شکست کھا چکا تھا..... اہل ایمان کا قافلہ..... سکھوں کی یلغار کے سامنے..... آخری معرکے میں
..... تڑپتی لاشوں کی صورت..... اختیار کر چکا تھا..... جی ہاں!..... سید احمد شہید..... بلکہ سید بادشاہ کا
قافلہ..... کٹے اعضاء..... اور بکھری لاشوں میں..... تبدیل ہو چکا تھا..... راتوں کو..... سجدے میں
..... جھکنے والے سر..... کٹ چکے تھے..... رب کے سامنے..... جھکنے والی جبینیں..... خاک آلود تھیں
..... سکھوں کا لشکر..... خوش وخرم تھا..... لیکن..... آج بالاکوٹ میں..... سکھوں کا نام ونشان تک.....
نہیں ہے..... بلکہ اگر..... غلطی سے..... کوئی سکھ یہاں آ گیا تو علاقے کے پتھر اور جانور بھی اس پر
نفرت برسائیں گے جبکہ..... شہداء کرام..... نہایت عزت واحترام کے ساتھ..... یہاں جانے..... اور
پہچانے جاتے ہیں..... آج بھی..... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ..... علاقے پر..... سید احمد شہید اور..... شاہ
اسمٰعیل شہید کی..... حکومت ہے..... ہر کوئی ان سے..... پیار کرتا ہے..... اور ان کا نام لے کر..... اپنے
دلوں کو..... جذبۂ جہاد سے..... منور کرتا ہے.....

ممکن ہے..... معرکہ بالاکوٹ کے زمانے میں..... کسی نے کہا ہو کہ..... سید احمد شہید کے قافلے کو
شکست ہوئی ہے..... اور وہ اپنے ہدف کو نہیں پا سکے..... اتنی قیمتی جانیں..... کچھ حاصل کئے بغیر..... ختم
ہو گئیں..... لیکن..... آج کوئی بھی..... ایسا کہنے کی ہمت نہیں رکھتا..... کیونکہ..... وقت نے ثابت کر دیا
کہ..... ان حضرات کا..... بالاکوٹ تک..... پہنچ جانا..... جہاد کی نیت سے..... علاقوں پر علاقے
عبور کرنا..... زندگی کے آخری ایام تک..... جہاد کی دعوت..... اور جہاد کے عمل کے ساتھ وابستہ رہنا
..... جہاد کی خاطر..... رائے بریلی جیسا..... روحانی ماحول چھوڑنا..... مجاہدین کو تیار کرنا..... مجاہدین کا
ایک امیر کے ہاتھ پر بیعت کرنا..... اس امیر کی اطاعت میں..... کافروں کا مقابلہ کرنا..... اور بالآخر بالا
کوٹ پہنچ کر..... شہید ہونا..... یہی ان حضرات کی..... عظیم کامیابیاں تھیں..... اور ان کامیابیوں کے
اثرات..... اور آثار..... آج تک..... محسوس کئے جا رہے ہیں..... بے شک..... اللہ تعالیٰ کے راستے
میں نکلنا..... اور سر کٹوانا..... یہی..... بہت بڑی کامیابی ہے..... خواہ ظاہری طور پر فتح ہو یا شکست.....
اپنے نفس کو جہاد پر آمادہ کرنا اپنی جان..... اور مال اللہ تعالیٰ کو بیچنا..... اور پھر شہادت پالینا..... **ذلک هو الفوز المبين** ..... بے شک یہ..... بالکل ظاہر..... واضح..... سمجھ میں آنے والی..... اور دل کو

سکون بخشنے والی..... کامیابی ہے..... حضرات شہداء بالاکوٹ نے..... یہ کامیابی حاصل کی..... آج.....
پورا بالاکوٹ..... ہزارہ..... سرحد..... اور افغانستان..... ان حضرات کا شکر گزار ہے..... ان حضرات کا
ممنون ہے..... کیونکہ..... ان کے مقدس خون کی بدولت..... ان علاقوں کو..... ایمان..... جہاد
..... اور غیرت کا..... نہ بھولنے والا..... سبق ملا..... اور ان علاقوں کی عزت کو..... چار چاند لگے.....

لیکن..... خود..... لکھنؤ کا کیا بنا؟..... جی ہاں!..... وہی لکھنؤ..... جس کے ایک چھوٹے سے
علاقے..... رائے بریلی سے..... حضرت سید احمد شہید..... امیر المجاہدین..... اور پھر امیر المؤمنین بن کر
اُٹھے..... اور دیکھتے ہی دیکھتے..... آسمان جہاد پر..... سورج کی طرح چمکنے لگے..... ان کے ارد گرد
خاندان ولی اللّٰہی کے..... خوبصورت..... اور روشن ستارے..... جمع ہو گئے..... اور پھر وہ قافلہ سخت جان
وجود میں آیا..... جس قافلے کی..... یلغار..... ابھی تک زندہ ہے..... وہ لکھنؤ..... جہاں سے..... جہاد کا یہ
سورج..... طلوع ہوا تھا..... آہستہ آہستہ..... تاریکی میں ڈوبتا گیا..... ایک زمانہ تھا..... وہاں سے مجاہدین
نکلے تھے..... مگر اب وہاں سے..... جہاد کو نکال دیا گیا ہے..... حضرت سید احمد شہید کا خاندان لکھنؤ پر
مسلط ہونے والے ان خوفناک اور مہیب اندھیروں..... کے خلاف..... لڑتا رہا..... جھگڑتا رہا..... مگر
اندھیرے زیادہ تھے..... اور امید کی آخری کرن..... ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو..... جمعہ کے دن اس وقت..... دم
توڑ گئی..... جب..... اس جہادی خانوادے کا..... آخری مجاہد..... دُنیا کو چھوڑ گیا..... جی ہاں!..... حضرت
سید احمد شہید کی فکر کے..... بے باک..... جری..... اور بہادر ترجمان..... حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی
..... دُنیا سے رخصت ہو گئے..... وہ مسلسل..... اندھیروں کے خلاف..... لڑ رہے تھے..... ان کے جانے
سے..... لکھنؤ کی بزم ایمان..... رو رہی ہے..... بچوں کی طرح بلک رہی ہے.....

حضرت سید احمد شہید کے بعد..... لکھنؤ پر کیا کچھ بیتا..... ؟ یہ داستان..... بہت دردناک..... اور
طویل ہے..... محترم قارئین! صرف..... ماضی قریب پر..... نظر ڈالیں تو..... دل خون کے آنسو روتا ہے
..... لکھنؤ کے علاقے..... فیض آباد میں قائم..... بابری مسجد..... شہید کر دی گئی..... ہاں!..... اس مجاہد
اعظم کے علاقے میں..... یہ ظلم ہوا..... جس نے..... رائے بریلی سے لے کر..... قندھار تک..... اور
قندھار سے لے کر..... بالاکوٹ تک..... مساجد کو آباد کیا تھا..... اسی مردِ حُر کے علاقے کی..... ایک
مسجد..... امت مسلمہ کی بے حسی کا شکوہ کرتی ہوئی..... شہید کر دی گئی اور اس کے سینے پر..... مندر بنا دیا

گیا..... لکھنؤ کا پورا علاقہ ...... متعصب ہندوؤں ..... اور بی جے پی کا ..... گڑھ بن گیا..... کچھ عرصہ پہلے
..... لکھنؤ کے معروف علمی ادارے ..... ندوۃ العلماء پر ..... مشرکین نے چھاپہ مارا..... اور علم وعلماء کے
تقدس کو..... پامال کرنے کی کوشش کی..... ان حالات میں لکھنؤ نے ..... رب کے حضور ..... اپنا درد پیش
کیا..... اور بالاکوٹ کی سرزمین سے ..... شکوہ کیا..... ایک زمانہ تھا..... جب میری گود سے اٹھنے والے
..... سید احمد شہید نے ..... دنیا کو ..... جہاد کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا تھا..... آج ..... مجھے ..... مجاہدین کی
ضرورت ہے..... لیکن ..... یہاں ..... جہاد کا نام لینا جرم ہے ..... یہاں ..... کوئی بھی ..... جہاد کی
بات نہیں کرتا..... مجھ سے بابری مسجد کو..... چھینا گیا..... میری گلیوں میں ..... علم دین کے تقدس کو مٹایا
گیا..... اب میرا کیا بنے گا؟..... میں تو اپنا اثاثہ ..... بالاکوٹ بھیج چکی ہوں ..... کیا بالاکوٹ میرے
احسان کا بدلہ نہیں دیگا؟......

لکھنؤ کے اس شکوے کو سن کر ..... بالاکوٹ کے ایمانی مدرسے میں ..... تربیت پانے والے .....
مجاہد مچل اٹھے ..... اور انہوں نے ..... شہدائے بالاکوٹ کے ..... احسان کا بدلہ دینے کی ٹھانی ..... ایک
زمانہ تھا..... جب بالاکوٹ کی سرزمین پر ..... حضرت سید احمد شہید ..... اور ان کے رفقاء کی ..... لاشیں
جگہ جگہ بکھری پڑی تھیں..... اور اب ..... وقت آگیا کہ ..... بالاکوٹ سے اٹھنے والے ..... جیش محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کے ..... تین جانبازوں ..... کی لاشیں لکھنؤ کی زمین پر ..... خون آلود ..... بکھری پڑی ہیں .....
حضرت سید احمد شہید ..... کی طرح ..... یہ تینوں بھی ..... اپنے ہدف کو پانے سے پہلے شہید ہوگئے ..... لیکن
ان کا لکھنؤ تک پہنچنا..... اور رب کی رضا کیلئے ..... جانوں کا نچھاور کرنا..... وہ عظیم کام ہے..... جوان شاء
اللہ! لکھنؤ کو ..... بالاکوٹ بنادے گا ..... پیارے اور دلیر بھائی حذیفہ! ..... تمہارا شکریہ ..... تم نے
..... مسلمانوں کی لاج رکھ لی ..... اور پوری قوم کو..... رسوا ہونے سے بچالیا ..... پیارے طلحہ! ..... پیارے
پاملا! ..... تمہارا بھی شکریہ ..... تم نے اپنے گرم خون سے شہدائے بالاکوٹ کے مشن کو..... خود ان کی سرزمین
تک ..... پہنچادیا..... اے لکھنؤ! گواہ رہنا..... ہم نے ..... تمہارے احسان کا ..... بدلہ چکانے کیلئے ......
پہلی قسط ادا کردی ہے ..... کل تمہاری طرف سے ..... آنے والے ..... شہدائے کرام نے ..... ہماری
سرزمین کو پاک کیا تھا..... اور آج ہماری طرف سے ..... جانے والے ..... شہدائے کرام نے ..... تمہاری
زمین کو..... پاک کرنے کیلئے ..... قربانی پیش کردی ہے ......

یا اللہ! ..... اس قربانی کو قبول فرمالیجئے ..... ہماری طرف سے ..... ادا کی گئی ..... اس پہلی قسط کو.....
لکھنؤ میں ..... بڑی ایمانی تبدیلی کا ..... ذریعہ بنادیجئے ..... بے شک آپ نے ہی ..... شہدائے بالاکوٹ
کی برکت سے ..... بالاکوٹ کو پاک کیا ..... اب آپ ہی شہدائے لکھنؤ کی برکت سے ..... بابری مسجد
دوبارہ دے دیجئے ..... اور لکھنؤ ہی کیا ..... پورے برصغیر کو پاک کردیجئے ..... یا اللہ! ..... ہمارے پاس
..... جو قیمتی سرمایہ تھا ..... وہ ہم نے ..... تیری ہی توفیق سے ..... پیش کردیا..... ہمارا حذیفہ ایک نایاب
..... اور انمول جہادی موتی تھا..... اور ابوطلحہ ..... اور پاملا بھی ..... تیرے سچے عاشق تھے ..... یا اللہ! آپ تو
..... قدردان ہیں ..... آپ نے جس طرح ..... شہدائے بالاکوٹ کی ..... قدر فرمائی ..... اور ان کے ظاہری
ہدف سے زیادہ ..... انہیں ثمرات بخشے ..... اسی طرح آپ ..... شہدائے لکھنؤ کی بھی ..... قدردانی فرمائیں
..... اور اس علاقے کو ..... مشرکوں کے ناپاک وجود سے ..... پاک فرمادیں ......

جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم ..... اپنے تین جانبازوں کی ..... لکھنؤ میں شہادت پر ..... غمگین ضرور ہے
..... لیکن ..... اس بات پر اطمینان ہے کہ ..... اس نے ..... حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی .....
سرزمین ..... اور بابری مسجد کو نہیں بھلایا ..... **والحمد للہ علیٰ ذلک.**

والسلام

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا فیض

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ..... ان لوگوں میں سے تھے..... جن کا تذکرہ انسان کو..... بہت کچھ سکھاتا ہے..... کئی بڑے راز..... سمجھاتا ہے..... مادہ پرستی کی آپا دھاپی میں..... اس عظیم صحابی کا تذکرہ ان حقائق سے..... پردہ اٹھاتا ہے..... جو آج..... جہالت اور غفلت کے شور میں..... دب چکے ہیں.....۔

آپ کا نام..... عامر بن عبداللہ بن الجراح تھا..... آپ مکی بھی تھے..... اور قریشی بھی..... قد لمبا..... اور جسم نحیف تھا..... مگر اس..... نحیف جسم میں..... شجاعت اور بہادری کی بجلی..... اور امانت کا نور..... بھرا ہوا تھا..... آج خود کو..... اول کہنے والوں کی..... بھرمار ہے..... جبکہ..... حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ..... ان لوگوں میں سے تھے..... جنہیں قرآن مجید نے..... ''**السابقون الأولون**'' ..... میں شمار کر کے وہ قطار قائم کردی ہے..... جو قیامت تک..... معیار حق ہے..... جو ان ایمان میں سبقت کرنے والوں..... اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں..... پہل کرنے والوں کے..... پیچھے کھڑا..... ہوتا جائے گا..... وہ صراط مستقیم پر گامزن رہے گا..... اور جو بدنصیب اس قطار سے الگ ہوگا..... یا اس قطار کی..... سیدھ درست رکھنے والے..... پہلوں پر..... تنقید کرے گا..... وہ..... صراط مستقیم کی گرد کو بھی..... نہیں پاسکے گا.....۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ..... بہت وجیہ تھے..... اور آپ کا چہرہ..... پرنور ہی نہیں..... بہت پرکشش بھی تھا..... مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ..... چہرے کی یہ کشش..... حسن کے ظاہری

اصولوں کی وجہ سے نہیں تھی..... بلکہ..... ظاہری اصولوں کے برخلاف..... سامنے کے دو دانتوں کے ٹوٹنے کی وجہ سے..... آپ کے چہرے پر..... حسن و جمال کا نور..... امڈ آیا تھا..... غزوۂ اُحد کے موقع پر..... محسن کائنات..... حضرت محمد مصطفیٰ..... احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم..... زخمی ہوئے تھے..... جی ہاں! کائنات کی..... سب سے عظیم ہستی..... اور مخلوق کے..... سب سے افضل انسان نے..... فریضۂ جہاد کی..... ادائیگی کے دوران..... اس معرکہ حق و باطل میں..... زخم کھائے تھے..... کاش! اُمت مسلمہ کو..... یہ منظر یاد رہے..... تب جہاد کے خلاف..... کوئی وسوسہ..... دل میں جگہ نہیں پاسکتا..... نام نہاد عافیت کی خاطر..... کافروں کی غلامی گوارا کرنے والے..... اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کو..... یاد رکھیں تو..... تڑپ کر..... میدانوں میں..... کود پڑیں..... جنگ کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکمل جنگی لباس میں تھے..... آپ کے سر مبارک پر لوہے کا خود تھا..... اس پر لگی ہوئی کڑیاں..... چہرہ مبارک میں..... گھس گئیں..... حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ..... یہ منظر دیکھ کر..... بے قرار ہوگئے..... آپ نے..... ان کڑیوں کو..... اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچا کڑیاں نکل آئیں..... مگر..... دانت ٹوٹ گئے..... ابوعبیدہ کو یہ قابل رشک..... سعادت مل گئی کہ..... ان کے..... قیمتی دانت..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر..... قربان ہوگئے..... بارگاہ نبوت سے..... ''امین الامۃ'' کا لقب ملا تھا..... حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں..... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا..... ''ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں''..... یہی نہیں..... بارگاہ رسالت سے..... آپ کو..... وہ تزکیہ..... اور سند ملی جس پر..... قیامت تک..... سوائے رشک کے..... اور کچھ نہیں کیا جاسکتا ہے.....۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا..... ''ابوعبیدہ کے سوا میں تم میں سے..... ہر شخص کی بعض عادات پر..... پکڑ کرسکتا ہوں''..... اللہ اکبر!..... کتنی بڑی سند ہے..... گویا کہ..... حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے..... اپنے تمام اخلاق..... اطوار اور عادات کو شریعت کے مطابق یوں ڈھال لیا تھا کہ..... شریعت کی امانت..... آپ کے..... ہر قول و فعل سے..... چھلکتی تھی..... اور آپ..... نظر نبوت میں..... اچھی طرح..... جچ چکے تھے..... انہیں صفات کی بدولت..... آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے..... محبوب..... اور آپ کے صحابہ کے..... معتمد تھے..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد..... خلافت

کے لئے...... جن اشخاص کی طرف...... نگاہیں اٹھ رہی تھیں...... ان میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ...... سرفہرست تھے...... بلکہ...... حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ...... فرمایا کرتے تھے...... اگر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ موجود ہوتے...... تو میں ان کو...... اپنا جانشین بنادیتا......

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی جھولی نے...... اور بھی...... بہت سارے فضائل جمع کیے...... مگر آپ کا...... اصل میدان...... جہاد فی سبیل اللہ رہا...... آپ...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ...... تمام مشہور غزوات میں...... شریک رہے...... اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے...... ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں...... کئی سریے بھی روانہ فرمائے...... تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی...... ''سریہ عنبر'' کے واقعہ کو جانتا ہے...... جب...... سمندر نے مجاہدین کی ضیافت کے لئے...... ایک بڑی مچھلی...... اٹھا کر کنارے پر پہنچادی تھی...... اور اس مچھلی کا گوشت...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی...... تناول فرمایا تھا...... اس جہادی لشکر کی کمان...... بہادری...... امانت...... اور تواضع کے پیکر...... حضرت ابوعبیدہ بن الجراح فرما رہے تھے...... روایات میں آتا ہے کہ...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے...... پوچھا گیا...... مردوں میں آپ کو زیادہ محبوب کون ہے؟...... مختلف روایات کے مطابق...... ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو...... کبھی دوسرا...... اور کبھی...... تیسرا نمبر ملتا تھا...... اللہ اکبر!...... وہ فہرست جس میں...... کروڑواں نمبر ملنا بھی...... عظیم سعادت ہے...... اس میں...... دوسرا یا تیسرا نمبر...... کتنا بڑا اعزاز ہے؟...... یہ سارے اعزاز...... پانے کے باوجود...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے...... تشریف لے جانے کے بعد بھی...... ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا رخ...... میدان جہاد کی طرف رہا...... آپ...... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ...... اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں...... مسلمانوں کے...... جنگی سالار رہے...... تاریخ کی مشہور جنگیں...... آپ کی کمان میں...... لڑی گئیں...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں...... حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جگہ...... آپ کو...... مسلمانوں کا...... کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا...... ناول نگاروں کی...... ہرزہ سرائی کے برخلاف...... آپ اعلیٰ عسکری صلاحیتوں سے مالا مال رہے...... میدان جنگ میں...... اپنے سے طاقتور دشمن کی...... سرکوبی کے ساتھ ساتھ...... آپ پیچھے رہ جانے والوں کو...... دعوت جہاد...... اور ساتھ چلنے والوں کو...... دعوت اصلاح دینا...... اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے......

معرکۂ شام کے دوران...... ایک بار...... آپ سخت محاصرے میں آگئے...... اور دشمن کو...... وقتی غلبہ ملنے لگا...... اس موقع پر...... امیر المومنین...... حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے...... انہیں تسلی کا خط لکھا...... جس میں ارشاد فرمایا:...... ''ایمان والوں پر...... جب بھی مشکل وقت آتا ہے...... اللہ تعالیٰ...... اس کے بعد...... آسانی فرماتے ہیں...... اور ہر تنگی کے ساتھ...... دوبارہ کشادگی آتی ہے......'' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے...... اس خط کے جواب میں...... قرآن مجید کی آیت...... ''إنما الحيوة الدنيا لعب ولهو......'' لکھ بھیجی...... کہ دنیا کی زندگی...... آخرت کے مقابلے...... میں...... ایک کھیل تماشے سے بڑھ کر نہیں ہے...... بظاہر...... اس آیت کا...... موضوع سے تعلق...... معلوم نہیں ہوتا...... لیکن...... حضرت عمر...... کلام شناس تھے...... جب یہ خط آپ کے پاس پہنچا...... آپ نے لوگوں کو جمع فرمایا...... اور منبر پر...... یہ خط سنا کر...... ارشاد فرمایا...... ''دیکھو! ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تمہیں...... جہاد کی دعوت...... دے رہے ہیں...... اس لئے تم سارے...... جہاد کی طرف...... متوجہ ہو جاؤ......'' بے شک...... دنیا کی بے ثباتی کا یقین...... انسان کو...... میدان جہاد کی طرف...... دوڑاتا ہے...... جہاں...... ایک لافانی زندگی...... اس کا...... انتظار کر رہی ہوتی ہے......

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ شام کے حاکم تھے...... مگر جب...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے...... اپنے دورۂ شام کے دوران ان کے گھر کو دیکھا تو...... شدت غم سے...... رو پڑے...... گھر میں...... سامان جہاد کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے...... والہانہ انداز میں ارشاد فرمایا:...... ''اے ابوعبیدہ......! اس دنیا نے...... سب کو بدل دیا...... مگر تم پر...... اس کا کوئی اثر نہیں ہوا......'' یہ امیر المومنین کی تواضع تھی...... ورنہ...... ملعون دنیا تو...... ان کے نام سے بھاگا کرتی تھی......

۱۸ھ میں...... حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ...... اٹھاون برس کے تھے...... مسلمانوں کا ایک عظیم لشکر...... جس کی تعداد...... ۳۶۰۰۰ (چھتیس ہزار) تھی...... ملک شام میں...... مصروف جہاد تھا...... حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ...... اس لشکر کے امیر تھے...... اچانک...... طاعون کی مہلک وبا طوفان بن کر...... اس علاقے پر...... چھا گئی...... موت کے خوفناک سائے...... بڑوں بڑوں کو ڈرا دیتے ہیں...... مگر...... ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ...... بے حد خوش...... شاداں و فرحاں تھے...... حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کو...... خیال گذرا کہ ...... امت مسلمہ کو...... ابوعبیدہ کی ضرورت ہے...... انہوں نے ...... انہیں واپس بلا بھیجا...... اور لکھا کہ ...... مجھے آپ سے ضروری کام ہے ...... جلدی تشریف لے آیئے...... ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر...... ارشاد فرمایا...... میں امیر المؤمنین کا کام...... سمجھ گیا ہوں...... وہ ایسے شخص کو...... بچانا چاہتے ہیں...... جواب...... یہاں رہنے والا نہیں ہے...... اے امیر المؤمنین!...... آپ مجھے ...... اپنے اس حکم سے ...... آزاد فرمادیں ...... میں مسلمانوں کے لشکر میں ہوں...... اور خود کو...... ان پر ترجیح نہیں دیتا...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ ...... یہ خط ...... پڑھ کر رو پڑے...... اور انہیں ...... امت مسلمہ کے ...... اس قیمتی سرمائے کی جدائی کا یقین ہو گیا...... ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو...... طاعون کا پھوڑا...... ہاتھ کی انگلی پر نکلا...... آپ اس پھوڑے کو...... محبت کے ساتھ...... دیکھتے تھے...... کیونکہ...... یہ انہیں ...... محبوب حقیقی سے ...... ملانے کا ذریعہ تھا...... موت کا یہ انتظار ...... اور یہ استقبال...... وہ شخص کر رہا تھا...... جس کی زندگی کی ضرورت...... تمام مسلمان...... محسوس کر رہے تھے...... آخر یہ کیا تھا؟ یقیناً...... یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ...... مبارک صحبت کی برکت تھی...... کہ موت کا عشق...... زندہ رہنے کے جنون سے ...... بڑھ کر تھا...... کیونکہ...... وہ سمجھ چکے تھے...... کہ...... موت انتہا نہیں...... ابتدا ہے......

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی یہ سوچ...... اور نظریہ...... آج امت مسلمہ کی ضرورت ہے...... کاش! مسلمان موت سے پیار اور اس کے استقبال کے لئے...... تیار رہیں...... اس فانی دنیا میں...... زندگی کی راہیں ڈھونڈنا...... اس کی خاطر...... ایمان کا سودا کرنا...... موت سے بدتر ہے...... اور اس جہان میں...... موت کی آنکھوں میں ...... آنکھیں ڈالنا...... اور اس کی جستجو کرنا...... زندگی سے زیادہ ...... حلاوت بخش ہے...... ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ...... دین کی پوری سمجھ...... رکھنے کے بعد...... ملک شام میں ...... موت کے انتظار میں...... کیوں بیٹھے تھے؟ ...... یقیناً...... بلاشبہ...... وہ جانتے تھے کہ...... اللہ کے راستے میں...... آنے والی یہ موت...... نام کی موت...... اور حقیقت میں ...... زندگی ہے......

چند دن پہلے ...... بندہ کو...... مقبوضہ کشمیر میں ...... برسرپیکار...... بعض مجاہدین سے ...... مواصلاتی رابطے کا...... شرف ملا...... میں نے...... ان میں سے...... ایک کو...... واپس آنے کے لئے کہا...... میری بات سن کر...... وہ پریشان ہو گیا...... اور اطاعت کا وعدہ کر کے...... مجھے اپنی بات پر......

نظر ثانی کے لئے ...... کہنے لگا...... حالانکہ...... ظاہری طور پر...... مقبوضہ کشمیر سے...... واپس آنا...... موت سے...... زندگی کی طرف...... لوٹنا ہے...... لیکن وہ مجاہد...... اسے زندگی سے...... موت کی طرف ...... لوٹنا سمجھ رہا تھا...... تب مرے دل سے آواز آئی......:

''حضرت ابوعبیدہ! رضی اللہ عنک ...... آپ کو مبارک ہو...... آپ کا فیض ...... ابھی تک زندہ ہے......''

والسلام

وردی یا شیروانی

ہندوستان کے وزیراعظم کی طرف سے...... پاکستان کے منتظم اعلیٰ کو...... مذاکرات کی دعوت ...... اپنی تین شکستوں کا اعتراف...... اور...... ایک نئی چال کا...... آغاز ہے...... پہلے ایک نظر...... مشرکوں کی...... ذلت بھری شکستوں پر...... ڈالتے ہیں...... ہندوستان نے...... یہ اعلان کیا تھا کہ...... جب تک...... پاکستان کشمیریوں کی حمایت بند نہیں کرے گا...... کشمیر میں چلنے والی تحریک...... نہیں رکے گی...... پاکستان میں موجود...... عسکری قیادت کو...... لگام نہیں دی جائے گی...... اس وقت تک پاکستان سے...... مذاکرات کا سوال ہی...... پیدا نہیں ہوتا...... اب چونکہ...... تینوں شرطیں منوائے بغیر ...... مذاکرات کا...... سوال پیدا ہو گیا ہے...... اس لئے عالمی سیاست کی نبضیں...... ناپنے والے...... اسے بھارت کی پہلی شکست...... قرار دے رہے ہیں...... مطلقاً پہلی نہیں...... اس تازہ معاملے کی...... پہلی شکست...... ورنہ تو...... بھارت کا چہرہ...... شکست کے داغوں سے...... سیاہ ہے...... اور اس کے انگ...... ٹوٹنے کو ہیں......

اس معاملے میں...... بھارت کو...... دوسری اور زیادہ عبرتناک...... شکست یوں ہوئی کہ...... اس نے...... یک طرفہ جنگ بندی کا...... ڈھونگ رچایا...... بھارت کا خیال یہ تھا کہ...... دنیا کے ٹھیکیدار ممالک اسے زبانیں کھول کر...... داد دیں گے...... ہاتھ کھول کر...... اس کی مدد کریں گے...... اور جوتے اٹھا کر...... پاکستان کے سر پر ماریں گے...... یوں...... واہ واہ بھی ملے گی...... اور پاکستان بھی

...... مجبور ہو کر...... قدموں میں آن گرے گا...... بھارت کا یہ ڈرامہ بھی...... ناکام ہو گیا...... ٹھیکیداروں نے...... تھوڑی بہت داد تو دی لیکن...... اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں کیا...... کرتے بھی کیوں؟ بھارتیوں کی خوش فہمیاں کتنی بڑھ جائیں...... رہنے والے وہ ایشیا کے ہیں...... اور چمڑی بھی ان کی...... گوری نہیں ہے...... اور پھر کشمیر میں کونسا تیل نکلتا ہے کہ...... دنیا کے ٹھیکیدار...... اپنی فوجیں لیکر...... آجائیں گے ...... بہر حال بھارت کو بہت رسوائی ہوئی...... اور چھ ماہ کی جنگ بندی...... صرف اور صرف...... شکست کی کالک بن گئی...... اور بالآخر...... بھارت کو یہ نام نہاد جنگ بندی...... ختم کر کے...... مذاکرات کی پیشکش کرنی پڑی......

بھارت کی...... اس معاملے میں...... تیسری شکست یوں ہوئی کہ...... اس نے...... کشمیر کے مسلمانوں کو...... بہلانے...... پھسلانے...... اور مقصد سے ہٹانے کی کوشش کی...... چانکیہ سیاست کے ماہرین نے...... ایک بہت بڑا جال تیار کیا...... اور یہ جال...... کشمیریوں پر پھینکا گیا...... اور انہیں دعوت دی گئی کہ...... آؤ! ہم آپس میں بات چیت کرتے ہیں...... کشمیر میں امن قائم کرتے ہیں...... یہاں پر...... ترقیاتی کاموں کا سلسلہ بڑھاتے ہیں...... اور آپس میں مل بیٹھ کر...... گلے شکوے دور کرتے ہیں ...... ہم چونکہ...... ہندوستانی ہیں...... دہلی بھی...... ہندوستان میں ہے اور...... سری نگر بھی...... اس لئے ...... اس بات چیت میں...... پاکستان کو شامل نہیں کرتے...... یہ جال بڑا خطرناک تھا...... اور توقع یہ تھی کہ قتل و غارت...... لوٹ مار...... اور بدامنی سے تنگ کشمیری قوم...... دوڑ کر ان مذاکرات کے سانپ کو ...... غنیمت جان کر...... گلے سے لگا لے گی...... تھکی ہوئی قوم کے لیڈر...... دہلی کے اعلیٰ حکمرانوں سے ...... مذاکرات کو...... ایک نعمت سمجھیں گے...... پھر مذاکرات میں...... کشمیریوں کو...... اسلحہ پھینکنے پر...... راضی کر لیا جائے گا...... عہدوں اور نوٹوں کی بارش میں...... بعض لیڈروں اور جماعتوں کا...... راستہ کھوٹا کر دیا جائے گا...... یوں...... کشمیر پر...... بھارتی تسلط مضبوط...... ہو جائے گا...... اور پاکستان...... منہ دیکھتا رہ جائے گا......

لیکن...... آفرین ہو...... کشمیری قوم پر...... جس نے عزیمت کی تاریخ میں...... ایک نیا باب رقم کیا ہے...... اور اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ...... ۸۰ ہزار قربانیاں دینے کے باوجود...... کشمیر کے مسلمان نہیں تھکے...... اور ہزاروں گھر...... جلوانے کے...... باوجود وہ ابھی تک...... نہیں جھکے...... کُل جماعتی حریت

کانفرنس نے...... پاکستان کی شمولیت کے بغیر...... مذاکرات میں...... شرکت سے انکار کردیا......اور یوں بھارت کا جال...... ٹوٹ کر...... بکھر گیا......اور شبیر احمد شاہ کو...... اس جال میں...... پھنسنے پر...... سوائے ندامت اور تنہائی کے......اور کچھ نہیں ملا...... کشمیریوں کے آئینی موقف نے...... ایک سال کے اندر اندر...... بھارت کو...... تیسری شکست سے دوچار کردیا...... چنانچہ اب...... بھارت نے...... بعض حقائق کو...... تسلیم کرتے ہوئے...... پاکستان کو مذاکرات کی...... پیشکش کردی ہے...... مذاکرات کی...... یہ پیشکش قطعاً مخلصانہ نہیں ہے...... بلکہ...... بھارت...... شکست، مجبوری اور ذلت کے...... احساس سے دوچار ہو کر...... یہ نئی چال...... چلنے پر مجبور ہوا ہے...... یہ چال کیا ہے؟...... آیئے! ایک اچٹتی ہوئی نظر...... اس پر ڈالتے ہیں......۔

یہ بات سو فیصد یقینی ہے کہ...... پاکستان کے منتظم اعلیٰ...... بھارت کی اس دعوت کو قبول کرلیں گے...... (حالانکہ غیر مشروط طور پر...... اسے قبول نہیں کرنا چاہیے۔)...... یہ مجوزہ مذاکرات...... جب شروع ہوں گے تو بھارت...... پہلے اعتماد کی فضاء قائم کرنے کی...... بات کرے گا......اور اس سلسلے میں...... بعض اقدامات پر...... پاکستان کو مجبور کرے گا...... پاکستان نے اگر...... اعتماد کی فضاء...... بحال کرنے......اور اس سلسلے میں بعض اقدامات کا...... وعدہ کرلیا تو...... بھارت اپنی چال میں کامیاب ہوجائے گا......اور پاکستان میں...... ایک طرح کی افراتفری شروع ہوجائے گی...... لیکن اگر...... ہمارے حکمرانوں نے...... عزم کا ثبوت دیا......اور دوٹوک الفاظ میں...... بھارت کو بتادیا کہ...... کشمیر کی آزادی سے پہلے...... اعتماد کی فضاء...... قائم ہو ہی نہیں سکتی...... اس لئے پہلے مسئلہ کشمیر کو...... حل کیا جائے...... باقی باتیں بعد میں ہوں گی...... تو پاکستان...... اس فتح سے ہمکنار ہوگا...... جس کا قوم کو...... پچپن سالوں سے...... انتظار ہے......۔

خلاصہ اس پوری بات کا یہ ہے کہ...... جنرل مشرف نے اگر...... خاکی وردی کے لہجے میں...... مذاکرات کئے...... تو فتح مسلمانوں کی ہوگی...... اور اگر...... خدانخواستہ...... مشرف صاحب نے...... شیروانی کے لہجے میں...... بات کی تو...... اٹل بہاری کا حربہ...... کامیاب ہوجائے گا...... ماضی میں...... ہمارے حکمران...... اپنی قوم سے...... وردی کے لہجے میں......اور دشمنوں سے شیروانی کے لہجے میں...... بات کرنے کے...... عادی رہے ہیں......۔

کاش! مشرف صاحب...... اس بری روایت کو...... توڑ دیں اور مذاکرات کے دوران...... واجپائی کی...... پُر اعتماد باتوں کو سننے کی بجائے...... دھوتی میں...... اس کی کانپتی ہوئی ٹانگوں پر...... نظر رکھیں...... اور ہر بات کا جواب...... خاکی وردی والے لہجے میں دیں تو...... کروڑوں مسلمانوں کی دعائیں...... ان کے ساتھ ہوں گی......۔

والسلام

روزنامہ اسلام.......ایک کڑا امتحان

کچھ عرصہ پہلے تک میدان صحافت پر لادین عناصر کا بلاشرکت غیرے قبضہ تھا۔ یہودی پروٹوکول کے خفیہ منصوبے کے مطابق صیہونی گماشتوں نے صحافت پر اپنے پنجے گاڑنے کی بھرپور کوشش کی اور انہیں یہاں کسی طرح کی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ ٹیلی ویژن ہو یا ریڈیو، اخبارات ہوں یا رسائل، ناول ہوں یا افسانے، ڈش انٹینا ہو یا انٹرنیٹ، آپ کو ہر جگہ پر یہودیت کا زہر صاف نظر آئے گا۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ آج کا میڈیا اور آج کی صحافت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک خطرناک مہم کا نام ہے۔

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ صحافت کے میدان کو اس طرح سے گندا کیا گیا کہ اگر کوئی اچھا مسلمان کسی طرح سے اس میدان تک پہنچ بھی گیا تو اسے بھی گندگی اور غلاظت کا محافظ اور تاجر بننا پڑا۔ آپ ایک نظر ان رسائل واخبارات پر ڈالئے جن کے پیچھے بعض دینی جماعتیں کھڑی ہیں اور جن کو چلانے والا عملہ خود کو روشن خیال مسلمان کہتا ہے۔ ان اخبارات اور رسائل کی آج کیا شکل بن چکی ہے؟ یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے۔ سود خوری کے اشتہارات سے لے کر بیوٹی پالرز کی نمائش تک آپ کو ان رسائل واخبارات میں سب کچھ ملے گا؟ فرق صرف اتنا ہے کہ ان رسائل واخبارات میں بعض دینی مضامین کو بھی شامل کرلیا جاتا ہے یا بعض دینی رہنماؤں کے فوٹو چھاپ دیے جاتے ہیں یا بعض جہادی جماعتوں کو تھپکی دے دی جاتی ہے۔ ان چند نام نہاد نیکیوں کے علاوہ ان اخبارات کا دوسرے اخبارات

سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اور تو اور ان اخبارات میں کفریہ اشتہارات تک چھاپے جاتے ہیں تاکہ صحافتی تجارت میں ترقی ہوتی رہے۔

مثال کے طور پر جادو ٹونے اور نجومیوں کے اشتہارات جن میں بعض اوقات خالص کفریہ دعوے کیے جاتے ہیں؛ چند روپے دے کر کسی بھی اخبار یا رسالے میں چھپوائے جاسکتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ دین کے ساتھ تعلق رکھنے والے اپنے بعض صحافی بزرگوں اور دوستوں سے ہمیں اتنی توقع ضرور تھی کہ وہ اپنی صحافت کو محض تجارت نہیں بنائیں گے اور کم از کم اسلام کے بنیادی احکام کو نظرانداز نہیں کریں گے، لیکن نہایت دکھ کے ساتھ عرض کرنا پڑ رہا ہے کہ یہ توقعات اب مایوسی میں بدل چکی ہیں، کیونکہ صحافت کے مروجہ میدان کو اس طرح سے ناپاک کر دیا گیا ہے کہ وہاں پہنچنے کے بعد ہر شخص خود کو یہودیت کے سامنے سرجھکانے پر مجبور سمجھتا ہے۔ بلیک میلنگ سے لے کر قابل نفرت گناہوں کے فروغ تک ہر برائی اب صحافت کا لازمہ بن چکی ہے۔ جو شخص جس قدر جھوٹا، عیار، مکار اور بلیک میلر ہے، وہ اسی قدر اس میدان میں کامیاب ہے۔ اخبارات کے مالک نیک ہوں یا بد، انہیں صحافت کے مافیا کے سامنے گھٹنے ٹیکنا پڑتے ہیں اور ایسے افراد کی خدمات لینا پڑتی ہیں جنہیں نہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہوتا ہے، نہ آخرت کا۔

ان حالات میں وہ دینی رسائل جو صحافت کے مروجہ اصولوں سے ہٹ کر شریعت کے مطابق نکلتے تھے، ان کے لئے مقبول ہونے کا کوئی راستہ موجود نہیں تھا۔ غیروں کی دشمنی اور اپنوں کی بے توجہی نے ان رسائل کے حلقہ ہائے اثر کو نہایت محدود کر دیا تھا۔ اکثر رسائل تو اپنی لاگت بھی پوری نہیں کر سکتے تھے اور بالآخر فقر وافلاس کا شکار ہو جاتے تھے اور وہ رسائل جن کے پیچھے بعض تنظیمیں یا بڑے مدارس تھے وہ کسی نہ کسی طرح نکلتے تو رہے، لیکن ان کے اکثر قارئین کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ جیب سے ایک روپیہ بھی خرچ نہ ہو بلکہ ہمیں یہ رسائل اعزازی طور پر مل جائیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بعض خالص دینی اور معیاری رسائل کو جب بعض مروجہ رسائل کی انتظامیہ کے پاس تبادلے کی درخواست کے ساتھ بھیجا جاتا تھا تو نہایت سرد مہری کے ساتھ یہ درخواست مسترد کر دی جاتی تھی اور یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ بعض دینی رسائل اچھی خاصی تعداد میں چھپ تو جاتے تھے، لیکن انہیں قیمتاً تو درکنار مفت بھی تقسیم نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ چھپے ہوئے رسالوں کے بنڈل بند کمروں میں دیمک کا انتظار کرتے رہتے تھے۔

دینی صحافت کی اس بے قدری کے دور میں درد دل رکھنے والے مسلمانوں کو علماء کرام اور مجاہدین

سے یہی مطالبہ رہا کہ آپ لوگ صحافت کے میدان کو خالی نہ چھوڑیں، بلکہ فوری طور پر اس میدان میں اپنے قدم جمائیں تا کہ یہاں بھی یہودیت کو شکست دی جاسکے اور مسلمانوں کو یہودی میڈیا کے زہر سے بچایا جاسکے، چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کا ایک مناسب وقت مقرر ہے، اس لئے اس طرح کے مفید مشوروں پر زیادہ عمل نہ ہوسکا، البتہ مخلص علماء کرام اور مجاہدین شرعی حدود پر سختی سے کاربند رہتے ہوئے اس میدان میں کام کرتے رہے۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر خاص فضل فرمایا اور طالبان کی صورت میں ایک عظیم نعمت مسلمانوں کو عطاء فرمائی۔ یہ نعمت درحقیقت سولہ لاکھ شہداء کرام کے خون کا جواب تھا جو قدردان رب نے مسلمانوں کو عطاء فرمایا تھا۔ اس نعمت کے پیچھے اور بہت ساری نعمتیں چھپی ہوئی تھیں۔ چنانچہ جوں جوں وقت گذرتا گیا اور طالبان نے اپنے انتخاب کو ٹھیس نہیں پہنچائی، وہ نعمتیں سامنے آنا شروع ہوگئیں۔

ان نعمتوں میں اہم ترین نعمت امارتِ اسلامیہ افغانستان کی صورت میں نظام خلافت کا نفاذ تھا۔ جی ہاں! وہ نظام خلافت جس کا مسلمان صدیوں سے انتظار کر رہے تھے اور کئی مسلمان اس نام پر بغیر عمل کے بھٹک رہے تھے۔ خلافت آئی تو اپنے ساتھ بے شمار برکات لائی۔ مسلمانوں میں پھر اصلی اور کھرے مسلمان پیدا ہونے لگے۔ جہادی تحریکوں کو ایک نیا ولولہ اور حوصلہ نصیب ہوگیا۔ کافروں کے بڑے بڑے منصوبے خاک میں مل گئے اور چودہ سو سال پرانی بہار کے جھونکے مردہ قوم کو زندہ کرنے لگے۔ خلافت کی انہیں برکات کا ظہور میدان صحافت پر بھی ہوا اور ضرب مؤمن کی قیادت میں خالص اسلامی صحافت کا ننھا سا پودا تیزی سے تناور درخت بننے لگا۔ ضرب مؤمن کے پیچھے مسکراتے ہوئے شہداء کا خون، کراہتی ہوئی امت کا درد، چنگھاڑتے ہوئے جذبوں کی للکار، ہر قدم آگے بڑھنے والے اسلامی لشکروں کی یلغار، ایمانی غیرت اور حیاء کی مہکار اور مسلمانوں کے روشن مستقبل کی نوید تھی۔ جھوٹ کے دور اقتدار میں اس رسالے نے سچ لکھنا شروع کیا، مبالغے کے کیچڑ سے بچ کر اس نے اعتدال اور توازن کو قائم رکھا، مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اس نے امید کی شمع جلائی اور مسلمانوں کو ان کا شاندار ماضی یاد دلایا۔

آپ اگر نئے دور کی اسلامی شوکت اور تازگی دیکھنا چاہتے ہیں تو ضرب مؤمن کی پرانی فائلیں اُٹھا کر ان کی ورق گردانی کیجئے۔ آپ کو یوں محسوس ہوگا کہ وہ دور جس میں مسلمانوں سے حوصلہ بخش حقائق کو چھپایا جارہا تھا، اس دور میں ضرب مؤمن نے ایک بہت اونچا اسٹیج بنایا ہے۔ ایسا اسٹیج جو سب کو یکساں

نظر آرہا ہے اور اس اسٹیج پر تیز لائٹیں لگی ہوئی ہیں۔ پھر ضرب مؤمن نے اس اسٹیج پر ان شخصیات کو لا کر کھڑا کیا جنہیں دیکھ کر مسلمانوں کی مایوسی امید میں بدل گئی اور ان کے سوئے ہوئے جذبات سمندر کی متلاطم موجوں کی طرح بپھرنے لگے۔ اسی اسٹیج پر مسلمانوں نے دورِ حاضر کے حقیقی امیر المؤمنین کو دیکھا جو اپنا سب کچھ لٹا کر اسلام کے ایک ایک حکم کو زندہ کر رہے ہیں۔ اسی اسٹیج پر مسلمانوں نے شیخ اُسامہ بن لادن کو سارے دنیا کے کفر کے نہ چاہنے کے باوجود مسکراتے ہوئے دیکھا۔ اسی اسٹیج پر مسلمانوں کی ملاقات مُلّا بورجان، مُلّا محمد، مُلّا مشر، مُلّا احسان اللہ فاروقی جیسے عظیم شہداء و جرنیلوں سے ہوئی جو اسلام کو زندگی بخشتے ہوئے خود زندگی پاگئے۔ اسی اسٹیج پر مسلمانوں نے شامل بسایوف اور زیلم خان جیسے اسلام کے للکارتے شیروں کو روسیوں کے گردے نکالتے ہوئے دیکھا۔ اسی اسٹیج پر مسلمانوں نے قندھار کی سرزمین پر انڈین وزیرخارجہ جسونت سنگھ کو شکست کی ناک رگڑتے ہوئے دیکھا۔ اسی اسٹیج پر اُمت مسلمہ نے بلال اور آفاق جیسے ان فدائیوں کی زیارت کی جنہوں نے مسلمانوں کو زندہ رہنے کا ایک بہترین طریقہ سکھایا۔ اسی اسٹیج پر مسلمانوں نے مُلّا محمد ربانی جیسی پُروقار شخصیت کو دیکھا اور انہیں یہ احساس ہوا کہ اصلی مسلمان ابھی تک موجود ہیں۔

ضرب مؤمن کا سجایا ہوا یہ اسٹیج آج بھی مسلمانوں کو بہت کچھ دکھا رہا ہے۔ یہاں مردہ دل لوگوں کو زندہ شخصیات کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ یہاں بزدلی کے مریضوں کو مجاہدین کی فتوحات کا مقوی شربت پلایا جاتا ہے۔ یہاں خون دینے اور خون لینے جیسی اہم عبادات کو بھلا بیٹھنے والوں کو خونریز جنگوں کے ایمان افروز نقشے دکھائے اور سمجھائے جاتے ہیں۔ پھر مزے کی بات یہ ہے کہ حرام تصاویر چھاپنے والے اخبارات شخصیات کو بے قدر اور بے وقعت کر دیتے ہیں اور انہیں قدموں کے نیچے روندی جانے والی بے وقار چیز بنا دیتے ہیں، جبکہ ضرب مؤمن نے شخصیات کی مردہ تصویریں شائع کرنے کی بجائے ان کے زندہ کردار کو اُجاگر کیا، جس کی بدولت ضرب مؤمن کی شخصیات کو ایک نظر دیکھنے کے لئے دنیا ترستی ہے اور خود ضرب مؤمن کو ان زندہ کردار رکھنے والی شخصیات کی بدولت ایک تازہ زندگی اور توانائی ملتی ہے۔ اس کے علاوہ ضرب مؤمن کا ایک اور کمال یہ ہے کہ اس نے نہایت بلندی پر واقع اس اسٹیج کے ساتھ دو آئینے بھی لگا دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک آئینے میں دُشمنانِ اسلام کا اصلی اور مکروہ چہرہ اور ان کے ظالمانہ عزائم نظر آتے ہیں تو دُوسرا آئینہ ماضی کی عہد ساز مسلمان شخصیات کی خوبصورت جھلکیاں دکھاتا ہے۔

آیئے! ضربِ مؤمن کا ایک ایک پرچہ اُٹھاتے جایئے۔ آپ کو احمد شاہ مسعود سے لے کر دوستم تک اور بحیرۂ عرب میں موجود امریکی فوجوں سے لے کر عرب کے صحراؤں میں واقع ان کے اڈوں تک کی مکمل حقیقت آسان لفظوں میں نظر آئے گی۔ آپ کو اسی آئینے میں یاسر عرفات، فاروق عبداللہ اور عرب کے منافقوں کے اصلی چہرے نظر آئیں گے۔ الغرض اسلام کے وہ دُشمن جن کو یہودی میڈیا نے اسلام دوست کے روپ میں دکھا کر مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے، ضربِ مؤمن نے اس یہودی نقاب کو الٹ کر ان لٹیروں، چوروں اور غداروں کو چوک میں لا کھڑا کیا ہے۔ اسی طرح ضربِ مؤمن کے دُوسرے آئینے میں آپ کو ماضی کی خوشبودار شخصیات کا معطر تذکرہ ملے گا۔ کفر و نفاق کے متعفن ماحول میں یہ تذکرہ ہمارے مشام کو نئی زندگی بخشتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم یہ ہوا کہ ضربِ مؤمن کو اس نے ایسی فصیح زبان عطاء فرمائی جو نثر پر قابو اور شعر پر عبور رکھتی ہے اور فنِ صحافت کی جائز باریکیوں سے اچھی طرح واقف ہے اور اس بات میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں ہے کہ ضربِ مؤمن کے بعض قلمکار اس زمانے کے بہترین اصحابِ قلم ہیں۔ یہ لوگ اگر مروجہ صحافت کے بازار میں اپنے قلم کی بولی لگاتے تو بہت سارے معروف کالم نگاروں کا قلم شرما کر ہچکیاں لینے لگتا، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا سکون اور اجر ان قلمکاروں کو کسی اور طرف دیکھنے ہی نہیں دیتا۔

خلاصہ یہ کہ ضربِ مؤمن سچے جذبوں کی بہار اور شہداء کرام کے خون کی مہکار لے کر میدان میں آیا تو اسلامی صحافت کو زندگی ملی اور اس کے بعد نکلنے والے اسی طرز کے کئی رسائل نے مروجہ صحافت کے سورما رسائل کو بری طرح نیچا دکھایا۔ چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ضربِ مؤمن کے بعد پندرہ روزہ جیشِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ماہنامہ بنات عائشہ کو وہ مقبولیت ملی جو کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھی۔ اسلامی صحافت کی اس کامیابی نے جہاں ایک طرف دین کے خدام کا جذبہ اور حوصلہ بڑھا دیا، وہاں دُوسری طرف اسلام سے محبت رکھنے والے مسلمانوں کے اس مطالبے میں شدت پیدا کر دی کہ اب فوری طور پر خالص اسلامی طرز کا روزنامہ بھی نکالا جائے۔ گذشتہ ایک سال کے عرصہ میں بندہ کو بھی اس مطالبے پر مبنی کئی خطوط اور زبانی مشورے موصول ہوئے، لیکن یہ کام اس قدر آسان نہیں تھا کہ مشورہ سنتے ہی عمل کی حامی بھر لی جاتی۔ چنانچہ بندہ نے اس طرح کے ہر مطالبے کے جواب میں دُعاؤں کی درخواست پر اکتفا کیا، لیکن دل میں کڑھن پیدا ہوگئی کہ کاش! ایسا ہو جائے؟

وقت گذرتا گیا اور ہم پندرہ روزہ رسالے کے بعد ایک ماہنامہ نکالنے میں کامیاب ہوئے، لیکن روزنامہ نکالنے کا تصور ہی دانتوں پر پسینہ لانے والا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہفت روزہ ضربِ مؤمن کی انتظامیہ کو، جس نے بلند ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے روزنامہ ''اسلام'' نکالنے کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ روزنامہ کیسا ہوگا؟ آپ کی طرح ہمیں بھی شدت سے اس کی زیارت کا انتظار ہے، لیکن روزنامے کا خوبصورت نام ابھی سے دل کی دھڑکن کو خوشی کے مارے تیز کر دیتا ہے۔ کیا واقعی! اسلامی صحافت روزنامہ نکالنے کی اہل بن چکی ہے؟ کیا واقعی! ایک ایسا روزنامہ آنے والا ہے جو ہر مسلمان شخص اپنے گھر ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے سامنے لیجاسکے گا؟ کیا واقعی! اب افغانستان اور کشمیر کے جہاد کی تازہ خبریں ہر دن پڑھنے کو ملا کریں گی؟ کیا واقعی! شہداء کرام کے تذکرے سے روزانہ ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی؟ کیا واقعی! حرام تصاویر اور ناجائز مواد سے پاک ایک اخبار روزانہ سڑکوں پر بکا کرے گا؟

یہ سؤالات خوشی کی لہریں بن کر دل میں اُٹھتے ہیں اور طبیعت خوش ہو جاتی ہے، لیکن کچھ خدشات کالے سانپ کی طرح سر اُٹھا کر دور دور سے ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ روزنامہ نکالنے کا مشورہ دینے والے بے وفا نکلیں کہ پھر اس اخبار کو چھوڑ کر ننگی تصویروں والے اخبارات خریدتے پھریں؟ کہیں اخبارات کے ہاکروں کی مافیا اس اخبار کے راستے میں روڑے تو نہیں اٹکائے گی؟ کہیں اُمت مسلمہ کے دُشمن بلیک میلر صحافی اس اخبار کے پیچھے ہاتھ دھو کر تو نہیں پڑ جائیں گے؟ کہیں مسلمان کی جیب اس اخبار کو خریدنے سے بخل تو نہیں کرنے لگے گی؟ کہیں اس اخبار سے جہاد کا رشتہ کسی مرحلے پر کمزور تو نہیں پڑ جائے گا؟

میرا دل جواب دیتا ہے کہ یہ سارے خدشات بے بنیاد اور فضول ہیں۔ یقیناً لاکھوں مسلمان اس اخبار کے راستے میں انتظار کی پلکیں بچھائے بیٹھے ہیں اور ان کا عزم یہ ہے کہ وہ اس اخبار کو ایک نعمت سمجھ کر سینے سے لگائیں گے اور اسے ایک ایک مسلمان تک پہنچانا اپنی سعادت سمجھیں گے۔ پھر یہ اخبار اپنے پیچھے ایک پورا نظریاتی طبقہ رکھتا ہے۔ ایسا طبقہ جو امت مسلمہ کے بہادر ترین متقی افراد پر مشتمل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اس طبقے کی حمایت اس اخبار پر کوئی آنچ نہیں آنے دے گی۔ باقی جہاں تک سؤال ہے صحافیوں کے حسد کا تو یہ روزنامہ مسلمانوں کے لئے صلح اور محبت کا پیغام لے کر آ رہا ہے۔ یہ کوئی تجارتی ادارہ نہیں ہے جو

دوسرے اداروں سے ٹکرائے گا، بلکہ یہ تو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا پیغام ہے، جس پیغام پر ان شاء اللہ! دیگر مسلمانوں کے ساتھ ہماری صحافی برادری بھی لبیک کہے گی۔ باقی رہا معاملہ اس اخبار سے جہاد کے تعلق کا تو جس طرح جسم سے روح کا رشتہ ہے، اسی طرح اس اخبار کے ساتھ جہاد اور دعوت جہاد کا رشتہ ہے اور ان شاء اللہ! یہ رشتہ مزید مضبوط ہوگا اور اس اخبار سے جہاد کو اور جہاد سے اس اخبار کو طاقت ملے گی........

دل کا جواب درست ہے اور تمام خدشات فضول ہیں، لیکن یہ سچ ہے کہ روزنامہ اسلام مسلمانوں کے لئے ایک کڑا امتحان ہے، اگر ہم نے کاغذ پر لکھے ہوئے اس ''اسلام'' کی لاج رکھی اور اس کی قدر کی تو یہ لفظ کاغذ سے اُتر کر زمین کو منور کرے گا، لیکن اگر خدانخواستہ! ہم اس کی لاج نہ رکھ سکے یا اس کی قدر نہ کر سکے تو پھر ناشکری کا ''انجام بد'' اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے۔

والسلام

گوروں کی کالک

وہ مسلمان قوم جس نے ایک طویل عرصے تک ساری دنیا کو امن وانصاف کے ساتھ روٹی کھلائی تھی، آج اسی قوم کے چند مفلس افراد کو روٹی بند کر کے بھوکا مارنے کی دھمکی دی جارہی ہے۔

وہ اُمت مسلمہ جس نے افریقا کے جنگلوں اور یورپ کے وحشیوں کو انسانوں کی طرح جینے کا طریقہ سکھایا تھا، آج اسی اُمت کے غیور افراد کو فاقوں کی موت مارنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

وہ قوم جس کی زمینوں سے نکلنے والا تیل آج دُنیا کی روح بنا ہوا ہے، اسی قوم کے کچھ افراد کو روٹی کے بدلے اپنی عورتوں کو بے آبرو کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔

وہ اُمت مسلمہ جو عیسائی لڑکیوں کی آبرو بچانے کے لئے کل تک اندلس کے ساحل پر اپنی کشتیاں جلا کر خونی معرکہ لڑ رہی تھی، آج اسی اُمت کی بیٹیوں کو کافروں کی لونڈیاں (ملازمات) بنانے کے لئے فاقہ زدہ مسلمانوں کے پیٹ پر خنجر چلائے جارہے ہیں۔

وہ قوم جس کی آبادی کا ایک خاطرہ خواہ حصہ ان افراد پر مشتمل ہے جنہیں اپنی دولت گننے کے لئے لاکھوں روپے تنخواہ دے کر جدید مہارت رکھنے والے اکاؤنٹینٹ رکھنے پڑتے ہیں، جن کے دسترخوانوں سے روزانہ ہزاروں روپے کی غذا کوڑے کے ڈھیر میں ڈالنے کے لئے اُٹھائی جاتی ہے، جن کے گھروں میں پلنے والے کتے مخمل کے کمبلوں میں سوتے ہیں اور مکھن سے چکنی کی ہوئی ڈبل روٹیوں سے ناشتہ کرتے ہیں، جن کے بچے زیادہ مرغن غذائیں کھانے کی وجہ سے بچپن سے شوگر کے مریض بن جاتے

ہیں، جن کی دولت کے انبار سنبھالنے سے سوئٹزرلینڈ کے بینک عاجز آ چکے ہیں، اسی قوم کے کچھ افراد کی خشک روٹی بند کرنے کے لئے دنیا کے سب سے بڑے ادارے کے ذہین ترین افراد گذشتہ ایک ماہ سے مذاکرات کے نام پر ایک گھناؤنی سازش کر رہے ہیں...... یہ سازش کیا ہے؟ تھوڑا سا غور فرمائیے:

(۱) ایک طرف تو کابل کے ان تنوروں کا مسئلہ ساری دنیا کے میڈیا پر اُٹھایا گیا تا کہ دنیا کو معلوم ہو سکے کہ اقوام متحدہ کے دردمند اہلکار افغانستان کے تین لاکھ بھوکے افراد کو سالہا سال سے روٹی کھلا رہے ہیں، اگر یہ لوگ افغانیوں کو روٹی نہ کھلاتے تو افغانی بھوکے مر جاتے، لیکن ان کے اس احسان کے باوجود طالبان اقوام متحدہ کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے ہمیشہ اسے آنکھیں دکھاتے ہیں اور اس کی نافرمانی کرتے ہیں..... اقوام متحدہ کی یہ سازش پورے زور وشور سے جاری ہے۔ بی بی سی لندن سے لے کر وائس آف امریکا تک ہر طرف تنوروں اور روٹیوں کا تذکرہ ہے اور یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ افغانوں کی روٹی کا بندوبست صرف اور صرف اقوام متحدہ کر رہی تھی، حالانکہ یہاں پر بہت سارے ایسے حقائق ہیں جنہیں دانستہ طور پر نظر انداز کیا جا رہا ہے، مثلاً:

☆ کیا افغانستان کی آبادی تین لاکھ ہے، اگر نہیں تو باقی افغانوں کو روٹی کون دے رہا تھا اور آج کون دے رہا ہے؟

☆ کیا افغانستان کی بیواؤں، یتیموں اور معذوروں کی تعداد تین لاکھ ہے، اگر نہیں تو باقی کی کفالت اب تک کون کر رہا تھا اور آج کون کر رہا ہے؟

☆ اقوام متحدہ کے عالمی ادارہ خوراک کو کتنے مسلمان ممالک کی طرف سے فنڈز ملتے ہیں اور ان رقومات کا کتنا حصہ غریب مسلمانوں کو خوراک پہنچانے پر خرچ کیا جاتا ہے؟

☆ ان تنوروں پر خرچ ہونے والی رقم کا تخمینہ پچیس کروڑ روپے سالانہ ہے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اتنی رقم تو اقوام متحدہ کے ایک چھوٹے سے اجلاس کے لئے بھی پوری نہیں پڑتی؟

اتنی رقم میں تو پاکستان کے کسی سفیر یا وزیر کا ایک غیر ملکی دورہ نہیں ہو سکتا۔ اتنی رقم سے تو اقوام متحدہ میں کام کرنے والے اہلکاروں کی بیگمات کی ایک دن کی دوائی نہیں آتی؟

افسوس کہ وہ اقوام متحدہ جس کے بوٹوں کی پالش اور گاڑیوں کی سروس پر مسلمانوں کے اربوں روپے خرچ ہو رہے ہیں، ایک مسلمان ملک میں سالانہ پچیس کروڑ کے چھوٹے سے منصوبے کا رونا رو رہی ہے۔

ان تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ افغانستان کے مسلمان قطعی طور پر اقوام متحدہ کی امداد پر نہیں پل رہے اور نہ ہی اقوام متحدہ نے کبھی ان پر کوئی احسان کیا ہے۔ وہ جنگ جو سوویت یونین کی طرف سے افغانستان پر مسلط کی گئی، وہ جنگ اقوام متحدہ کی امداد سے نہیں لڑی گئی۔ اسی طرح گذشتہ چھ سات سال سے ساری دنیا کے کفر کی طرف سے جو جنگ افغانستان پر مسلط کی گئی ہے، وہ جنگ بھی اقوام متحدہ کی امداد سے نہیں لڑی جا رہی، حالانکہ جنگ کا تجربہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ چھوٹے سے چھوٹے معرکے میں بھی بسا اوقات اتنا گولہ بارود پھونکا جاتا ہے جس کی قیمت پچیس کروڑ سے زائد بنتی ہے۔

آج دُنیا کے کافر ممالک افغانستان کے شمالی اتحاد کو جھولیاں بھر کر اسلحہ اور بوریاں بھر کر نوٹ دے رہے ہیں۔ یہ اسلحہ جب چلتا ہے تو کئی گھر اُجڑتے ہیں، روزانہ کئی عورتیں بیوہ ہوتی ہیں، بچے یتیم ہوتے ہیں اور کاروبارِ زندگی معطل ہوتا ہے۔ آج افغانستان میں بیواؤں اور یتیموں کی تعداد لاکھوں میں ہے اور معذوروں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں۔ دنیا کے ظالموں نے بارودی سرنگیں بچھا کر نوجوانوں کی ٹانگیں تو اُڑا دیں، مگر جب ان معذور افراد کو روٹی دینے کا وقت آیا تو سب نے پیٹھ پھیر لی اور جو ایک دو لقمے دیے جا رہے تھے، اب ان کا چرچہ کر کے مختلف بہانوں سے انہیں بند کیا جا رہا ہے۔

(۲) اس سازش کا دُوسرا پہلو یہ ہے کہ افغانستان کے عوام کو طالبان تحریک سے بدظن کیا جا سکے اور انہیں باور کرایا جا سکے کہ اقوام متحدہ کا ادارہ تو انہیں سستی روٹی دینے اور ان کی خواتین کو ملازمت پر رکھنے کے لئے تیار ہے، لیکن طالبان اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے افغان عوام کو ان نعمتوں سے محروم کروا رہے ہیں۔

یہ سازش بھی ..... پوری زور وشور سے جاری ہے، لیکن اس سازش کا شکار افغانستان سے دور بیٹھنے والے مسلمان تو ہو رہے ہیں، جبکہ خود افغان قوم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو رہا، کیونکہ ان کے سامنے طالبان کا وہ چہرہ ہے جو باقی دنیا کے سامنے نہیں ہے۔ طالبان نے افغانستان کے جنگ زدہ عوام کو امن دیا ہے۔ جی ہاں! وہ امن جس کو وہ بیس سال سے ترس رہے تھے۔ طالبان نے افغان قوم کو اسلامی نظام دیا ہے جس نظام کی برکات تیزی سے ظاہر ہو رہی ہیں اور وہ وقت دور نہیں ہے جب یہی افغان قوم ان شاء اللہ! ساری دنیا کو روٹی بانٹے گی اور دنیا کے غریب لوگ افغانستان میں اپنا دنیاوی مستقبل سنوارنے کے لئے آئیں گے۔ یہ وقت تیزی سے قریب آ رہا ہے، بشرطیکہ افغانستان کے لوگ اسلام اور شریعت کے بارے میں اپنی موجودہ ایمانی روش پر قائم رہے۔

درحقیقت اقوام متحدہ اور اس کے گماشتے طالبان کو ان زریں اصولوں سے ہٹانا چاہتے ہیں جن اصولوں کی برکت سے ماضی میں مسلمانوں نے ترقی کی تھی۔ وہ افغانستان کو بنگلہ دیش بنانا چاہتے ہیں، جہاں کے حکمرانوں نے دنیاوی ترقی کی خاطر اقوام متحدہ اور امریکا کی ہر غلاظت کو قبول کیا، لیکن بنگلہ دیش یورپ بننے کی بجائے تیزی سے افریقا بنتا جارہا ہے۔ کاش! مسلمانوں کو یہ بات سمجھ آجائے کہ یہ گورے کافر اپنے علاوہ کسی کو بھی دنیا میں عزت وسکون کا سانس لیتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے اور انہوں نے عالمی بینک اور دوسرے عالمی اداروں کے ذریعے جو سودی معاشی نظام وضع کیا ہے، اس میں مسلمانوں کے لئے ترقی کی کوئی گنجائش ہے ہی نہیں، بلکہ یہ وہ گڑھا ہے جس میں ہر اگلے قدم کی گہرائی پچھلے سے زیادہ ہے اور ہمارے ملکوں کے ماہرین اقتصادان سودی گڑھوں کے رہبر (گائیڈ) ہیں۔ ان ماہرین کی تعداد اور ان کا اثر ورسوخ جس قدر بڑھتا جارہا ہے، اسی قدر مسلمانوں کی معاشی بدحالی بڑھتی جارہی ہے۔ اگر موجودہ معاشی نظام ہمارے لئے درست ہوتا تو ہمارے یہ معاشی ماہرین اب تک ملک سے فقر وفاقے کو نکال باہر کرچکے ہوتے، لیکن ہر آئے دن اقتصادی عدم توازن اور غربت میں اضافہ ہورہا ہے۔ کاش! مسلمان غور فرمائیں۔ کاش! حکمران اپنے ذہنوں کو آزاد کر کے ہمت کا ثبوت دیں۔

اقوام متحدہ کا خیال یہ تھا کہ تنوروں کا مسئلہ اُٹھتے ہی افغانستان کے طول وعرض میں مظاہرے اور ہنگامے شروع ہوجائیں گے، طالبان کے خلاف بیواؤں اور یتیموں کی بڑی بڑی ریلیاں نکلیں گی، ''بھوک مٹاؤ ملک بچاؤ'' کا نعرہ لگا کر کئی لیڈر میدان میں اُتر آئیں گے اور طالبان کو بالآخر سالانہ پچیس کروڑ روپے کی روٹیوں کی خاطر اقوام متحدہ کی شرطوں کے سامنے سر ٹیکنا پڑجائے گا، لیکن افغانستان میں ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ دنیا بھر کے میڈیا نے ان تنوروں کے بند ہونے سے پھیلنے والی جس متوقع بے چینی کا تذکرہ کیا ہے، اس کے دور دور تک آثار نظر نہیں آرہے، کیونکہ:

☆ افغانستان کے مسلمان اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کا رازق اللہ تعالیٰ ہے۔

☆ افغانستان کے مسلمانوں کو اپنے دیانتدار، فکرمند اور مخلص حکمرانوں پر اعتماد ہے کہ وہ انہیں مصیبت کی گھڑیوں میں اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

☆ افغانستان کے حکمران اگر ان چیزوں سے جھکنے والے ہوتے تو بامیان کے بتوں کی قیمت اربوں ڈالر وصول کرسکتے تھے اور اس رقم سے بڑے بڑے تنور چلا سکتے تھے، لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کے

سوا کسی کے سامنے جھکنے کا کبھی ارادہ نہیں کیا۔

☆ افغانستان کے مسلمان جانتے ہیں کہ اُمت مسلمہ ابھی بانجھ نہیں ہوئی، وہ مائیں جنہوں نے افغانستان کی آزادی کے لئے دنیا بھر سے اپنے لخت جگر بھیج کر شہید کروائے ہیں، وہ افغانستان کے غریبوں کی روٹی بھی بھجوا سکتی ہیں اور بیٹے ذبح کروانے والوں کے لئے روٹی بھیجنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

☆ افغانستان کے مسلمان دیکھ رہے ہیں کہ ان کی یہ غربت اور افلاس عارضی ہے اور ان شاء اللہ! عنقریب ان پر فتوحات کے دروازے کھلنے والے ہیں، تو پھر وقتی بھوک کی خاطر ہمیشہ کی عزت کا سودا کیوں کریں؟

☆ افغانستان کے مسلمان امریکی قوم کی طرح لالچی اور ہوس پرست نہیں ہیں کہ روٹی کی خاطر سڑکوں پر نکل آئیں، بلکہ یہ تو وہ صابر وشاکر قوم ہے جس نے ہمیشہ تر نوالوں کو چھوڑ کر اپنے ایمان اور غیرت کی حفاظت کی ہے۔

☆ افغانستان کے مسلمانوں نے اکیلے کلمہ نہیں پڑھا اور نہ انہوں نے یہ ساری قربانیاں اپنی ذات کے لئے دی ہیں۔ آج دنیا میں کلمہ پڑھنے والوں کی تعداد کروڑوں سے متجاوز ہے اور ان کلمہ گو مسلمانوں میں سے بہت سارے لوگ افغانوں کو اپنا محسن مانتے ہیں اور ان کی قیادت کو سلام پیش کرتے ہیں۔ افغانستان کے تین لاکھ مسلمانوں کو روٹی پہنچانا ان مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور ان شاء اللہ! وہ اس ذمہ داری کو نبھانے میں کسی قسم کی سستی نہیں کریں گے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ بخل یہودیوں کی صفت ہے، جبکہ مسلمان تو سخی ہوتا ہے اور مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی وقت بیش بہا نعمتیں ملتی ہیں جب وہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے دل کھول کر خرچ کرتا ہے۔

طالبان انتظامیہ کے اقوام متحدہ کے ساتھ مذاکرات چل رہے ہیں۔ افغانستان میں الحمد للہ! مکمل سکون ہے اور عالم اسلام کے معروف رفاہی ادارے ''الرشید ٹرسٹ'' نے امت مسلمہ کی لاج رکھتے ہوئے یہ اعلان کردیا ہے کہ اگر اقوام متحدہ نے ان تنوروں کو بند کیا تو ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مسلمانوں کے تعاون سے انہیں چلائیں گے۔

ہم اس موقع پر الرشید ٹرسٹ کے درد دل رکھنے والے منتظمین کو آفرین پیش کرتے ہیں اور انہیں دل کی گہرائیوں سے دعائیں دے کر کہتے ہیں کہ آپ خود کو اکیلا نہ سمجھیں۔ افغانستان پر سے گورے

کافروں کی کالک صاف کرنے کے عمل میں ہمت واخلاص کے ساتھ جتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اس کے بندوں کی حمایت آپ کے ساتھ ہے۔ ''**ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین.**''

والسلام

دین کا کام اور تنگ دلی

(۱)

ہر دن ایک نیا تقاضا سامنے آتا ہے، آخر ہم کہاں کہاں اپنا مال خرچ کریں؟ یہ وہ الجھن بھرا سوال، خیال یا وسوسہ ہے جو شیطان کسی نیکی کے کام میں خرچ کرنے والے انسان کے دل میں ڈالتا ہے تاکہ اسے اس نیکی سے محروم کر سکے۔

اگر فلاں دینی کام بھی شروع ہوگیا تو ہمارا دینی کام بھی بند ہو جائے گا؟ یہ وہ شیطانی خیال ہے جو دین کا کام کرنے والوں کے اخلاص کو برباد کرنے کے لئے شیطان کی طرف سے ان کے دل میں ڈالا جاتا ہے۔

ان دونوں باتوں کی قدرے تفصیل سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ انسان کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں ہے، اسے جو کچھ ملتا ہے مالک کی طرف سے ملتا ہے۔ پھر جو خوش نصیب افراد اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال کو اس کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، انہیں اس مال کا نفع اور فائدہ دنیا اور آخرت میں ملتا ہے اور جو لوگ خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں، ان کے مال کا نقصان انہیں دنیا اور آخرت دونوں جگہ چکھنا پڑتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو ہمیشہ سے اٹل چلی آ رہی ہے اور تا قیامت اس قانون میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ نیکی کے کام میں مال دینے والا شخص اگر اکتانے لگے تو یہ اس کی بدنصیبی اور کم بختی ہے۔ اسی طرح نیکی کرنا اور اس پر قائم رہنا انسان کا اپنا کمال نہیں، بلکہ یہ تو مالک کا کرم ہے کہ

کسی سے دین کا کام لے لے پھر جب اللہ تعالیٰ کسی سے اپنے دین کا کام لینے کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اسے اس کام کے لئے اسباب و وسائل بھی فراہم فرماتا ہے اور توفیق بھی دیتا ہے۔ چنانچہ کوئی دینی کام کسی فرد یا افراد کا محتاج نہیں ہوتا لیکن اگر دین کا کام کرنے والوں کی نظر اسباب پر یا ظاہری طور پر اسباب فراہم کرنے والوں پر چلی جائے تو یہ ان کی بہت بڑی بدبختی ہوتی ہے جس کی وجہ سے کئی طرح کے گناہ اور غلطیاں ان سے سرزد ہوتی ہیں۔ ماضی کو کھنگالئے یا حال پر نظر ڈالئے آپ کو یہ حقیقت بالکل اٹل اور انمٹ نظر آئے گی۔

اس ابتدائی بلکہ بنیادی نکتے کو سمجھنے کے بعد آیئے! ایک نظر شروع میں بیان کی گئی دو باتوں پر ڈالتے ہیں۔

(۱) شیطان ملعون کی کوشش ہے کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے کوئی بھی جنت میں نہ جاسکے اور کوئی بھی کسی طرح کی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ نیکی کے کاموں میں مال خرچ کرنا ایک ایسا عمل ہے جو انسان کے گناہوں کو دھو دیتا ہے اور اس کے راستے کو سیدھا کرتا ہے، چنانچہ شیطان اس نیکی سے روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے جبکہ دوسری طرف خود انسان کے نفس کے اندر مال جمع کرنے اور اسے روک کر رکھنے کی جو بیماری ہے وہ شیطان کے وسوسہ کو طاقت دیتی ہے اور یوں بہت سارے انسان تنگ دلی کا شکار ہوجاتے ہیں اور ایسا کرتے ہیں کہ ہم اپنا مال آخر کہاں کہاں خرچ کریں؟ مدرسوں میں دیں یا مسجدیں بنوائیں؟ طالبان کو بھجوائیں یا کشمیری مجاہدین کو دیں؟ زخمیوں کی اعانت کریں یا شہداء کے اہل خانہ کی کفالت کریں؟ کنویں کھدوائیں یا غریبوں کے لئے روٹی کا بندوبست کریں؟ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس شیطانی خیال کو جھٹک دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو بہت تھوڑے تقاضے ہیں۔ ہمارا اللہ ہمیں دیتا جائیگا اور ہم نیکی کے ہر کام میں خرچ کر کے بلندیاں حاصل کرتے چلے جائینگے۔ جن مدارس کو اللہ تعالیٰ نے چلانا ہے وہ چلتے رہیں گے۔ جن مجاہدین سے اللہ تعالیٰ نے کام لینا ہے انہیں وسائل ملتے رہیں گے تو پھر کیوں نہ ہم ہی وہ سعادت مند بنیں جو اللہ تعالیٰ کے ان کاموں میں اپنا حصہ ڈالیں اور مال کے نقصان سے محفوظ رہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نیکی کے ہر کام میں خرچ کرتے رہے یہاں تک کہ زمین کی خلافت ان کے قدموں میں آگری۔ اگر خرچ کرنے سے تنگی آنی ہوتی تو سب سے زیادہ تنگی حضرت

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر آتی، کیونکہ ان کے سامنے جب بھی دین کے کسی کام کا تقاضا آتا تھا تو سب کچھ اٹھا کر دے دیتے تھے لیکن ان پر ایک دن کے لئے بھی تنگی نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ملکوں کے خزانے ان کے قدموں میں گرا دیے۔ البتہ یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے اس وسعت کے باوجود مال سے پرہیز رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرز پر چلتے ہوئے شیطانی وسوسہ کو دل سے نکال کر پھینک دیتے ہیں اور جب بھی ان کے سامنے دین کا کوئی تقاضا آتا ہے وہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور پھر اپنے اوپر اور اپنی اولاد پر اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیوں کے مناظر دیکھتے ہیں، لیکن کمزور دل لوگ شیطان کے وسوسے کا شکار ہوجاتے ہیں اور مال خرچ کرنے سے بخل کرنے لگتے ہیں، تب محرومی ان کا نصیب بن جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"الشیطٰن یعدکم الفقر، ویامرکم بالفحشاء، و اللہ یعدکم مغفرة منه وفضلاً، واللہ واسع حکیم." (البقرة: ۲۶۸)

"اور شیطان تمہیں تنگ دستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی کشائش والا اور بہت حکمت والا ہے"۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ فحشاء (بے حیائی) کا معنی یہاں بخل ہے۔ (جلالین: ص ۴۲)

یعنی جس طرح زنا کی طرف مائل ہونا بے حیائی ہے، اسی طرح بخل اور کنجوسی کی طرف مائل ہونا بھی ایک طرح کی خطرناک بے حیائی ہے کہ مجاہدین کے پاس اسلحہ نہ ہو اور غریب مسلمان بھوکے مر رہے ہوں اس وقت کچھ مسلمان شیطان کے بہکاوے میں آکر نوٹ گننے والی مشین بن کر اپنے خزانوں پر سانپ کی طرح بیٹھ جائیں اور پھر ان نوٹوں پر ورثاء کو جھگڑتا چھوڑ کر دنیا سے چلے جائیں۔ اسی طرح بعض قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بخل کرنے والا شخص آہستہ آہستہ نفاق کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اور اگر بخل کا مرض بڑھ جائے تو پھر نفاق پختہ ہوجاتا ہے۔ آج اگر دنیا کے اکثر و بیشتر مالدار مسلمانوں کو دیکھا جائے تو اس قرآنی حقیقت پر ایمان بڑھ جاتا ہے۔ ان مالداروں کے پاس ہزاروں نہیں لاکھوں ایکڑ زرخیز زمینیں ہیں، بعض کے پاس تیل کے کنویں ہیں جبکہ بعض کے پاس سونے چاندی اور کرنسی کے ڈھیر ہیں، لیکن مجال ہے کہ ان کے مال میں سے ایک پھوٹی کوڑی اللہ کے راستے میں خرچ ہوجائے۔ خود

سوچئے! کہ یہ مومن کی نشانی ہے یا منافق کی؟

اسی طرح قرآن وسنت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشی بدحالی کی ایک بڑی وجہ بخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ خرچ کریں گے تو انہیں وسعت دی جائیگی۔ پس معلوم ہوا کہ مالی وسعت حاصل کرنے کا اصل طریقہ سود لینا، نوٹ جمع کرنا، یا تاجرانہ چالیں چلنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے راستے اور دین کے تقاضوں پر مال خرچ کرنا ہی روزی میں وسعت کا ذریعہ ہے۔ کاش! مسلمان اس طریقے کو سمجھتے تو آج دنیا میں کافروں کے محتاج نہ ہوتے۔ اگر دنیا بھر کے مسلمان اپنے مال کا ایک فیصد جہاد پر خرچ کریں تو دنیا میں کوئی ان کا مدمقابل نہیں رہے گا۔ اگر دنیا بھر کے مسلمان اپنے مال کا ایک فیصد مسکینوں اور غریبوں پر خرچ کریں تو دنیا میں کوئی مسلمان بھکاری باقی نہیں رہے گا۔ اگر دنیا بھر کے مسلمان اپنے مال کا ایک فیصد دینی تعلیم پر خرچ کریں تو دنیا ان کی ترقی کو دیکھ کر حیرت سے آنکھیں ملے گی، لیکن بخل، کنجوسی، اسراف اور مال روکنے کے امراض نے مسلمانوں کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔ ہماری قوم اور ہماری زمینوں سے نکلنے والا اکثر مال کافروں کے بینکوں اور تجوریوں میں گل سڑ رہا ہے اور اس کے ایک بڑے حصے کا فائدہ صرف اسلام دشمنوں کو پہنچ رہا ہے۔ مال کے بارے میں یہ بخل اور آپا دھاپی اجتماعی خود کشی کی طرف لے جا رہی ہے۔ جناب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”واتقوا الشح، فإن الشح أهلك من كان قبلكم، حملهم أن سفكوا دماء هم واستحلوا محارمهم.“ (صحيح مسلم)

”بخل سے بچو کیونکہ بخل نے تم سے پہلے والوں کو ہلاک کیا۔ اس نے انہیں خونریزی کرنے اور حرام کو حلال کرنے (یعنی اس میں مبتلا رہنے) پر ابھارا“۔

دیکھئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ہلاکت کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ کس قدر تیزی کے ساتھ مسلمانوں کو چاٹ رہی ہے۔ آج ہمارے تاجر تیزی سے ملک چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں اور اپنا سرمایہ کافروں کے ممالک میں محفوظ کر رہے ہیں، ہمارے مالدار افراد بھی غیر محفوظ ہیں اور غریب بھی۔ اور پیسے کی کثرت کے باوجود ہر شخص معاشی تنگی کا کسی نہ کسی راستے سے شکار ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”مال کو خوب خرچ کرو اور (اللہ کے راستے میں) خرچ کرنے سے گریز نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم

سے (روزی کی برکت اور اس کے فوائد وثمرات) روک لے گا۔“

(صحیح البخاری)

آپ آج کے ان مالداروں کی حالت پر ایک نظر ڈالیں جو نیکی کے کاموں میں مال خرچ نہیں کرتے۔ آپ ان کی بدحالی، پریشانی اور تکلیفوں کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائیں گے اور آپ کو احساس ہوگا کہ یہ لوگ تو فاقہ زدہ غریبوں سے زیادہ مصیبت میں مبتلا ہیں، بلکہ سچ یہ ہے کہ وہ ایسے تنوروں میں جل رہے ہیں جن میں سونے چاندی کے ذریعے آگ بھڑکائی گئی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ زیادہ مال والے لوگ بڑے خسارے میں رہیں گے، سوائے ان کے جو خوب (اللہ کے راستے میں) خرچ کریں گے۔ (بخاری)

خلاصہ اس پوری گفتگو کا یہ ہے کہ دین کے مصارف اب الحمدللہ! کافی بڑھ چکے ہیں۔ مدارس، جہاد، مساجد، رفاہی کام وغیرہ وغیرہ۔ ان مصارف کو دیکھ کر مالدار مسلمانوں کو گھبرانے یا تنگ دل ہونے کی بجائے خوش ہونا چاہئے اور ان تمام کاموں میں خوب حصہ لینا چاہئے، تب:

☆ مال میں برکت نصیب ہوگی۔

☆ نفاق سے حفاظت رہے گی۔

☆ مالی تنگی نہیں آئے گی۔

☆ نفاق کے مرض کا علاج ہوگا۔

☆ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور عقلمند بندوں میں شمار ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”ہر صبح دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: اے میرے پروردگار! (اپنی راہ میں) خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطاء فرما اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! بخیل کے مال کو تلف (تباہ) فرما۔“ (بخاری، مسلم)

لیکن جو شخص زیادہ مصارف کو دیکھ کر گھبرا جائے گا، یا تنگ دلی کا مظاہرہ کرے گا یا اپنی عزت قربان کر کے دین کے کاموں کی طرف متوجہ کرنے والوں کو کوسنے لگے گا تو ایسا شخص سوائے اپنے کسی کا نقصان نہیں کریگا۔ وہ علاقہ جہاں تک گاڑی نہیں پہنچ سکتی اللہ تعالیٰ وہاں لڑنے والے مجاہدوں کو کھانا بھی پہنچاتا

ہے اور اسلحہ بھی، دنیا کے وہ غریب ممالک جہاں فقر وفاقہ ننگے جن کی طرح ناچ رہا ہے وہاں پر عالیشان مساجد اور مدارس تعمیر ہو رہے ہیں ۔ دین کے کام جنہیں اللہ تعالیٰ نے چلانا ہوگا چلتے رہیں گے اور خوش نصیب روحیں ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھتی رہیں گی ۔

یہاں تک مختصر تذکرہ تھا دینے والوں کی تنگ دلی اور وسعت قلبی کا۔ ان شاء اللہ اگلی کسی مجلس میں اس بیماری پر ایک نظر ڈالیں گے جو بعض دین کا کام کرنے والوں کو برباد کرتی ہے اور وہ اس فکر میں گھلنا شروع ہو جاتے ہیں کہ اگر فلاں مالدار آدمی ٹوٹ گیا تو ہمارے فلاں کام کا کیا بنے گا؟ یا اگر فلاں دینی کام زیادہ ترقی کر گیا تو ہمارے دینی کام کو کتنا نقصان پہنچے گا؟ یہ بیماری پہلی بیماریوں سے کم خطرناک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں بیماریوں سے بلکہ تمام روحانی اور جسمانی بیماریوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

والسلام

(جاری ہے)

دین کا کام اور تنگ دلی

(۲)

اللہ تعالیٰ اور اس کا دین..... کسی کا محتاج نہیں ہے..... جبکہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے..... اور دین کا کام وہ سعادت ہے..... جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق..... سے حاصل کی جاسکتی ہے ..... اور یہ بھی حقیقت ہے کہ..... دین کا کام جس قدر بڑھے گا..... اسی قدر زمین پر امن وسکون..... اور خوشحالی کی فضا قائم ہوگی..... لیکن ان تمام حقائق کے باوجود..... دین کا کام کرنے والے بعض افراد..... تنگ دلی کے مرض کا شکار ہو جاتے ہیں..... اور انہیں یہ وہم لگ جاتا ہے کہ..... اگر دین کا فلاں کام بھی شروع ہو گیا یا بڑھ گیا..... تو اس سے ہمارا دینی کام..... متاثر ہو جائے گا..... یا کمزور پڑ جائے گا..... اس طرح بعض اوقات یہ وسوسہ بھی..... زہر قاتل بن کر دل پر حملہ کرتا ہے..... کہ ہمارا فلاں دینی کام..... فلاں شخص کے مالی تعاون کی وجہ سے چل رہا ہے..... اگر یہ شخص ہم سے ٹوٹ گیا..... یا روٹھ گیا تو پھر..... ہمارے کام کا کیا بنے گا.....؟ اس لئے اس شخص کو اپنے پروں کے نیچے ہی رکھا جائے..... اور اس کی خلاف شریعت باتوں کو بھی..... ہنس ہنس کر برداشت کیا جائے.....

تنگ دلی کا یہ مرض دینداروں کے درمیان حسد پیدا کرتا ہے..... جی ہاں! وہی حسد جس نے یہودیوں کے دیندار طبقے کو..... اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق بنا دیا..... جی ہاں!..... وہی حسد جو نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے..... جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے..... تنگ دلی کی یہ بیماری دینداروں کو

ایک دوسرے کا معاون بنانے کی بجائے..... مخالف بنا دیتی ہے..... پھر مقابلے بازی کی اندھی دوڑ لگتی ہے..... غیبت کی جہنم گرم ہوتی ہے..... اور دوسرے کو دین سکھانے والے خود اپنے..... متعلقین اور معاونین کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں..... اور سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ..... تنگ دلی کا یہ موذی مرض..... بعض اوقات دین کے اہم شعبوں..... اور اہم دینی شخصیات کی مخالفت..... جیسے خطرناک گناہ کا ذریعہ بن جاتا ہے..... خود سوچئے کہ ایک انسان کے لئے عموماً..... اور ایک مسلمان کے لئے خصوصاً..... اس سے بڑی اور کیا بدقسمتی ہوگی کہ..... وہ دین کے اہم شعبوں میں حصہ ڈالنے کی بجائے..... ان کی مخالفت کرے..... اور دین کی خاطر قربانیاں دینے والی..... مقبول ہستیوں کو برا بھلا کہے..... اور یہ گناہ صرف اس لئے کرے کہ اگر میں نے..... ایسا نہ کیا تو لوگ مجھ سے ٹوٹ کر فلاں دینی کام کا تعاون کرنے لگیں گے..... اور میرا دینی کام بے سہارا رہ جائے گا..... افسوس صد افسوس! اس پست ذہنیت پر..... حقیقت یہ ہے کہ یہ ذہنیت صرف اسی بدنصیب شخص کی ہو سکتی ہے..... جو اللہ تعالیٰ کی قدرت..... طاقت اور..... قوت کو نہ جانتا ہو..... اور اللہ تعالیٰ کے رازق اور ولی المومنین ہونے کو نہ مانتا ہو۔

چونکہ تنگ دلی کی یہ خطرناک بیماری..... انسان کو شرک کی طرف..... دین کے شعبوں کی مخالفت کی طرف..... اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی طرف لے جاتی ہے..... اس لئے اس مرض کا علاج ضروری ہے..... اور اس سے پناہ مانگنا مومن کی شان ہے..... آیئے! ایسے پانچ نسخے پڑھتے ہیں..... جن کے استعمال سے..... اس موذی مرض کا خاتمہ ہو جاتا ہے..... اور بندے کا اللہ تعالیٰ سے ٹوٹا ہوا رابطہ بحال ہو جاتا ہے۔

(۱) پہلا نسخہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے..... اپنے ایک فرمان میں..... اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام..... ذکر فرمائے ہیں۔ اگر دین کا کام کرنے والے خوش قسمت افراد..... ان ننانوے اسماء حسنیٰ پر..... غور فرمائیں..... تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ..... دینی کاموں کی توفیق دینے والا..... اور اس کے لئے اسباب مہیا کرنے والا..... اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے..... اگر ہم نے ایمان اور تقویٰ کے ذریعے اسے راضی کر لیا..... تو پھر اس کا خصوصی کرم ہم پر جاری رہے گا..... اور ساری دنیا کے مقابلے پر آ جانے کے باوجود..... ہماری دینی خدمات جاری رہیں گی..... اور انہیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا..... اللہ تعالیٰ کے ان اسماء

حسنیٰ میں سے ایک ہے: ''الکریم''.....

حضرت ملا علی قاری ''الکریم'' کا معنیٰ لکھتے ہیں:

''کثیر الجود والعطاء الذی لاینفد عطاؤہ ولاتفنی خزائنہ.''

(مرقاۃ: ج ۵، ص ۸۸)

''خوب سخاوت فرمانے والا اور ہمیشہ دینے والا، جس کی عطاء بند نہیں ہوتی اور جس کے خزانے ختم نہیں ہوتے۔''

انہیں اسماء حسنیٰ میں ایک نام ''الوہاب'' ہے، جس کی تشریح میں لکھا ہے:

''کثیر النعمة دائم العطية.'' (ص ۸۰ جلد ۵)

''خوب نعمتوں والا..... اور ہمیشہ عطاء فرمانے والا۔''

اللہ تعالیٰ کے انہیں پیارے ناموں کو پڑھتے ہوئے ایک عارف نے بے ساختہ کہا تھا:

''منذ عرفت خالقی ماشککت فی رزقی.'' (مرقاۃ: ص ۸۱ جلد ۵)

''جب سے میں نے اپنے خالق کو پہچانا ہے میں نے اپنی روزی کے بارے میں کبھی شک یا فکر نہیں کی۔''

مشہور بزرگ حضرت بایزید بسطامی نے ایک شخص کے پیچھے نماز ادا کی..... سلام کے بعد امام مسجد نے حضرت بسطامی سے پوچھا: آپ کو روزی کہاں سے ملتی ہے؟ بایزید نے فرمایا ذرا ٹھہرو تاکہ میں وہ نماز لوٹا لوں جو میں نے تمہارے پیچھے ادا کی ہے، کیونکہ تو نے مخلوق کے رازق کے بارے میں شک کیا اور ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں جو رزاق کو نہ جانتا ہو۔

(۲) دوسرا نسخہ:

''عن أبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتلو هذه الآية: ''ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا، ویرزقہ من حیث لا یحتسب، ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ، إن اللہ بالغ أمرہ، قد جعل اللہ لکل شئی قدرا.'' حتی فرغ من الآیة ثم قال: یا أباذر! لو أن الناس کلھم أخذوا بھا لکفتھم.'' (مسند احمد)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: (آیت کا ترجمہ) ''اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا (تقویٰ اختیار کرے گا) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے (تکلیف و آزمائش سے) خلاصی کی کوئی صورت پیدا فرمادیں گے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیں گے جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے کام کو پورا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔'' (آیت کی تلاوت کے بعد) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے ابوذر! اگر تمام لوگ اس آیت کے مطابق عمل شروع کردیں (یعنی تقویٰ اور توکل اختیار کرلیں) تو یہ آیت سب کے لئے کافی ہوجائے (یعنی تمام لوگوں کو ان ذرائع سے رزق پہنچے جہاں ان کا وہم گمان بھی نہ ہو۔)''

(اقتباس از ترغیب المسلمین)

اس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی نسخہ بیان فرمایا ہے اور اپنی امت کو اللہ تعالیٰ کا یہ سچا وعدہ یاد دلایا ہے کہ روزی اور خلاصی کے لئے چالاکی اور ہنر کی نہیں، تقویٰ اور توکل کی ضرورت ہے، پھر دین کے کاموں کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس نے انبیاء علیہم السلام اور ان کے معاونین ومومنین کے ساتھ خصوصی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے، چونکہ دین کا کام کرنے والے خوش نصیب لوگ حضرات انبیاء علیہم السلام کے کام کو آگے بڑھا رہے ہوتے ہیں اس لئے وہ اس وعدے کا حصہ ہیں، چنانچہ اگر دین کے یہ خدام تقویٰ اختیار کریں یعنی گناہوں سے بچیں اور توکل اختیار کریں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہ رکھیں تو پھر ان پر روزی اور اسباب کی وسعت کس قدر ہوگی؟ اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔

پھر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نہایت تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کرے گا اللہ تعالیٰ ضرور اس کی نصرت فرمائے گا، تو کیا اس تاکیدی وعدے کے بعد بھی دین کی نصرت کرنے والوں کے لئے روزی کے بارے میں کسی خدشے کی گنجائش رہ جاتی ہے؟ اس نسخے کے ذیل میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما مرفوعاً: ''إن أهل البيت إذا تو اصلوا

أجرى الله تعالىٰ عليهم الرزق، وكانوا في كنف الله.''

(کنز العمال)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جب کسی گھر کے افراد آپس میں صلہ رحمی اور حسن سلوک کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر رزق جاری فرمادیتے ہیں اور وہ تمام افراد اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔''

اس روایت کو پڑھنے کے بعد دین کا کام کرنے والے افراد اور اداروں پر ضروری ہے کہ وہ اپنے افراد کار کے درمیان صلہ رحمی، اتفاق کار اور حسن سلوک کو یقینی بنائیں، تب اس کام پر وسائل کی فراہمی کا دروازہ کھلا رہے گا، جیسا کہ روایت مبارکہ میں وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، نیز اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وسائل کی تنگی دوسرے دینی کاموں کے میدان میں آنے کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی نااتفاقی اور دوسرے گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(۳) تیسرا نسخہ:

ایک عارف باللہ عالم دین اکثر اپنے بیانات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض اسلاف نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ دین کا کام کرنے والوں کو چاہئے کہ وقتاً فوقتاً اپنے اخلاص کو جانچتے رہا کریں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو دینی کام آپ کر رہے ہیں اگر کسی اور نے بھی وہی کام شروع کر دیا تو آپ کو خوشی ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر خوشی ہوتی ہے تو شکر کریں کہ آپ کا اخلاص محفوظ ہے اور اگر خوشی کی بجائے تکلیف پہنچتی ہے تو سمجھ لیں کہ میں دین کا کام نہیں کر رہا تھا بلکہ دین کے نام پر اپنے ذاتی مفادات حاصل کر رہا تھا، اس لئے جب دوسرا شریک آگیا تو نفع کم ہونے کے خطرے سے تکلیف شروع ہوگئی، ورنہ اگر دین سے محبت ہوتی تو ضرور خوش ہوتے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کا کام بڑھانے کے لئے اور افراد کو بھی کھڑا فرمادیا ہے۔ وہ عالم دین بطور مثال کے فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے والد کا جنازہ جا رہا ہو اور چار آدمی آکر اسے کندھا دینے لگیں تو بیٹے کو خوشی ہوتی ہے۔ پس اگر دین سے اتنی محبت ہوتی جتنی اپنے باپ سے ہے تو اس کی خدمت کرنے والوں سے دل تنگ نہ ہوتا بلکہ انہیں دیکھ کر خوشی ہوتی اور دل سے دعائیں نکلتیں.....

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ تنگ دلی کی وجہ سے انسان دین کے بعض کاموں کی مخالفت کرتا ہے اور

دینداروں کو برا بھلا کہتا ہے لیکن اس کے باوجود خود اس کا کام نہیں بڑھتا، بلکہ تنگ دلی اور حسد کے گناہوں اور غیبت کی نحوست سے اس کے کام کو بھی نقصان پہنچتا ہے، لیکن اگر یہی شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے دین کی محبت میں دوسرے دینی کاموں کی قدر کرتا ہے اور دین کا کام کرنے والوں کو دعاؤں سے نوازتا ہے تو اس کا اپنا کام بھی ترقی کرے گا اور اسے دوسرے دینی کام کے ساتھ تعاون کا اجر بھی ملتا رہے گا..... بات اپنی اپنی قسمت کی ہے.....

(۴) چوتھا نسخہ:

اخلاص کے ساتھ چلنے والے دینی کاموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت اس قدر ہے کہ اگر اسے حسابات کے ترازو میں تولا جائے تو انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اس کا دل یہ سوچ کر بیٹھنے لگتا ہے کہ اتنا کچھ کہاں سے فراہم ہو رہا ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ کے خزانے ختم تو درکنار کم ہونے والے بھی نہیں ہیں۔ آیئے! اخلاص کی بنیاد پر چلنے والے بعض دینی کاموں پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ امید ہے کہ یہ مختصر سی تحقیق نظر ہمارے اندر سے تنگ دلی کے عفریت کو نکال باہر کرے گی۔

گذشتہ چھ سال کے عرصے میں پاکستان کی معاشی حالت سخت ابتر ہوئی ہے اور پاکستانی کرنسی کی قیمت بین الاقوامی بازار میں سو فیصد سے بھی زیادہ گر چکی ہے۔ ملک کے کئی تاجر وطن چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں جبکہ مہنگائی کا بھوت ہر سُو اپنے خونی پنجے گاڑتا نظر آ رہا ہے، مگر اس معاشی ابتری کے چھ سالوں میں ملک کے دینی مدارس نے کم از کم پچاس فیصد ترقی کی ہے۔ وہ مدارس جہاں چھ سال پہلے طلبہ کی تعداد تین چار سو تھی، آج وہاں یہ تعداد پندرہ سو سے دو ہزار تک ہے۔ ان چھ سالوں میں کئی نئے مدارس کھلے ہیں جبکہ اکثر مدارس نے اپنی تعمیرات اور شاخوں میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ گذشتہ سال تک وفاق المدارس سے ملحق مدارس کی تعداد ۳،۳۰۰ اور طلبہ کی تعداد پچھتر ہزار کے لگ بھگ تھی اور اس سال مزید پندرہ ہزار طلبہ کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ طالب علم مدارس میں رہتے ہیں اور ان کی خورد و نوش اور تعلیم و تربیت کے تمام مصارف یہ ادارے خود برداشت کرتے ہیں۔ ان مدارس میں سال کے کم از کم دس مہینوں میں تعلیم و طعام کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اگر بالفرض ایک طالب علم کا روزانہ کا خرچ اوسطاً ۷۵ روپے قرار دیا جائے (حالانکہ اخراجات اس سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں) تو پچھتر ہزار طلبہ کا سالانہ خرچہ ایک ارب اڑسٹھ کروڑ

پچھتر لاکھ روپے بنتا ہے اور اگر پندرہ ہزار مزید طلبہ کی تعداد اس میں بڑھائی جائے تو مزید ۳۳ کروڑ پچھتر لاکھ روپے کا خرچ سامنے آتا ہے، پھر کتابوں کی قیمت، علاج کے مصارف، طلبہ اور اساتذہ کے ماہانہ وظائف، مدارس کی بجلی، پانی اور گیس کے بل اور تعمیرات پر خرچ ہونے والے کروڑوں روپے بھی شامل کئے جائیں تو عقل حیران ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ کہاں سے فراہم ہو رہا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان مدارس کا کفیل و وکیل ہے؟

پھر ایسے مدارس بھی موجود ہیں جو وفاق المدارس کے تحت نہیں ہیں مگر وہ بھی چل رہے ہیں اور نئے مدارس کے کھلنے کی وجہ سے کسی پرانے مدرسے کو بند نہیں کرنا پڑا، بلکہ پرانے مدارس بھی ترقی پر ترقی کرتے چلے آ رہے ہیں اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ بڑھتا چلا جائے گا۔ امید ہے کہ اس ایک جھلک کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین بڑھ گیا ہوگا۔

جہاد کی مخالفت اور ملک کے معاشی حالات کی ابتری کے باوجود جہادی کام بھی روز افزوں ترقی کر رہا ہے اور مجاہدین کے ماہانہ مصارف کی مقدار کروڑوں تک پہنچ رہی ہے۔ مگر یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مہیا ہو رہا ہے۔ مجاہدین کی صرف ایک جماعت جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی مراکز میں سے صرف دو مراکز میں گندم کی کھپت سالانہ چار ہزار من ہے جبکہ صرف پنجاب میں اس کے دفاتر کی تعداد تین سو ہے۔ اس کے علاوہ ملک بھر میں سینکڑوں دفاتر، لائبریریاں اور مراکز کام کر رہے ہیں۔ ماہانہ مصارف ایک کروڑ سے متجاوز ہیں۔ دینی اور اصلاحی کام، شہداء کے اہل خانہ کی کفالت، اسیروں کی دیکھ بھال، زخمیوں کا علاج اور تعلیمی شعبے بھی کام کر رہے ہیں۔ ہر آئے دن مصارف کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی کھلی آنکھوں سے نظر آ رہی ہے۔ چونکہ جہادی کام اپنے اندر بے شمار احتیاطیں رکھتا ہے اس لئے باریک تفصیلات کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس عظیم جہادی تحریک کا مستقل کفیل و وکیل ہے؟

تبلیغی جماعت کا کام ایک فقیر منش درویش نے شروع کیا تھا۔ آج ملک اور بیرون ملک چلنے والی جماعتوں کے صرف کرائے کا حساب لگایا جائے تو یہ بھی کروڑوں میں نکلے گا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس دینی کام کا وکیل و کفیل ہے؟

الرشید ٹرسٹ کا رفاہی اور دینی کام ضرب مؤمن کے توسط سے آپ کے سامنے آتا رہتا ہے اور

اب باوجود اس کے کہ کئی اور ٹرسٹ بھی میدان عمل میں ہیں، الرشید ٹرسٹ کے کام میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ قربانیاں ہوں یا روٹی مہیا کرنے کا انتظام، سلائی مشینیں ہوں یا بیماروں کی خدمت، چیچنیا کے مظلوم ہوں یا افغانستان کے بے سہارا مسلمان، الرشید ٹرسٹ ہر جگہ آپ کو بلند خدمات میں مشغول نظر آئے گا۔ کیا اس خالص دینی اور رفاہی ادارے کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کفیل و وکیل ہے؟

یہ تھی ایک ادنیٰ سی جھلک جو دینی کاموں پر ہونے والے ہوشربا مصارف کی طرف محض ایک اشارہ کرتی ہے، ورنہ اگر تفصیلات بیان کی جائیں تو ہزاروں صفحات بھی ناکافی ہوں گے کیونکہ روئے زمین کا کوئی خطہ بحمد اللہ دینی خدمات سے خالی نہیں ہے۔ اور تو اور جہاد جیسے مشکل فریضے کی شمع بھی ان علاقوں تک میں جل رہی ہے جہاں ابھی تک بجلی کے بلب نہیں جل سکے۔

اللہ تعالیٰ ان سب کاموں کو چلا رہا ہے بلکہ اگر دنیا پر اسلام غالب آ گیا تو ان خدمات کا دائرہ اور بھی بڑھ جائے گا اور وہی مالک جو آج انہیں چلا رہا ہے اس وقت بھی انہیں چلاتا رہے گا، ان شاء اللہ۔

یہاں ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ساری دنیا افغانستان کو تباہ حال ملک گردانتی ہے، لیکن آپ حضرات کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ افغانستان میں دینی مدارس اور ان کے طلبہ کی تعداد پاکستان کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اب آپ اوپر درج شدہ مصارف کی روشنی میں اندازہ لگائیے کہ افغانستان کے مدارس کس طرح سے چل رہے ہیں؟

(۵) پانچواں نسخہ:

بعض اسلاف کا قول ہے:

"من خدم الله خدمته الدنيا، ومن أطاع الله أطاعه المخلوق."

''جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی خدمت کو مقصود بنایا، دنیا اس کی خدمت گار ہو جائے گی اور جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کی کُل مخلوق اس کی فرمانبردار ہو جائے گی۔'' (ترغیب المسلمین)

اس مقولے کو بار بار پڑھئے..... دل سے لگائیے..... بلکہ دل میں بٹھائیے..... تب اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں جگہ پائے گی..... اور تنگ دلی کا مرض..... راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے گا.....

یا اللہ! ہمیں اپنی خدمت (یعنی عبادت اور دین کی خدمت) کو مقصود بنانے اور اپنی غیر مشروط

اطاعت کرنے کی توفیق عطاء فرما..... یا اللہ! تو ہمیں اپنا بنالے اور اپنی رضا جوئی کا جنون ہمارے ذہنوں پر..... سوار فرما دے..... آمین۔

والسلام

دہلی کی ڈائری

ہمارے ملک کے نئے ''صدر صاحب'' دہلی، آگرہ اور اجمیر جا رہے ہیں۔ دہلی میں وہ اپنا مکان بھی دیکھیں گے اور راشٹر پتی بھون (صدارتی محل) کی ضیافت بھی کھائیں گے۔ آگرہ میں تاج محل ہے یعنی ایک بادشاہ اور ملکہ کی محبت کا مقبرہ۔ یقیناً جو بھی زندہ خاوند اور بیوی اسے دیکھتے ہیں، انہیں وہ وقت یاد آتا ہے جب وہ دنیا میں نہیں ہوں گے اور اپنے اعمال کا حساب دے رہے ہوں گے۔ اُمید ہے کہ اس محل کو دیکھ کر ہمارے صدر صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ فکرِ آخرت کی نعمت لے کر آئیں گے اور ان کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوگا کہ زندگی کے بقیہ چند دنوں میں ایسی نیکیاں کر جائیں جو مرنے کے بعد کام آئیں۔ آگرہ میں اور بھی بہت کچھ ہے، لیکن مکار ہندو وہ سب کچھ نہیں دیکھنے دیں گے، ورنہ دہلی اور یوپی کے تمام علاقوں میں مسلمانوں کے زخم، ان زخموں کے نشان اور ان زخموں پر بنی ہولناک داستانیں بکھری پڑی ہیں......

اجمیر شریف خواجہ معین الدین چشتی کا ڈیرہ ہے...... وہ مجاہد و صوفی بزرگ جن کے چہرے کا نور ہندوؤں کو مسلمان ہونے پر آمادہ کر لیتا تھا...... آج خواجہ کی نگری کے اس نور کو مٹانے کے لئے خرافات و بدعات کا طوفان بدتمیزی پر اُمڈ آیا ہے۔ لوگ وہاں جاتے ہیں اور واپس آ کر کمرے جتنی بڑی دیگ، تنور کی طرح مُنہ پھاڑنے والے قوال، رقص و سرور کی محفلیں اور زائرین کو لوٹنے والے چوروں اور لٹیروں کی داستانیں سناتے ہیں۔ نہ خواجہ کا تذکرہ ہوتا ہے، نہ سلسلہ چشت کی چاشنی بھری باتیں ہوتی ہیں اور نہ حضرت معین الدین کے نورانی اثرات کہیں نظر آتے ہیں۔ اللہ کرے ہمارے صدر صاحب اپنے چہرے

پر وہی نور لے کر وہاں سے آئیں جو نور حضرت خواجہ صاحب کے چہرے پر چمکتا تھا...... چاند کی طرح دمکتا تھا...... اور لوگوں کے دلوں کی ظلمت کو دور کرتا تھا۔

سفر سے واپسی پر پھر...... دہلی آنا ہوگا...... یہاں لال قلعہ ہے، جو کسی کا منتظر ہے۔ ایک بوڑھا قطب مینار ہے، جو ہر آنے جانے والے سے قطب الدین ایبک کا پتہ پوچھتا ہے۔ ایک مسجد قوت الاسلام ہے...... جسے نمازیوں کی نہیں...... غازیوں کی تلاش ہے...... اور اسی دہلی میں ایک تہاڑ جیل بھی ہے، جہاں کئی جوانیاں سسک رہی ہیں، کئی جذبے تڑپ رہے ہیں۔ صدر صاحب! اگر مسئلہ کشمیر کے حل کی بات ہو تو تہاڑ جیل بھی یاد رہے۔ یہاں مقبول بٹ کو کیوں پھانسی دی گئی؟ یہاں سجاد شہید نے اپنی زندگی کے قیمتی دن کیوں کاٹے؟ یہاں آج بھی کشمیر کی آزادی کے لئے...... اپنی جوانی اور آزادی قربان کرنے والے کئی نوجوان بند ہیں۔ امید ہے کہ تہاڑ جیل کی اونچی دیواروں کے پیچھے قید...... ان کے جذبوں کو فراموش نہیں کیا جائے گا۔

صدر صاحب کا سفرِ دہلی شروع ہونے والا ہے۔ مجھے بھی وہ دن یاد آ گئے جب میں دہلی گیا تھا، پھر وہاں سے کشمیر جا پہنچا اور پھر گرفتار ہو کر دوبارہ دہلی لایا گیا۔ جہاں زندگی کے دو سال گذرے گئے۔ اسی تہاڑ جیل میں کئی یادداشتیں قلمبند کی تھیں، ان میں سے بعض شائع ہو چکی ہیں...... جبکہ بعض ابھی تک زیر التواء کتاب ''مسکراتے زخم'' کے چھپنے کے انتظار میں ہیں۔ صدر صاحب کے دورے کی تفصیل تو آپ...... اخبارات میں پڑھ لیں گے۔ کس سے ملے؟ کہاں گئے؟ کیا کھایا؟ کیا پایا؟ موسم کیا تھا؟ موڈ کس طرح رہا؟ وغیرہ وغیرہ، لیکن کشمیر کی آزادی کے لئے برسرِپیکار مجاہدین جب قید ہو جاتے ہیں تو جیل میں ان کی زندگی کیسے بسر ہوتی ہے؟

آیئے! دہلی کی تہاڑ جیل میں لکھا ہوا ڈائری کا ایک صفحہ پڑھتے ہیں، چونکہ یہ قید کے خوشگوار ایام تھے اور تشدد کا سلسلہ رکا ہوا تھا، اس لئے تحریر میں کہیں کہیں شوخی اور بے ساختگی بھی اُمڈ آئی ہے۔

''آج جمعرات کا دن ہے...... ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ ۶ اور اگست ۱۹۹۶ء کی ۲۲ کی تاریخ ہے...... موسم خوشگوار ہے...... ہلکی ہلکی پھوار اور ٹھنڈی ہوا نے...... گرمی کو...... خنکی سے بدل دیا ہے...... ہندوستان پر لحیم شحیم...... ایچ وی دیوگوڑا...... کی مخلوط حکومت برسراقتدار ہے...... وزیراعظم کا تعلق...... جنوبی صوبے کرناٹک سے ہے...... اور وہ...... جنتا دل پارٹی کے لیڈر ہیں...... حکومت میں جنتا دل کے

ساتھ تیرہ پارٹیاں شریک ہیں...... کابینہ میں صرف ایک وفاقی وزیر...... اور دو وزیر مملکت مسلمان ہیں ...... کانگریس کے صدر اور سابق وزیراعظم نرسمہاراؤ چار سوبیسی اور دھوکہ دہی کے ایک مقدمے میں پھنسے ہوئے ہیں...... جبکہ سی بی آئی...... یعنی سینٹرل انویسٹی گیشن بیورو...... قومی تحقیقاتی ادارے نے...... چھاپہ مار کر...... سابق وزیر مواصلات...... سکھ رام کے گھر...... سے ساڑھے تین کروڑ...... روپے ضبط کیے ہیں...... کشمیر میں...... اگلے ماہ الیکشن کا اعلان کر دیا گیا ہے...... ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی نیشنل کانفرنس نے الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا ہے...... آج کشمیر میں بارود بنانے کے...... دو کارخانے پکڑے گئے...... اخبارات کا دعویٰ ہے کہ...... یہ دونوں...... حرکۃ الانصار کے تھے......

میں تہاڑ جیل نمبر ا کے...... وارڈ نمبر ۵...... یعنی ہائی سیکورٹی وارڈ کے بلاک ای کے سیل نمبر ۳ میں بیٹھا ہوا یہ حروف لکھ رہا ہوں...... تہاڑ جیل نئی دہلی...... پانچ جیلوں پر مشتمل ہے...... میری جیل...... ایک نمبر ہے...... ایک نمبر جیل میں کئی وارڈ ہیں...... وارڈ نمبر ا وی آئی پی وارڈ ہے...... وہاں اندرا گاندھی بھی رہ چکی ہیں...... آج کل وہاں مشہور ہندو سادھو...... نیمی چند جین...... عرف چندرا سوامی...... فراڈ کے کیس میں بند ہے...... اس وارڈ میں...... رہنے والوں کے وارے نیارے ہوتے ہیں...... وارڈ نمبر ۸...... فارنر وارڈ ہے...... اس میں سب غیر ملکی ہیں...... ہمارے ساتھیوں میں سے ناصر محمود آفتاب (آزاد کشمیر) اور محمد عزیز خان (آزاد کشمیر) وارڈ نمبر ۸...... میں رہتے ہیں...... ان کے علاوہ محفوظ احمد...... محمد تیمور...... امجد خان اور محمد شریف (بنگلہ دیشی) بھی اسی وارڈ میں ہیں...... یہ سارے وارڈ کھلے رہتے ہیں...... البتہ دوپہر بارہ تا تین...... اور رات سات تا صبح چھ...... بند رہتے ہیں......

مگر ایک وارڈ سب سے الگ تھلگ ہے...... یہ ہے وارڈ نمبر ۵...... اسے ہائی سیکورٹی وارڈ...... یا عرف عام میں ہائی لائٹ کہتے ہیں...... یہاں...... تامل ناڈو کی پولیس فورس ٹی ایس پی کا پہرہ رہتا ہے ...... اور قیدی چوبیس گھنٹے بند رہتے ہیں...... اس وارڈ کے تین حصے ہیں:...... پہلا حصہ ڈی بلاک کہلاتا ہے ...... اس میں دس سیل ہیں...... وہاں ایک کشمیری شیعہ نوجوان فیروز رہتا ہے...... باقی سب ہندو ہیں...... یا سکھ...... ایک سال پہلے...... اپنی بیوی نمنا ساہی کو قتل کر کے...... تندور میں جلاتے ہوئے...... پکڑا جانے والا یوتھ کانگریسی لیڈر...... سوشیل شرما...... بھی ڈی بلاک میں ہے......

دوسرا بلاک ای ہے۔ اس میں بھی...... دس سیل ہیں...... ۹ آباد اور ایک غیر آباد...... اس غیر آباد

میں بہت پہلے...... ایک سرنگ کھودی گئی تھی...... جو مسلمان افریقیوں نے...... بھاگنے کے لئے کھودی تھی ...... تب یہ وارڈ بھی فارنر وارڈ کا حصہ تھا...... اس سیل کو...... سیل کر دیا گیا...... یہاں سیل کو چکی کہتے ہیں...... چکی نمبر ا جو ڈی بلاک سے ملتی ہے...... اس میں ہمارے ساتھی...... نصر اللہ منصور ہیں...... افغانستان میں خونی معرکہ لڑنے والے مجاہد...... کمانڈر ۹۳ء میں...... اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ...... اچانک فوج کے...... گھیرے میں آ کر...... اندھیرے میں...... پکڑے گئے...... چکی نمبر ۲ میں...... تین افراد ہیں...... نصیح اللہ افغانی...... جو افغانستان کے صوبہ پنجشیر...... کے مشہور عالم دین...... قاضی عبداللطیف صاحب کے فرزند ہیں...... ۹۴ء میں آرمی کے ہاتھوں گرفتار ہوئے...... آج کل ان کے والد ہندوستان تشریف لائے ہوئے ہیں...... ابھی جبکہ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں دوپہر کے ۲ بجکر ۲۴ منٹ ہوئے ہیں...... وہ اپنے والد صاحب سے...... ملاقات کرنے ڈیوڑھی گئے ہیں...... ہائی لائٹ کے قیدی...... ہر ہفتے میں...... صرف پیر...... اور جمعرات کو...... اپنے رشتے داروں سے مل سکتے ہیں...... نصیح اللہ کی رہائی کے لئے...... افغانی سفارت خانہ کوشش کر رہا ہے...... اللہ تعالیٰ...... کامیابی دے...... وہ اچھے قاری ہیں...... اور ہمیں اکثر نماز پڑھاتے ہیں...... ان کے ساتھ...... رضاء اللہ اعوان ہیں...... وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے...... ایک صوفی بزرگ کے نیک بیٹے ہیں...... شادی شدہ ہیں اور ایک بچی کے والد...... ۹۳ء میں انڈین آرمی کے ہاتھوں گرفتار ہوئے...... اس چکی میں تیسرے فرد...... سیف اللہ خالد ہیں...... دینی مدرسے میں ابتدائی تعلیم حاصل کر چکے...... آزاد کشمیر میں...... منگ (کانجری) کے رہنے والے...... جو اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ...... ۹۳ء میں انڈین آرمی کے ہاتھوں گرفتار ہوئے......

تیسرے سیل میں...... راقم الحروف ہے...... جس کا نہ کوئی قابل ذکر ماضی ہے، نہ حال...... چوتھے سیل میں...... سجاد خان...... ہیں...... جو کشمیر میں سجاد افغانی کے نام سے معروف ہیں...... حرکۃ الانصار کے ...... کشمیر میں سالار اعلیٰ...... ۹۴ء فروری میں اچانک انڈیا آرمی کے ہاتھوں...... پکڑے گئے...... سیل نمبر ۵ میں...... ایک جرائم پیشہ مسلمان...... چنگیز خان ہے...... جو یوپی میں سہوان کے علاقہ کا رہنے والا ہے...... سیل نمبر ۶ اور ۷ میں...... دو ہندو بھائی ہیں...... راجندر اور ہری پرکاش...... دونوں پر قتل کے کئی کیس ہیں...... ہریانہ کے رہنے والے ہیں...... صبح سویرے ہمیں رام رام کہہ کر...... سلام کرتے ہیں...... ہمیں بھی گردن یا...... ہاتھ ہلا کر پڑوس کا خیال رکھتے ہوئے...... جواب دینا پڑتا ہے...... سیل نمبر ۸ میں شاہد لطیف

ہیں..... موڑ ایمن آباد گوجرانوالہ کے رہنے والے..... پہلی مرتبہ ۹۳ء میں..... درگاہ حضرت بل میں پکڑے گئے.....اور چھوٹ گئے.....پھر ۹۴ء میں جموں میں پکڑے گئے.....سیل نمبر ۹ میں..... خالد محمود ہیں..... جنہیں..... پہلوان کہا جاتا ہے..... اصل میں..... مانسہرہ کے ہیں مگر..... لاہور میں پلے بڑھے ہیں..... ۹۴ء میں..... دہلی میں پکڑے گئے..... تیسرا ایف بلاک ہے..... اس میں ببر خالصہ انٹرنیشنل کے ..... دو سکھ ہیں.....اور داؤد ابراہیم کے پرانے ساتھی..... سبھاش ٹھاکر اور جتندر ٹھاکر ہیں..... جو آج کل داؤد کے سخت مخالف ہیں..... ایف بلاک میں..... صرف پانچ سیل ہیں..... تو اس طرح ہائی لائٹ وارڈ کل ۲۵..... چکیوں پر مشتمل ہے..... ہم اس وارڈ کے..... تینوں بلاکوں میں..... رہ چکے ہیں..... پہلے..... ایف میں تھے..... پھر ڈی میں گئے..... اب ای میں ہیں.....

میرے سیل میں..... ایک گھڑا ہے..... اس میں پینے کا پانی ہے..... ایک دوسرا گھڑا ہے..... اس میں مَیں نے ہری مرچوں کا اچار ڈالا ہوا ہے..... صرف نمک اور تیل میں..... شروع میں..... میں کھاتا تھا اور لوگ نہیں..... اب اور لوگ کھاتے ہیں..... میں نہیں..... وقت وقت کی بات ہے..... ایک چٹائی ہے..... اس پر نماز پڑھتا ہوں..... ایک مچھر دانی..... ایک بستر..... ایک پرانا بیگ..... کچھ کتابیں ..... کئی پین..... جو کبھی لکھتے ہیں..... کبھی نہیں..... زمین پر بنی ہوئی پانی کی حوضی..... جیسے چڑیا گھر کے پنجرے میں ہوتی ہے..... اور ایک بیت الخلاء جس پر میں نے پردہ لٹکا رکھا ہے..... دو کاپیاں..... ایک پلاسٹک کا تھیلا..... اس میں قرآن مجید اور مناجات مقبول ہے..... اور ایک تھیلا..... اس میں خطوط ہیں ..... ایک اور پلاسٹک کا تھیلا..... اس میں..... ستو ہے..... جو گھر سے پارسل کے ذریعے آیا ہے..... یہ سب تھیلے دیوار پر لٹک رہے ہیں اور میں ننگے فرش پر بیٹھا ہوا یہ حروف لکھ رہا ہوں۔

موسم بہار کا فائدہ اٹھائیں

جہاد کشمیر بہت سارے لوگوں کی آنکھوں میں کھٹک رہا ہے۔ کیوں نہ کھٹکے؟ وہ کام جسے روکنے کے لئے ساری دنیا کے یہودی صدیوں سے زور لگا رہے ہیں، جسے بند کرنے کے لئے کئی ملکوں نے بڑے بڑے بجٹ مخصوص کر رکھے ہیں، جسے مٹانے کے لئے دنیا کے کئی ادارے وجود میں لائے گئے ہیں، وہی کام، جی ہاں! جہاد فی سبیل اللہ! ان دونوں وادئ کشمیر میں پوری آب وتاب کے ساتھ جاری ہے۔ جہاد کا نام اسلام کے غلبہ کی ضمانت ہے۔ جہاد کا کام مسلمانوں کے وجود کی علامت ہے۔ جہاد کا نعرہ مسلمان کے ایمان کی حرارت ہے اور اس کی روح کی حلاوت ہے، اسی لئے کافر ہر حال میں جہاد کو روکنا چاہتے ہیں، اسے بند کرنا چاہتے ہیں۔ آج اسی جہاد کی بدولت انڈیا کا ظالمانہ وجود خطرے میں ہے اور جہاد کی چنگاریاں انڈیا کے اندر دور دور تک پھیل چکی ہیں۔ جہاد مظلوم قوموں کو حریت کا سبق سکھاتا ہے اور زندہ رہنے، بلکہ شان سے زندہ رہنے کے گُر بتاتا ہے۔

غیر ملکی اسلام دشمن طاقتوں نے انڈیا کی گردن پر پاؤں رکھا کہ کشمیر میں جہاد بند کراؤ، کیونکہ اس سے صرف تمہیں ہی نہیں پوری دنیا کے کفر کو خطرہ ہے۔ تاریخ ہمیں بتا رہی ہے کہ مسلمان جب مرنے کے لئے تیار ہو جائے تو پھر دنیا اس کے قدموں کی خاک بن جاتی ہے۔ مسلمانوں میں جب چند لوگ قربانی دینے والے کھڑے ہو جائیں تو پھر اس قوم کی طوفانی یلغار کو روکنا کسی کے بس کی بات نہیں رہتی۔ یہ دلیل سن کر انڈیا مذاکرات پر راضی ہو گیا، جسے وہ دشمن کہتے نہیں تھکتا تھا، اس کے استقبال کے لئے آنکھیں

بچھانے پر مستعد ہو گیا۔ یہ سچ ہے کہ دنیا کے کسی بھی گورے یا کالے کافر کو کشمیر کے مسلمانوں سے ذرہ برابر ہمدردی نہیں ہے، ورنہ اقوام متحدہ کے ایک اشارے پر بموں کی قطاریں برسانے والے اقوام متحدہ کی کشمیر کے بارے میں باقاعدہ قرارداد پر آنکھیں بند کر کے کیوں بیٹھے رہے؟ کشمیریوں نے جلوس نکالے، مگر کسی کی آنکھ نہ بھیگی۔ کشمیریوں نے مظاہرے کیے، مگر کسی کے کان پر جوں نہ رینگی۔ کشمیری مسلمانوں نے بارہا اقوام متحدہ کو اس کی قرارداد یاد دلائی، مگر اقوام متحدہ اس بارے میں اپنا حافظہ کھو بیٹھی۔ کشمیریوں نے ہڑتالیں کیں، مگر کوئی مسئلہ کشمیر کو "مسئلہ" ماننے کے لئے تیار نہ ہوا۔

اس عالمی غفلت، بے حسی اور بدترین جانبداری کے زمانے میں انڈیا نے کشمیر پر اپنے پنجے اچھی طرح گاڑ دیے اور اپنے قبضے کو مستحکم کر لیا۔ بڑی بڑی فوجی چھاؤنیاں، زیر زمین عسکری اڈے، ہر علاقے میں جنگی ہیلی پیڈ اور مسلح دستے، بری اور فضائی افواج کے بڑے بڑے لشکر کشمیر کے سینے پر مونگ دلتے رہے۔ فلم کلچر کو عام کیا گیا تاکہ کشمیری نوجوان اسلام سے کٹ کر بالی وڈ کا دیوانہ بن جائے۔ سینما، کیبل نیٹ ورک، نائٹ کلب اور شراب خانے اور پھر بدبودار سیاحوں کے شیطانی غول کشمیر پر چھوڑے گئے تاکہ کشمیری نہ مسلمان رہے نہ غیرت مند۔ رہی سہی کسر کشمیر کے ناپاک اور بے حیا پنڈتوں نے پوری کر دی، انہوں نے مسلمانوں کی ہندوؤں کے ساتھ شادیوں کو رواج دیا تاکہ آزادی کی امنگ شہوت کدوں میں بہ جائے

اس کے ساتھ ساتھ کشمیریوں کو ایک دوسرے کا مخالف ہی نہیں دشمن بنا دیا۔ ایک رب کا کلمہ پڑھنے والے کشمیریوں کو پہاڑی اور شہری، گجر اور کشمیری کے تفرقوں میں ڈال دیا گیا۔ سرینگر والے کپواڑہ والوں کے دشمن بنائے گئے جبکہ کپواڑہ والوں کے دل میں سرینگر کی مخالفت ڈالی گئی۔ میر اور بٹ ڈار کے مخالف بنے جبکہ ڈار کو بٹ کے مقابل کھڑا کیا گیا۔ میں سوپور کا ہوں، میں اننت ناگ کا ہوں، میں ڈوڈہ کا ہوں اور میں پونچھی ہوں، یہ اسباق کشمیریوں کو چھوٹے بچوں کی طرح رٹوائے گئے۔ یہ سارے بظاہر بہت مضبوط انتظامات تھے۔ انہی عسکری، جنگی، فلمی، تہذیبی اور شیطانی انتظامات کو دیکھ کر یقین ہو گیا کہ اب کشمیری قیامت تک انڈیا کا غلام رہے گا اور کشمیری مسلمان ہندوؤں کی نوکری کو سعادت سمجھتا رہے گا۔ انہیں انتظامات کو دیکھ کر انڈیا کے ہر لیڈر نے دو دونی چار کی طرح یہ پہاڑا رٹ لیا "کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے" اٹوٹ یعنی کبھی نہ ٹوٹنے والا، انگ یعنی حصہ ہے۔ یہ جملہ بھارت کے ہر شیطان نے فخر

کے ساتھ بولا اور بھارتی پارلیمنٹ نے اسے قانون کا درجہ دے دیا۔ مندر کی نیاز کھانے والے رہنما یہ صورتحال دیکھ کر خوشی کے مارے کپڑوں سے باہر آنے لگے۔ انہوں نے پاکستان کے ساتھ ملحقہ آزاد کشمیر کو واپس لینے کی بات شروع کر دی۔ ان کم عقل مشرکوں کو خوش کرنے کے لئے بھارت کے سابق پردھان منتری (وزیراعظم) نرسمہاراؤ نے عورتوں کے ایک اجتماع میں اعلان کر دیا کہ ہم عنقریب آزاد کشمیر کو بھی واپس لے لیں گے۔ مشرک عورتیں خوشی سے یوں ناچنے لگیں جس طرح مشرکین مکہ کی عورتیں غزوہ بدر سے پہلے ناچ رہی تھیں۔

مگر اچانک یہ سارا جادو ایک دم ٹوٹ گیا اور دنیا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ کشمیری مسلمانوں نے جہاد کا نعرہ بلند کر دیا ہے۔ گلے میں لاکٹ ڈالنے اور فرن کے نیچے جین کی پینٹ پہننے والا کشمیری نوجوان مسلح ہو کر میدان میں اتر آیا، آپس کے تفرقے جہاد کی گرمی میں پگھل گئے، بزدلی ڈل جھیل کی تہ میں ڈوب مری اور انڈین کلچر پولیس کے ڈر سے بھاگنے والے چور کی طرح واپس بمبئی کی طرف دوڑ پڑا۔ فوجی چھاؤنیاں مجاہدین کی شکارگاہیں بن گئیں اور ہیلی پیڈ خوف کی وجہ سے ویران ہو گئے۔ جی ہاں! کشمیر میں باقاعدہ جہادی تحریک شروع ہو گئی حالانکہ ادھر ادھر کے دانشور اسے ناممکن بتاتے تھے۔ رہنما ٹھنڈی آہ بھر کر کہتے تھے کہ کشمیر افغانستان جیسا نہیں ہے، ہم کیسے لڑیں گے؟ کس کس سے لڑیں گے؟ کہاں لڑیں گے؟ اسلحہ کہاں سے لائیں گے؟ قوم کی بزدلی کا کیا کریں گے؟ آپس کے اختلافات کو کیسے مٹائیں گے؟

لیکن ایک دم نقشہ بدل گیا اور ہر سوال کا عملی جواب کلاشنکوف کے دہانے تڑ تڑ کر کے دینے لگے۔ کشمیر کے پنڈت دم دبا کر بھاگ گئے۔ سی آئی پی ایف نے خوف کی وجہ سے عدالت عالیہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ بی ایس ایف کے سورما جنگلی جانوروں کی طرح بھاگنے لگے۔ آرمی کے بڑے بڑے قافلے کشمیر پہنچنے لگے مگر تحریک اور گرم ہوتی گئی۔ مشرک نے مدد کے لئے یہودیوں کو بلایا۔ اسرائیلی جنگ باز خم ٹھونک کر آئے مگر انہیں اپنی لاشوں سمیت واپس جانا پڑا۔ فضائی طاقت استعمال ہوئی لیکن کشمیر کے پہاڑوں اور جنگلوں نے ان کا خوب مذاق اڑایا۔ بلیک کیٹ کمانڈوز آئے مگر اپنے منہ بلیک کر کے چلے گئے۔ راشٹریہ رائفل کے دستے اتراتے ہوئے آئے مگر لنگڑاتے ہوئے بھاگ گئے۔ انڈین حکومت نے جگ موہن کو لایا مگر اس کی سفاکی اور دہشت بلی کی میاؤں ثابت ہوئی۔ پھر اے، کے آزمودہ کھلاڑی سکسینہ کو لایا گیا مگر وہ بھی اپنے جال اور پھندے خالی واپس لے گیا۔ پھر اکثر فوں کرشنا راؤ کا دور آیا اس نے بڑے دعوے

کیے، بالآخر ذلیل ہو کر شکست کا داغ لے کر واپس چلا گیا۔

انڈیا نے ہر مہرہ آزمایا مگر اٹوٹ انگ میں لگی آگ بندر کی دُم میں لگنے والے شعلے کی طرح آگے بڑھتی گئی۔ پہلے تحریک وادی میں تھی، انڈیا نے ظلم بڑھایا تو ڈوڈہ کے پہاڑوں پر تحریک کے دیپ جگمگانے لگے۔ انڈیا نے اور طاقت بڑھائی تو پونچھ میں ڈوگرہ شاہی کے زخم خوردہ مسلمان بھی کھڑے ہو گئے اور تحریک کشمیر نے پیر پنجال کے پہاڑی سلسلے کو اپنا گھر بنا لیا۔ اس کے بعد اودھم پور، راجوڑی اور تمام سرحدی اضلاع جہاد کے نعروں سے گونجنے لگے۔ باڈر پر تین لاکھ آرمی لگا دی گئی لیکن مجاہدین کے قافلے آتے رہے، جاتے رہے۔ انڈیا نے مجاہدین کے اسلحہ ڈپو پکڑنے اور تباہ کرنے کے دعوے کیے، مگر مجاہدین کی جھڑپیں تین تین دن تک گرم رہنے لگیں۔ یا خدا! اتنا اسلحہ ان اللہ کے شیروں کے پاس کہاں سے آتا ہے؟ یہ دیکھ کر دنیا کے سارے کافر ششدر رہ گئے اور خوف کی لہریں ان کے دماغوں سے ٹکرانے لگیں۔

انڈیا نے غیر ملکی طاقتوں سے ہاتھ ملایا۔ کشمیر میں الیکشن کا ڈھونگ رچایا۔ ایک کٹھ پتلی وزیر اعلیٰ کو گدی پر بٹھایا اور ترنگ میں اعلان کر دیا کہ اب کشمیر کی تحریک دم توڑ رہی ہے۔ اس اعلان کی آواز ابھی فضا میں تھی کہ اچانک کارگل کے طوفان نے پورے انڈیا کو ہلا کر رکھ دیا اور انڈیا کو اپنا دعویٰ کتے کی قے کی طرح واپس چاٹنا پڑا۔ یہ حالت دیکھ کر دنیا سے اسلام کو مٹانے کا خواب دیکھنے والے بدبختی میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے کچھ غداروں کے ذریعے کارگل کی آگ کو بجھا دیا۔ مجاہدین کے بہی خواہ غمگین ہو گئے اور سوالات داغنے والوں کو نیا موضوع ہاتھ لگ گیا۔ کیا کشمیر کی تحریک کا انجام بھی کارگل جیسا ہوگا؟ کیا چائے کی پیالی پر اسی ہزار شہداء کے خون کا سودا کر دیا جائے گا؟ اگر اسی طرح اور پیچھے ہٹتے رہے تو کشمیر کا نتیجہ کب نکلے گا؟ کشمیری تحریک گوریلا جنگ ہے، کہیں یہ لاحاصل تو نہیں رہ جائے گی؟ ان سوالات کو سن کر کئی لوگ جہاد کشمیر کے مقدس تعاون سے محروم ہو گئے اور کئی لوگ طرح طرح کے خدشات میں مبتلا ہو گئے۔

انہی حالات میں جہاد کشمیر کے اُفق پر جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایمانی نور کے ساتھ طلوع ہو گئی۔ آفاق شہید کے فدائی دھماکے نے انڈیا کے اوسان خطا کر دیے، جبکہ بلال شہید کے فدائی حملے نے ساری دنیا کے کفر کو سخت پریشانی میں ڈال دیا۔ فکر کی لکیریں کالے اور گورے کافروں کے چہرے پر نمودار ہو گئیں اور انڈیا کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ اس موقع پر اسلام دشمن کھوپڑیاں پھر ایک بار مل بیٹھیں، تب کشمیریوں کو دانہ ڈالنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بھارت کے حکمرانوں نے کشمیری قیادت کو مذاکرات کی دعوت

دی۔ مقصد بالکل واضح تھا۔ کشمیریوں کے منہ میں داخلی خود مختاری کی ٹافی دے کر جہاد کے نعرے کو بند کرانا مقصود تھا۔ کشمیریوں سے ہمدردی جتا کر انہیں مجاہدین اور پاکستان کے خلاف کھڑا کرنا مطلوب تھا۔ امن کی دہائی دے کر زخم خوردہ کشمیریوں کو لبھانا اور ٹھنڈا کرنا مقصود تھا لیکن کشمیری اب جہاد کی بھٹی میں کندن بن چکا ہے۔ حریت کانفرنس نے اولوالعزمی کا اظہار کیا۔ بعض لیڈروں کا پھیکا پن اجتماعی عزم کے آگے کمزور پڑ گیا اور ذرائع ابلاغ نے کشمیریوں کا یہ حوصلہ مندانہ اعلان نشر کر دیا کہ ہم پاکستان کے بغیر مذاکرات نہیں کریں گے۔ تب اسلام دشمن عناصر کی کھوپڑیوں کے کیڑے بلبلانے لگے۔ پریشانی اور ناکامی کے سیاہ بادل ان کے چہروں پر چھا گئے۔ مجبور ہو کر انہوں نے آخری کھیل کا آغاز کیا۔ جی ہاں! جس حکومت کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے، اسے مذاکرات کی دعوت دے دی اور کشمیریوں کو ایک طرف رکھ دیا تاکہ پاکستان اور کشمیریوں کے درمیان غلط فہمی پیدا ہو جائے اور پھر مذاکرات میں پاکستانی حکمرانوں کے سامنے اقتصادی بدحالی کا رونا رو کر انہیں ایسے اقدامات پر مجبور کیا جائے جس سے مجاہدین اور حکومت میں پھوٹ پڑ جائے اور کشمیر میں جلنے والی آگ انڈیا کی طرف بڑھنے کی بجائے پاکستان کی طرف منتقل ہو جائے۔

حالات پر گہری نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ انڈیا نے مذاکرات کی دعوت خوشی سے نہیں، مجبوری سے دی ہے۔ انڈیا کو اس دعوت پر تین عوامل نے مجبور کیا: مجاہدین کے بھرپور فدائی حملے، حریت کانفرنس کا مذاکرات سے انکار اور مجاہدین کشمیر کا انڈیا کے اندر پہنچ کر بابری مسجد کی جگہ بنے ہوئے مندر کو گرانے کا پروگرام۔ یہ تین عوامل نہ ہوتے تو بنیا اتنا نہ جھکتا۔ آج استقبال کی تیاریاں زور و شور پر ہیں۔ پاکستان کے ضمیر فروش اداکار اور فنکار غلاظت خوری کی امیدیں لے کر انڈیا پہنچ رہے ہیں۔ بعض لوگ جہاد کشمیر کے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہیں۔ پاکستانی صدر کو لبھانے کے لئے دہلی اور آگرہ کو دلہن کی طرح سجایا جا رہا ہے۔ کشمیر سے توجہ ہٹانے کے لئے ویزے کھولنے کی باتیں اخبارات پر انڈیلی جا رہی ہیں۔ اس وقت رات کے سوا دو بج رہے ہیں، جولائی کی بارہ تاریخ شروع ہو چکی ہے، مذاکرات شروع ہونے میں صرف دو دن باقی ہیں۔

اُونچے پہاڑوں کے پیچھے اسلام کی عظمت کے لئے دن رات قربانیاں دینے والے شیر مذاکرات سے بے نیاز جہاد کی مقدس شاہراہ پر گامزن ہیں۔ وہ اپنے شہداء کرام کے خون کی دھاریوں پر ان شہداء

کے پیچھے دیوانہ وار دوڑ رہے ہیں۔ ان کی جیب میں پڑا ہوا قرآن انہیں ہر نماز کے دوران تسلی دیتا ہے کہ تم کبھی بھی ناکام نہیں ہو سکتے کیونکہ جہاد میں کامیابی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ کشمیر کی چابی اسلام کے انہی شیروں کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی بوڑھی مائیں ساری رات مصلے پر گزارتی ہیں، جبکہ ان کی جوان بہنیں آنچل پھیلا کر اپنے بھائیوں کے لئے فتح کی بھیک اللہ تعالیٰ سے مانگتی ہیں۔ حرمین شریفین کی فضائیں ان کی خاطر اٹھنے والے نالوں سے معطر ہیں اور ہوائیں ان کے جسموں سے ملاقات کو سعادت سمجھتی ہیں۔ یہ غزوہ ہند کے وہ شہسوار ہیں جن کے لئے جہنم سے نجات کی بشارت صدیوں پہلے امام المجاہدین، نبی السیف، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عطاء فرمائی تھی۔ ان کا مستقبل روشن ہے۔ اعلیٰ درجے کی شہادت یا دہلی کا تاج ان کا منتظر ہے۔

افغانستان کے جہاد میں جو لوگ استقامت سے لگے رہے انہوں نے بہت کچھ پالیا۔ کشمیر کے مجاہدین بھی بہت کچھ پا رہے ہیں اور آئندہ بھی ان شاء اللہ بہت کچھ پائیں گے۔ اس زمانے کے مسلمان خوش نصیب ہیں کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشارت فرمودہ جہاد ہند نصیب ہو گیا ہے۔

اے مسلمانو! یہ ایمان کا موسم بہار ہے۔ جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی خالص شرعی اور اسلامی جماعت اور پھر غزوہ ہند کی عظیم سعادت، بے شک یہ موسم بہار ہے، خدشات میں پڑ کر محروم ہونے کی بجائے آگے بڑھو اور جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر اس عظیم جہاد کے مزے لوٹو۔ جان بھی لگاؤ تا کہ قیمتی اور پاکیزہ بن جائے اور مال بھی لٹاؤ تا کہ آخرت کا نفع بخش ذخیرہ بن جائے۔

دو تحفے

ضرب مؤمن کے صفحات پر بکھرے ہوئے دلچسپ، انمول اور شہرہ آفاق موتیوں کو مختلف مجموعوں کی صورت میں سمیٹنے اور پرونے کا کام الحمد للہ! تیزی سے جاری ہے اور یقیناً ہمارے باذوق قارئین کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ عنقریب دو خوبصورت مجموعے ان شاء اللہ! منظر عام پر آیا چاہتے ہیں۔ ہمارا آج کا کالم اس ''خوشخبری'' کی قدرے تفصیل پر مشتمل ہے۔

حرمین کی پکار:

یہ اس جذبات آفرین کتاب کا نام ہے جو اپنے اندر مسلمانوں کے سب سے دردناک زخم کی داستان سمیٹے ہوئے ہے۔ جی ہاں! وہ زخم جس کا احساس بھی کلیجے کو پگھلاتا ہے۔ حرمین شریفین کے بارے میں صہیونی عزائم اور ان عزائم تک پہنچنے کے لئے اسباب کا پھیلا ہوا وہ جال جسے ضرب مؤمن کے صفحات نے دلائل کے ساتھ بے نقاب کیا۔ اس اہم اور حساس موضوع کے حقیقی نبض شناس حضرت مفتی ابولبابہ مدظلہ کا قلم کئی شماروں تک تڑپتی تحریریں، بولتے نقشے اور ناقابل تردید حقائق پیش کرتا رہا۔

حرمین کے مبارک وجود پر خطرات کا یہ سایہ آج بھی باقی ہے۔ دشمنوں کے فوجی اڈے آج بھی اپنے ناپاک مقاصد کے بیج کی حفاظت کر رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا پڑا ہے (اور یہ بڑی حصولیابی ہے) کہ امت مسلمہ میں اس سنگین مسئلے کے بارے میں کسی قدر بیداری پیدا ہو چکی ہے اور بہت ساری روحیں

اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے اپنے جسموں سے بخوشی جدا ہونے کے لئے تیار ہو چکی ہیں۔ یہ ان تحریروں کی قیمت ہے جو مصنف کو ان شاء اللہ! دارین میں بھرپور نفع کے ساتھ وصول ہوگی۔ قارئین کے تقاضے پر یہ تمام مضامین کتابی صورت میں شائع کئے جا رہے ہیں اور اس کتاب کا نام ''حرمین کی پکار'' تجویز کیا گیا ہے۔

مفتی صاحب موصوف کے مضامین کے علاوہ بھی اس کتاب میں بہت کچھ ہے۔ مثلاً:

(۱) مجاہد اسلام شیخ علی عبدالرحمٰن حذیفی (امام حرم نبوی) کا وہ خطبہ جس نے حقیقی معنی میں تاریخ بدل کر رکھ دی۔ یہ یادگار خطبہ اس دور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے زندہ ہونے کا ثبوت ہے۔ یہ ایمان افروز خطبہ صوتی اور تحریری صورت میں مسلمانوں نے محفوظ کیا ہے اور آنے والے وقت کے ساتھ ساتھ اس خطبے کی اہمیت اور افادیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ جہاد حرمین کے متعلق لکھی جانے والی اس کتاب میں اس خطبے کا شامل ہونا کتاب کے ماتھے پر جھومر کی طرح ہے۔

(۲) بطل اسلام، یادگار اسلاف، شیخ اُسامہ بن لادن کا عالمِ اسلام کے نام وہ پیغام جس میں یہ مہاجر عربی شہزادہ اپنے دامن کو پھیلا کر مسلمانوں سے حرمین کے تحفظ کی فریاد کر رہا ہے۔

(۳) حرمین شریفین میں یہودی افواج کی موجودگی کے خلاف پاکستان کے نامور اور مستند جامعات کے مدلل فتاویٰ، جو اس مسئلے کی شرعی حیثیت اور اہمیت کو اُجاگر کرتے ہیں۔

(۴) تحقیقی جائزے، تصویریں، نقشے اور مستند اعداد و شمار، جنہیں دیکھنے اور پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دُشمنانِ اسلام کا اصلی چہرہ مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

یہ تمام مواد اس انمول تحقیقی اور نظریاتی کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اللہ کرے! یہ کتاب جلد قارئین کے ہاتھوں تک پہنچے اور امت مسلمہ کی مزید بیداری کا ذریعہ بنے۔ آمین! یا رب الشہداء و المجاہدین۔

معرکہ:

یہ وہ دُوسرا مجموعہ ہے جو ان شاء اللہ! عنقریب منظر عام پر آنے والا ہے۔ بندہ جب جیل میں تھا تو ضرب مؤمن کے لئے حسب استطاعت لکھتا رہا، لیکن حالات کے عدم استقرار کی وجہ سے کوئی مستقل

سلسلہ شروع نہیں کیا، بلکہ جب بھی حالات موافق ہوئے کچھ نہ کچھ لکھ کر بھجوا دیا۔ اس لکھے ہوئے کا اکثر حصہ ضرب مؤمن میں شائع ہوا اور بعد میں حضرت مفتی ابولبابہ مدظلہ کی محنت اور توجہ سے یہ تمام مضامین ''روزنِ زنداں سے'' نامی کتاب کی شکل میں شائع ہو گئے۔ یہ کتاب الحمدللہ! کئی بار چھپ کر قارئین تک پہنچ چکی ہے۔ رہائی کے بعد ضرب مؤمن کے ساتھ تعلق میں باقاعدگی پیدا ہوئی تو ''معرکہ'' کے نام سے ایک کالم کا آغاز کیا۔ ابتداء میں تو اس نام کی حرارت سے بھی لطف اندوز ہوئے، لیکن کچھ عرصہ بعد جب اس نام (معرکہ) نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا تو کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

خلاصہ یہ کہ کاموں کے ہجوم کے دوران پابندی سے معرکہ لکھنا مستقل ایک معرکہ آرائی کی شکل اختیار کر گیا۔ کئی معرکے جہاز میں لکھے گئے۔ بعض موٹروے پر گاڑی میں سفر کے دوران لکھے گئے۔ اکثر معرکے رات کے اس حصے میں لکھے گئے جو عام طور پر نیند کا حصہ شمار ہوتا ہے۔ کئی بار دوران سفر مختصر پڑاؤ کر کے اور کئی بار اپنے طے شدہ پروگراموں کے درمیان تھوڑی دیر کمرہ بند کر کے معرکے کی چوٹی سر کی گئی۔ ان تمام حالات کے باوجود صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی نصرت اور توفیق سے یہ سلسلہ جیسے تیسے جاری رہا اور چند ایک شماروں کے علاوہ کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ اس سلسلہ کے جاری رہنے میں اللہ تعالیٰ کی نصرت ہی اصل سبب ہے، لیکن ظاہری طور پر قارئین کرام کی محبت، دلچسپی اور ضرب مؤمن کے منتظمین کی مستعدی کا بھی اس سلسلے کے جاری رہنے میں بڑا دخل ہے۔ ضرب مؤمن کے منتظمین حضرات جمعرات کے دن سے وقتاً فوقتاً معرکہ لکھنے کی یاددہانی کراتے رہتے ہیں اور بندہ جہاں بھی ہو اُسے ڈھونڈ لیتے ہیں اور جب تک معرکہ نہ لکھا جائے وہ یاددہانی میں پوری طرح سرگرم رہتے ہیں۔

دُوسری طرف قارئین کرام ہر اس ہفتے جب معرکہ نہ لکھا جائے محبت بھرا شکوہ کرنے سے نہیں چوکتے، بلکہ اس شکوے کے دوران بعض قارئین نے تو یہاں تک فرمایا کہ ہم تو معرکہ کو اجتماعی طور پر پڑھتے ہیں اور آپس میں اس کی تعلیم کراتے ہیں۔ اسی طرح ایک بار ایک صاحب نسبت بزرگ نے فرمایا کہ ہم معرکہ پڑھ کر آپ کے لئے خوب دُعائیں کرتے ہیں۔ بندہ کو اپنی نااہلی کا یقین بھی ہے اور اعتراف بھی اور بندہ خود کو دُعاؤں کا بے حد محتاج سمجھتا ہے۔ چنانچہ اگر ایک ٹوٹی پھوٹی بے ربط تحریر کی وجہ سے بزرگوں اور ماؤں، بہنوں کی دُعائیں نصیب ہوتی ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا کرم اور اس کی نوازش ہے۔

حضرت مفتی ابولبابہ مدظلہ نے پہلے کی طرح شفقت فرماتے ہوئے ان بکھرے ہوئے معرکوں کو جمع

کر دیا ہے اور اب تقریباً ستر معرکوں پر مشتمل ایک مجموعہ اشاعت کے لئے تیار ہے۔

اللہ کرے! یہ مجموعہ جلد شائع ہو جائے اور بندہ کے لئے بخشش اور نجات کا ذریعہ بن جائے۔ آمین!

یارب الشہداء والمجاہدین۔

والسلام